مل گیا "ڈین ریسیونگ.... کیا بات ہے؟ اوور!"

وہ آواز عابد کے لیے اجنبی تھی مگر کوڈ سے اسے علم ہو گیا تھا کہ آئی بی کے لاہور آفس کا ریڈیو روم آفیسر اس سے مخاطب تھا۔

"گرد وارے سے آج سفید پجارن گرین کو برا کے ساتھ نکل رہی تھی۔ چیف لاہور میں بندوبست کرلیں۔ پیغام صاف ہے؟ اوور۔"

"بالکل سر! ہر لفظ ریکارڈ ہو گیا۔ یہ پیغام میں ابھی ریلے کردوں گا۔ اوور!" بھارت کی سرزمین سے موصول ہونے والے پیغام پر ریڈیو آفیسر بہت زیادہ مستعد ہو گیا تھا۔

"اوور اینڈ آل!" کوئی غیر ضروری بات کیے بغیر عابد نے سلسلہ منقطع کردیا اور لوٹ کر ایریٹس بنگو کے حوالے کردیا۔

"تمہارے دونوں کام ہو گئے۔ مجھے کتنا مال ملے گا؟" بنگو نے ندیدے پن سے سوال کیا۔

"دو کام کون سے؟" عابد نے کڑے تیوروں سے پوچھا

"میں نے صرف ایک کال کی ہے۔"

"میں نے این کے کمرے کا بھی پتا چلایا ہے۔" بنگو نے دانت نکال دیے "وہ بھی تمہارا ایک کام تھا۔ میرے بغیر تم امرتسر کے سارے ہوٹل چھانتے پھرتے پھر بھی تمہیں کوئی نہ بتاتا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں چٹکی بجاتے میں ہر کام سیدھا کردیتا ہوں۔"

"تمہاری یہ عادت بہت خراب ہے کہ تم ہمارے ہر آدمی سے زیادہ پیسے اینٹھنے کی کوشش کرتے ہو۔" عابد نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بنگو کی طرف بڑھا دیا۔

بنگو نے وہ نوٹ پھرتی سے لے کر یوں اپنی جیب میں اڑسا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں عابد وہ نوٹ واپس رکھ لے گا اور ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "تم لوگ بھی تو کبھی کبھی آتے ہو۔ روز آتے جاتے رہا کرو تو سو پچاس میں بھی میرا گزارا ہو جائے گا۔ میں نے چیف سے بھی کہا ہوا ہے کہ وہ میرے لیے زیادہ کام نکالا کرے۔ لمبی بے کاریوں سے میری طبیعت اکتانے لگتی ہے۔"

"بس اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ اور کام کرنا ہے۔" اپنا کام نکالنے کے بعد عابد نے ہنس کر کہا۔

"اجازت ہو تو این کو سلام کرتا جاؤں۔" بنگو نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سفر سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ اس وقت آرام کر رہی ہوگی۔"

بنگو نے دونوں ہاتھ جوڑے اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے عابد کی کسی بات کا برا نہیں منایا تھا۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی تھا۔

اس کے جانے کے بعد عابد چند منٹ انتظار کرتا رہا پھر مسہری کے نیچے سے فائلوں والا بریف کیس لے کر کمرے سے نکل آیا۔ اس کا رخ ہوٹل کی دوسری منزل کی طرف تھا جہاں بائیسویں کمرے میں ویرا کے قیام کے اطلاع ملی تھی۔

کمرا نمبر بائیس کے بند دروازے کے سامنے عابد نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے ویرا کی تیز آواز گونجی۔ وہ دستک دینے والے کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ عابد نے دوبارہ دستک دی۔

اس بار ویرا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ بریف کیس کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنے روبرو پا کر حیران رہ گئی۔

دہلی میں ویرا کا آئی بی والوں سے کہیں سامنا یا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہمارا ساتھ دینے والوں کے کیا نام تھے جبکہ عابد اور اس کے دونوں ساتھی ویرا کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔

"تم کون ہو؟ کیا میں تم کو جانتی ہوں؟" ویرا نے خشک اور جارحانہ لہجے میں عابد سے سوال کیا۔ عابد نے محسوس کیا کہ وہ کسی بھی خطرے کی صورت میں فوری طور پر اپنا دروازہ بند کرنے کے لیے تیار تھی۔

عابد نے تیزی سے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور میدان صاف پا کر سرگوشی میں جواب دیا "میں دوست ہوں۔ دہلی سے ڈینی کی امانت لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندر آنے کی اجازت دو تاکہ میں تمہارے شبہات دور کرسکوں۔"

ویرا نے براہِ راست عابد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

"شکریہ!" عابد تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ ویرا دروازہ بند کر چکی تھی اور کسی ہرنی کی طرح بھڑکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"تمہیں میرے کمرے کا پتا کیسے چلا....؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں بھارت میں ڈینی نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتی۔"

ویرا کے تیور بدستور جارحانہ تھے۔

"میں بھول گیا تھا۔ وہ مظہر خان اور غزالہ ہیں۔ تم ویرا نہیں این کاویل ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکلی ہو۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں تلاش کیا ہے۔ اس بریف کیس میں اہم ترین فائلیں ہیں۔ یہ

Downloaded from https://paksociety.com

تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جانی ہیں۔" عابد نے بریف کیس اس کی طرف بڑھایا۔

"اسے دور رکھو!" ویرا غرائی۔ وہ بجا طور پر بہت زیادہ محتاط تھی "اس میں کوئی آتش گیر مادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے خود کھولو۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر ہی موم ہو جائے گی مگر وہاں معاملہ دیگر تھا۔ ویرا اتنی آسانی سے اس پر اعتبار کرنے والی نہیں تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہمارے طے شدہ پروگرام میں کسی نئے آدمی کی شمولیت یا فائلوں کو پاکستان لے جانے کے معاملات سرے سے شامل نہیں تھے۔

عابد نے بریف کیس میز پر رکھ کر کھولا۔ شاپنگ بیگ میں سے تکیے کے غلاف کا بنڈل پھر اس میں سے فائلوں کا پلندہ نکال لیا "تم دیکھ سکتی ہو کہ اس میں ان فائلوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا جلد از جلد پاکستان پہنچنا ضروری ہے۔ اسی لیے میں دہلی سے یہاں آیا ہوں۔"

اس وقت تک ویرا بند دروازے کے پاس کھڑی رہی تھی۔ فائلیں دیکھ لینے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کرسی پر آبیٹھی اور بولی "بیٹھ جاؤ! کیا تم جلال کے آدمی ہو؟"

عابد نے اثبات میں سر ہلا دیا "اب تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچی ہو۔"

"مظہر اور غزالہ کہاں ہیں؟ ان کو آج یہاں پہنچ کر مجھ سے ملنا تھا۔ ان کے بجائے تم کیسے آ گئے۔"

"وہ دونوں دہلی میں پھنسے ہوئے ہیں۔" عابد نے میری خواہش کے مطابق یہ بات ویرا سے چھپالی کہ میں نے اپنی واپسی کا ارادہ خود ملتوی کر دیا تھا "جب تک مطلع صاف نہیں ہوتا، وہ دہلی سے نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر مجھے بھی واپس دہلی پہنچ جانا چاہیے۔ تم ان فائلوں کو پاکستان بھیجنے کا کوئی اور بندوبست کر لو۔"

ویرا کا وہ ٹکا سا جواب سن کر عابد کی کھوپڑی گھوم گئی۔ وہ ویرا سے ایسی سرد مہری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ان کے لیے میں نے ڈینی کے ساتھ پچھلی رات ڈیل کی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر را کے دفتر میں نقب لگائی اور یہ کاغذات نکال لیے۔ میں ڈینی کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں۔ تم دہلی نہیں، لاہور جاؤ گی۔"

"تم کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" ویرا اس کے آخری فقرے پر بگڑ گئی "میں اپنی مرضی کی مالک ہوں....."

"تم درست کہہ رہی ہو۔" عابد نے گڑبڑا کر اس کی بات کاٹ دی "انسپکٹر ڈیوڈ کے قصے میں پولیس ایک غیر ملکی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ انہیں نوجوان اطالوی مرد کے ساتھ سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ جان اسمتھ بھی مارا گیا ہے۔ اس وقت دہلی ایک چوہے دان کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ جو وہاں گیا پھنس جائے گا۔" ویرا کو دہلی واپسی سے روکنے کے لیے عابد برجستگی سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا گیا۔

حقائق اس کے بیان کے برعکس تھے۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے معاملے میں کوئی پیش رفت ہوئی تھی نہ پولیس کو کسی جوڑے کی تلاش تھی اور جان اسمتھ کی لاش تو اس وقت تک دریافت بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سمراٹ کے ایک نفیس کمرے میں مقفل پڑی ہوئی تھی۔

وہ اس کی حاضر دماغی تھی کہ اس نے حالات کو سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ میرے اور اس کے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ ویرا کو اولین فرصت میں دہلی بلکہ بھارت سے نکل جانا چاہیے۔

"ان دونوں کے دہلی سے نکلنے میں کیا رکاوٹ ہے؟" ویرا نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں را کی نظروں میں آ گئے ہیں۔ انہیں جل دے کر دہلی سے نکلنا مشکل ہے۔ ریلوے اسٹیشن یا کسی ہوائی اڈے کا رخ کرتے ہی وہ دھر لیے جائیں گے۔"

"وہ ایسی بھیانک مشکل میں ہیں۔ تم انہیں چھوڑ کر امرتسر آ گئے ہو اور مجھے پاکستان بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا متوحش نظر آنے لگی۔

"میرے دو آدمی اس وقت بھی دہلی میں ہیں۔ میں یہ بریف کیس تمہارے سپرد کر کے پہلی دستیاب پرواز سے دہلی لوٹ جاؤں گا۔ ان کی خبر گیری میں کوتاہی ہوئی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ لوں گا۔ تم کو اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ بے یار و مددگار نہیں ہیں۔"

"تم نے کاغذوں کی گٹھنی میرے گلے میں باندھ دی ہے۔ اگر تم انہیں بھیجنے کا متبادل بندوبست کر لو تو میں ہر خطرہ مول لے کر دہلی واپس جانا چاہوں گی۔" ویرا نے بے چینی سے کہا۔ عابد کی زبان سے ہم دونوں کے مسائل کی مبالغہ آمیز کہانی سن کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"کوئی اور راہ ہوتی تو میں ہرگز یہاں تک نہ دوڑا چلا آتا۔ یہ را کے سرکاری کاغذات ہیں۔ انہیں لے کر گھومنا بھی خطرناک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق سفر جاری رکھو اور ان دونوں کے لیے دعا کرتی رہو۔ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ویرا کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ فائلوں کے گرد کسا ہوا فیتہ کھولنے لگی۔

عابد بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے یہ فکر ہو رہی تھی کہ اس سے ملاقات کے نتیجے میں ویرا نے کوئی نئی قلا بازی کھائی تو اس کی الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی اور میرے سامنے وہ جواب دہی نہیں کر سکے گا۔

ویرا نے کئی فائلوں کے متعدد اوراق دیکھے مگر مندرجات میں سے کچھ اس کے پلے نہ پڑ سکا لیکن را کے شان دار لیٹر ہیڈز اور ان پر لگی ہوئی متعدد مہریں ان کاغذات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے فائلوں کو دوبارہ فیتے میں باندھتے ہوئے عابد سے پوچھا۔

"کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ بیشتر کاغذ پاکستان کے بارے میں ان کی معلومات اور منصوبوں کے بارے میں ہیں بلکہ پوری گیارہ فائلوں کے موضوع یہی ہیں۔ فائلوں کے درمیان رکھے ہوئے کاغذوں پر ان نیپالیوں کے فنگر پرنٹس اور کوائف ہیں جو اپنے ملک میں را کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"نیپال کے بارے میں کاغذوں کی تمہارے لیے کیا اہمیت ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ ہمارا دوست ملک ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے کون کون سے شہری غداریاں کر رہے ہیں۔ را کے دفتر میں ایسا بہت سا ریکارڈ تھا جسے لانا اور پھر پاکستان منتقل کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ ہم نے بقیہ ریکارڈ کو آگ لگا دی۔"

"ہائیں...!" ویرا چونک پڑی "تم لوگوں نے را کے دفتر کو آگ لگا دی؟"

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ پچھلی رات دہلی میں بہت کچھ ہوا ہے۔ اس آگ میں بلیک کیٹس کے ایک سینئر کمانڈو کی لاش بھی جل ہوگی۔ اس مہم سے نمٹتے ہی ڈینی نے مجھے ائرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ واپس دہلی جاؤں گا تو پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"تم رک رک کر باتیں بتا رہے ہو۔ ان سے خوشی کے ساتھ تشویش بھی ہو رہی ہے۔ میں یہ ریکارڈ اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔ جن چیزوں کے لیے تم دونوں نے اتنے جتن کیے ہیں۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آخر کار میں تمہیں پوری صورتِ حال سمجھانے میں کامیاب ہو گیا۔" ویرا کے ان الفاظ پر عابد کی جان میں جان آئی۔

"اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ یہ کاغذات آج چلے جائیں گے۔ دو چار روز میں دہلی کی کوئی حوصلہ افزا صورت سامنے نہ آئی تو میں دوبارہ دہلی کے سفر کے بارے میں سوچوں گی۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "تم چاہو تو اسی وقت واپس جا سکتے ہو۔"

عابد نے ویرا کی اس اجازت کو غنیمت جانا اور اسی وقت روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے اور ویرا کے مذاکرات زیادہ دیر تک جاری رہے تو وہ کسی بھی لمحے کوئی نئی بات شروع کر دے گی۔ اس کی نظروں میں ویرا بہت سیماب صفت عورت تھی جس کے مزاج میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر چیز کو ہر وقت متحرک دیکھنے کی خواہاں رہتی تھی۔

○☆○

خطرات بہت گمبھیر اور سنگین تھے مگر انہیں مول لیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے غزالہ کے کمرے کے باتھ روم سے سی ایس ڈی نکال کر بقیہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑیں اور اپنے کمرے میں واپس آکر اسے ٹیلی فون لائن سے منسلک کر دیا۔

نریش شرما سے ہونے والی آخری ملاقات نے مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت میرے پاس صرف سرلا کا فون نمبر ایسا تھا جہاں رابطہ کرنے میں زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے طور پر ہوٹل سے پاکستان کا کوئی نمبر نہیں ملاؤں گا۔ اس میں سب سے سنگین خطرہ یہ تھا کہ بیرون شہر یا بیرون ملک ملایا جانے والا ہر نمبر مستقل طور پر ریکارڈ پر آجاتا تھا۔

سرلا کے نمبر پر سنیل سے میری بہت مبہم اور مختصر بات ہوئی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ صبح را والے مجھے ہوٹل سے اٹھا لے گئے تھے۔ محض چند گھنٹوں بعد وہ فون پر میری آواز سن کر دہل کر رہ گیا تھا۔ اس سے مجھے پتا چلا کہ عابد امرتسر سے دہلی واپس آچکا تھا۔ بہ مشکل چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بہت مختصر گفتگو ہوئی!" غزالہ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ میری آواز سن کر ڈر گیا تھا اور مجھے بات ختم کرنے کا مشورہ دے رہا تھا" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی کل یا پرسوں ہی اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں پریشان تھی کہ آپ کی فون پر خاصی کھلی کھلی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود کہیں سے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ یہ بات ناقابلِ یقین سی معلوم ہوتی ہے۔"

"جن لوگوں کو اس ڈیوائس کا ذاتی تجربہ نہیں ہے' وہ اس کی پوری افادیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس وقت یہ ہمارے لیے بیم گن سے زیادہ اہم ہوگئی ہے" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اس کے بعد گوپال والے اپریٹس کی باری آتی ہے' سنیل بتا رہا تھا کہ وہ امرتسر سے لوٹ آیا ہے۔"

"کمال ہے۔ بہت جلد واپس آگیا۔ ہوسکتا ہے کہ این ابھی تک آگے روانہ نہ ہوئی ہو۔"

"یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا ہوائی سفر ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وہ کامیاب ہو کر لوٹا ہے۔"

"اسے وہاں کیا کرنا تھا جو کامیابی یا ناکامی کا سوال ہو۔ ایک بریف کیس ہی تو ویرا کو دینا تھا" غزالہ منہ بنا کر بولی۔

"گوپال ہمارے پاس سے گیا تھا۔ وہ ہمارے پہنچنے کی توقع کر رہی ہوگی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے اپنے سوالات سے گوپال کو زچ کر دیا ہوگا۔"

"ہر ایک سے الجھنا اچھی عادت نہیں ہے۔ سب اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ کسی دن کوئی سر پھرا ٹکرا گیا تو اس کا دماغ درست کردے گا اور وہ رونے بیٹھ جائے گی۔ وہ یہ حقیقت ہر وقت بھولی رہتی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"

میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔ اس وقت غزالہ کی ذہنی رو ویرا کے خلاف چل رہی تھی۔ جب وہ اس کی حمایت پر آمادہ ہوتی تھی تو اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیش کردیتی تھی۔

سات بجے ہم دونوں کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور میں نے ہی اٹھایا۔

"تم کچھ دیر کے لیے مجھ سے کہیں مل سکتے ہو؟" میری آواز پہچان کر بلا کسی تمہید کے سوال کیا گیا اور میں نے بھی وہ نسوانی آواز پہچان لی۔

"شاید تمہیں تازہ ترین واقعات کے بارے میں علم نہیں ہے۔ میں اپنے طور پر گوشہ نشین ہو چکا ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے اسی لیے ملاقات ضروری ہے۔ نیچے ریستوران میں آجاؤ۔"

"پھر بہتر یہ ہوگا کہ تم میرے کمرے میں آجاؤ۔ میں اس وقت باہر نکلنے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے بہانہ پیش کیا۔

"میں ابھی آرہی ہوں" رینا نے یہ کہہ کر انٹر کام بند کردیا۔

غزالہ کی استفہامیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں "رینا نیچے سے بات کر رہی تھی۔ وہ ملنے کے لیے یہاں آرہی ہے" میں نے اسے بتایا۔

"پھر شاید مجھے اپنے کمرے میں چلا جانا چاہیے" اس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رینا سے آزادانہ گفتگو کے لیے غزالہ کا جانا ضروری تھا مگر میں نے اس کی تردید کی "ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو اس سے ملنے کے بعد چلی جانا۔"

رینا اجیت رائے ذرا سی دیر میں ہمارے کمرے میں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بنی سنوری تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ کے چہرے سے ساری خوش مزاجی رخصت ہوگئی۔ اس نے سرد مہری سے رینا سے ہاتھ ملایا اور آخری گھونٹ میں اپنی چائے کی پیالی خالی کرکے کرسی سے اٹھ گئی "آپ رینا سے بات کریں' میں آتی ہوں۔"

وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے رخصت ہوگئی۔ رینا کہہ رہی تھی "مجھے ڈر تھا کہ تمہاری دوست بھڑک جائے گی' اسی لیے میں تم کو نیچے بلا رہی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ تم چلی جاؤ گی تو وہ خود ہی من جائے گی۔ تم اس وقت بہت خوش گوار موڈ میں ہو۔"

"رنگین مزاج اور کھلنڈرے مرد کبھی اداس چہروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے" بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے شام کے دو مڑے تڑے انگریزی اخبار نکال کر میرے سامنے ڈال دیے۔ "کچھ ان میں موجود ہے اور مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے ایک اخبار کھولا اور اس کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں را کے پاکستان ونگ میں صبح سویرے آتش زنی کی نمایاں خبر موجود تھی۔ اس میں ناگر کی موت کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ میں نے کہا "جو بات نریش شرما نے مجھ سے کہی تھی 'اس کا خبر میں کوئی ذکر نہیں ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ تمہارا ناپسندیدہ آدمی بھی دفتر کی آگ میں جل گیا۔ اس کی موت کی خبر دبادی گئی ہے کیونکہ اس کی وفاداریوں کے بارے میں یکایک کئی سوال اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔"

"نریش بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ ناگر سے میرا کیا گٹھ جوڑ تھا" میں نے اسے بتایا۔

"ہم سب کو ایسے کسی آدمی کی تلاش ہے اور وہ کوئی پاکستانی ایجنٹ ہی ہو سکتا ہے۔ اس وقت دہلی میں بہت سے پاکستانی عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ شکر ادا کرو کہ تمہاری جان آسانی سے چھوٹ گئی کیونکہ تمہارے بارے میں میری رپورٹ ریکارڈ پر ہے کہ تم ایک بے فکرے اور دل پھینک آدمی ہو۔ تمہارے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ تم ناگر سے کوئی سازباز کرتے۔ پرسوں اس سے تمہاری پہلی ملاقات ہوئی تھی جس میں وہ کسی گینڈے کی طرح تمہارے سر پر سوار ہو گیا تھا۔"

رینا اپنی ایجنسی میں بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اس کی اپنے بڑوں تک بھی رسائی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا "تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی میری جان نہیں چھوٹی۔ نریش شرما نے اگلی ہدایت تک مجھے دہلی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"راجیسے بڑے اداروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ الزام لگا کر اچانک واپس نہیں لیا جاتا۔ اگر تم اب بھی عتاب میں ہوتے تو شاید میں تمہاری طرف نہ آتی۔ میں بالکل بے فکر ہو کر یہاں آئی ہوں۔ پتا نہیں تم ریستوران میں آنے سے کیوں ڈر رہے تھے۔"

"میرے لیے را کا نام بہت ڈراؤنا ہے۔ نریش نے چند گھنٹوں میں مجھے ایسے مناظر دکھائے ہیں کہ میں اب تک خوف زدہ ہوں" میں نے اس کے دماغ میں اپنی بے گناہی کا تصور راسخ کرنے کے لیے پھریری لے کر کہا۔

"اسے ایک فلم سمجھ کر بھول جاؤ۔ ابھی ناگر اور آگ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ چار بجے ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں امریکی سفارتی افسر کی لاش دریافت ہوئی ہے۔ وہ کراچی سے چند ہفتوں کی چھٹی پر دہلی آیا ہوا تھا۔"

"اب پھر نیا چکر چلے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں موت کا کوئی آسیب گھس آیا ہے جو اپنے تماشے دکھاتا پھر رہا ہے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے انکل کی بات مان لی۔ بس اب پاکستان جا کر اپنا کام شروع کرنے کی تیاریاں کرو۔"

"میں تیار ہوں مگر نریش کی اجازت کے بغیر اب میں دہلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دبی دبی جذباتی آواز میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟"

"ابھی تک تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے آئی ہو" میں نے اس کے سوال کے جذباتی پہلو کو یکسر نظرانداز کر دیا۔

"تم نے میری بیمار اور بوڑھی ماں پر ترس کھا کر میری نوکری بچانے کا وعدہ کیا تھا تو میں نے تمہیں انکل کی سفاکی سے ہوشیار کیا تھا" اس نے اسی جذباتی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ اس وعدے کو پورا کر کے تم نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔"

"معاف کر دو!" میں نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "تمہارے پہلے احسان کی جو ویڈیو فلم بنی تھی' اس نے مجھے غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب میں تمہارے دوسرے احسان کا بوجھ نہیں اٹھا سکوں گا۔ ویسے بھی میری فرینڈ ہمیں بہت زیادہ دیر تک خلوت میں نہیں رہنے دے گی۔ وہ کمرے کی چابی ساتھ لے گئی ہے۔ دروازہ کھول کر اچانک اندر آجائے گی۔"

اس نے ہنسنا شروع کیا اور پھر شوخی سے دیر تک ہنستی چلی گئی۔ ہنسی رکنے پر اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "وہ اپنی چابی سے تالا کھول سکتی ہے۔ تم چاہو تو اندر سے دروازہ بولٹ کر لو۔ وہ تالا کھول کر بھی اندر نہیں آسکے گی۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ میں اب اس غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہارا کمرا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے لیے ہوئے کمرے میں فرصت سے کیمرے لگائے گئے تھے۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا" اس کی آنکھوں میں دعوت انگیز شوخی اور شرارت جھلک رہی تھی۔

"کمرا کوئی بھی ہو' میں نے کان پکڑ لیے ہیں کہ بھارت میں اب پرائی عورت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا' میرے لیے میری ساتھی کافی ہے۔"

"ویری گڈ!" اس کا لہجہ یکایک تبدیل ہو گیا۔ چہرے پر

Downloaded from https://paksociety.com

بھی سنجیدگی طاری ہوگئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے مذاق کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نریش کے دفتر میں لگنے والی آگ میں تمہارا ویڈیو کیسٹ بھی جل گیا ہے کیونکہ آج بیلا سنگھ نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے۔ وہ اس وقت بنی سنوری اسی ہوٹل کے نچلے فلور پر چکراتی پھررہی ہے۔ اسے بہت شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

بات واضح ہونے کے باوجود میں ایسا بن گیا جیسے رینا کی باتوں نے مجھے الجھادیا ہو "میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"تمہاری فلم جل کر ضائع ہوگئی۔ تم نے پہنچی ہو۔ نریش جی نے پوچھ گچھ کرکے اپنا اطمینان کرلیا کہ ناگر کا اور تمہارا کوئی میل نہیں تھا۔ اب تم پاکستان جاکر رازسے منحرف ہوجاتے ہو تو تمہیں بلیک میل نہیں کیا جاسکتا۔ نریش جی نے تمہیں دہلی میں روک کر بیلا سنگھ کو تمہارا نام دے دیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ وہی کھیل کھیلے گی جو میں نے پہلی ملاقات میں کھیلا تھا۔ کمرا اور کیمرے تیار ہوں گے' تمہاری اور بیلا کی فلم تیار ہوتے ہی تمہیں پاکستان جانے کی اجازت مل جائے گی۔ تم جیسے کام کے آدمی کو ہم کھونا نہیں چاہتے۔ ہرحال میں اپنا کارکن بنانا چاہتے ہیں" آخری دو فقرے اس نے شاید را کی طرف سے ادا کیے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ بیلا سنگھ کو میرے پیچھے لگایا گیا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"وہ بھی اکیڈمی کے ہاسٹل میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پہلی بار میں نے تم پر ڈورے ڈالے تھے۔ تمہارا نام ملتے ہی وہ میرے پاس آئی تھی۔ وہ تمہاری عادتوں اور کمزوریوں کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔"

میرا سر واقعی چکرا گیا۔ اپنی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود نریش شرما کا ذہن پوری صلاحیتوں کے ساتھ منفی سمتوں میں کام کررہا تھا۔

"تم یہ سب مجھے بتاکر اپنی تنظیم سے غداری نہیں کررہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"بات ہم دو کے سوا کسی تیسرے کو پتا چل گئی تو یہی کہا جائے گا۔ میں تمہیں ہوشیار کرکے تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ اتار رہی ہوں۔ تم میری اس نیک نیتی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو۔ میں نے اپنے دل اور ضمیر کا بوجھ اتار دیا ہے۔"

"بیلا سنگھ کے بارے میں مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ سکھنی ہے۔ ہمارے گروپ کی سب سے زیادہ سڈول اور خوبصورت لڑکی ہے۔ جدھر سے گزرتی ہے' نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ بہت بے باک اور منہ پھٹ ہے۔ شریف اور ڈرپوک قسم کے دفتری ساتھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"خوبصورت اور بے باک تو تم بھی ہو" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تم نے مجھے مسحور کردیا تھا۔"

"اس وقت تم بے خبر تھے۔ اب میں تمہیں ہوشیار کررہی ہوں۔ اسے دیکھ کر تم مجھے بھول جاؤ گے۔"

"اس مخبری پر تمہارا شکرگزار ہوں۔ تم نے کئی باتیں صاف کردی ہیں۔ اگر تم مجھے یہ سب نہ بتاتیں تب بھی بیلا سنگھ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ میں عہد کرچکا ہوں کہ اب یہاں کی ہر عورت کے تریا چلتر سے دور رہوں گا۔"

"تم چاہو تو اسی وقت نیچے جاکر اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ گلابی ساڑھی میں شعلۂ جوالہ بنی گھوم رہی ہے۔"

"اسے گھومنے دو۔ ایک دو روز میں وہ خود ہی تھک جائے گی۔ میں شام کو نیچے جانا چھوڑ دوں گا۔ وہ میرے لیے کب تک مہنگے کمرے کرائے پر لیتے رہیں گے؟ ایسی کوششوں پر راوالے ایک حد سے زیادہ سرمایہ کاری نہیں کریں گے۔"

"یہ سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری پچھلی غلطی کو معاف کردیا ہوگا" اس نے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے تمہاری ہر غلطی کو اسی وقت معاف کردیا تھا جب تم نے مجھے اپنی ماں کے بارے میں بتایا تھا۔ کاش میری اور تمہاری ویڈیو فلم واقعی جل گئی ہو۔ اس طرح میری لغزش اور تمہاری خطا کا ہر ثبوت مٹ جائے گا.... اب تم مجھے امریکی سفارتی افسر کے بارے میں بتاؤ' تمہاری وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"تم کراچی میں پرانی گاڑیوں کے لین دین میں کھوئے رہتے ہو۔ اخبار پڑھتے رہتے تو جان اسمتھ کا نام تم کو بھی معلوم ہوتا۔ وہ نیپال سے بھارت اور ایران تک میں سی آئی اے کی ساری سرگرمیوں کا نگراں ہے اور کراچی میں رہتا ہے...."

مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم بھی را کی کوئی باخبر عہدے دار نہیں ہو۔ تمہیں اس کے بارے میں یہ باتیں کیوں کر معلوم ہیں؟ ایسے خفیہ عہدے دار ہمیشہ کسی نہ کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں کام کرتے ہیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

ان کے بارے میں اخباروں میں کچھ نہیں چھپتا۔"

"آج دوپہر تک مجھے اس کا نام تک معلوم نہیں تھا" اس نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جب کوئی بڑا آدمی قتل ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ہر بات بہت تیزی سے کھلتی اور پھیلتی ہے۔ ہماری را بھی بھارتی سی آئی اے ہے۔ ہمارے عہدے دار ایسی باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔ ان سے پتا چلا ہے کہ جان ہفتہ بھر پہلے اپنی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی آیا تھا۔ کل شام تک وہ ہوٹل کے بار میں بیٹھا ہوا تھا پھر غائب ہوگیا۔ دن بھر اس کے لیے فون آتے رہے لیکن اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چار بجے دہلی میں امریکی سفارت خانے کا فرسٹ آفیسر ہوٹل سمراٹ پہنچا۔ اس کے ایما پر ماسٹر کی سے جان کا کمرا کھولا گیا تو دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ مسہری کے قریب وہ مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اندازہ ہے کہ پچھلی رات اسے اپنے بستر پر سونا نصیب نہیں ہوسکا کیونکہ مسہری کا بستر بے شکن تھا۔"

"را کے دفتر میں آگ اور ناگر کے قتل کی طرح یہ بھی بہت بڑی واردات ہے۔ اس کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں" میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"لاش پر کوئی زخم ہے نہ لاش نیلی ہوئی ہے۔ موت کا اصل سبب پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آئے گا۔"

"پھر تم نے اسے قتل کیسے قرار دے دیا۔ وہ دل کے دورے سے بھی مرسکتا ہے" میں نے اعتراض کیا۔

"میں سنی سنائی باتیں بتا رہی ہوں۔ وہ دل کا مریض نہیں تھا۔ پہلا دورہ اتنا شدید نہیں ہوتا کہ آدمی چند قدم چل کر اپنے بستر پر پہنچنے سے پہلے مرجائے۔"

"اگر یہ اس کی قدرتی موت تھی تب بھی عبرت ناک ہے کہ وہ مرنے کے بعد رات بھر یوں ہی پڑا رہا۔"

رینا سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں اول خان کی بتائی ہوئی یہ بات گردش کررہی تھی کہ اس کی نادر و نایاب انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں ایسے کم یاب زہر بھرے گئے تھے جو لاش کی فطری حالت پر اثر انداز ہوئے بغیر اپنا کام دکھاتے تھے لیکن تفصیلی پوسٹ مارٹم کے بعد ان کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ ہر قاتل نگینے کا زہر یکساں نہیں تھا۔

"موت کسی کی بھی ہو اور کیسی ہی ہو' اپنے ساتھ عبرت لے کر آتی ہے کہ زندگی کا آخری انجام یہ ہونا ہے پھر بھی مردے کی آخری رسوم انجام دینے والے زندہ لوگ ذرا سی دیر کے بعد یہ بات بھول کر اپنی بے ایمانیوں اور مکاریوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔"

میرے لیے رینا اجیت رائے کی آمد بہت خوش آئند تھی۔ اس کی آمد کی اطلاع پانے کے بعد میرا ردِعمل بھی غزالہ سے مختلف نہیں تھا لیکن اس کی باتیں سننے کے بعد مجھے خوشی ہوئی تھی کہ را کے اندرونی حلقوں تک رسائی رکھنے والی اس لڑکی کے دل میں میرے لیے ممنونیت کے جذبات موجود تھے۔ بظاہر وہ بری لڑکی تھی لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی خوابیدہ تھی جو میرے رویے سے بیدار ہوچکی تھی۔

دہلی میں میرے قیام کے دوران میں اس کا آتے جاتے رہنا میرے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے ذریعے ملنے والی اندر کی خبروں کی روشنی میں مجھے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کی تیاری میں زبردست مدد مل سکتی تھی۔

"ہمارے درمیان ایک سمجھوتا ہوچکا ہے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے مراسم کی ابتدا کو بھول کر ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ تم پر میرا کوئی جبر نہیں ہے لیکن تم سے مل کر مجھے ہر وقت خوشی ہوگی۔"

"میری شامیں ہوٹل میں گزرتی ہیں۔ اگر تمہاری ساتھی کو اعتراض نہ ہو تو میں روزانہ شام کو سلام دعا کے لیے وقت نکال سکتی ہوں۔"

"وہ فراخ دل اور کھلے ذہن کی عورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر کڑھ رہی ہو لیکن واپس آنے کے بعد جب صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگائے گی تو اسے تمہاری آمد و رفت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ہمارے ملنے کے لیے تمہارا کمرا ہی بہتر رہے گا۔ ریستوران میں ہم کھل کر باتیں نہیں کرسکتے تھے۔"

"میں نے محض اسی وجہ سے تمہیں اوپر بلایا تھا۔ آئندہ غزالہ بھی تمہارے ساتھ بیٹھی رہے گی۔"

"اب میں چلتی ہوں۔ مجھے شکار پر نکلنا ہے" وہ اٹھلاتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی "آج ہم نے بہت دیر تک باتیں کرلی ہیں' اس لیے میں کل نہیں آؤں گی۔"

"میں اصرار نہیں کروں گا۔ بس جان کی موت کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا رہے گا۔"

وہ ہنس پڑی "اب مجھے اپنا مخبر نہ بناؤ۔ کل کے اخباروں میں سب کچھ آجائے گا ورنہ ٹیلی وژن پر دیکھ لینا۔ وہ ناگر

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں تھا کہ اس کی موت کے کسی گوشے پر پردہ ڈالا جا سکے۔"

"مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی ناگر کو پسند نہیں کرتی تھیں؟" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اسے پسند نہیں کرتی تھی مگر اس سے ڈرتی تھی۔ وہ واقعی بہت برا آدمی تھا۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ آگ کی تپش سے اس کا پیٹ پھول کر پھٹ گیا تھا اور ہڈیاں تک جل کر کوئلہ ہو گئی تھیں۔ شاید اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہو سکے گا۔"

رینا اجیت رائے نے چلتے چلتے پھر ایک اچھی خبر سنادی تھی۔ ناگر کی موت کے اسباب کا سامنے نہ آنا ہر حال میں بہتر تھا۔

"کل کب آؤ گی؟" دروازے پر پہنچ کر میں نے دانستہ سوال کیا۔

"میں کل کے لیے منع کر چکی ہوں۔ کل کی شام یہ ہوٹل بیلا سنگھ کے نام رہے گا تاکہ وہ تمہارے لیے اپنے سارے جتن کر ڈالے۔ وہ کل مایوس ہو گئی تو میں پرسوں آؤں گی۔ آج وہ میری آمد سے بے خبر ہے۔ اسے پتا چل گیا میں ہر شام تمہیں کمرے میں گھیر کر بیٹھ جاتی ہوں تو وہ اوپر میری شکایت کر دے گی۔ میں اسے اپنی طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ تم میری مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

میں نے دروازے سے اسے رخصت کر دیا۔ وہ بے خوف تھی مگر میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں نے غزالہ کے کمرے کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ میں نے اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی۔ اپنے کمرے کی چابی اٹھائی اور دروازہ مقفل کر کے اس کی طرف چل دیا۔

میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی "میں سمجھی تھی کہ وہ خوبصورت ناگن ابھی بھی آپ کے سر پر مسلط ہے۔ آپ یہاں کیوں آ گئے؟" اس نے مجھے اندر آنے کی راہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام ہے" میں نے اختصار سے جواب دیا۔

"ہم نے طے کیا تھا کہ پرانا کمرا کسی بھی وقت خالی نہیں چھوڑیں گے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں ہے۔" غزالہ نے کہا۔

مجھے وہ بھولی ہوئی بات فوری طور پر یاد آ گئی "میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ تم وہاں چلی جاؤ" میں نے اسے کمرے کی چابی اس کی طرف بڑھادی۔

غزالہ چابی لے کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلی وژن چلتا رہا۔ میں نے فالس سیلنگ میں چھپائی ہوئی تھیلی نکال کر دھیلے ٹائل کو احتیاط سے اس کی جگہ پر واپس ٹکادیا۔ ٹیلی وژن بند کر کے میں نے وہ کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ میرے ہاتھ میں وہ تھیلی دیکھ کر پریشانی سے بولی "ابھی دشمنوں کو اس کمرے کی تلاشی لیے ہوئے آدھا دن بھی نہیں گزرا اور آپ تیزی سے فیصلے کیے جا رہے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کی اس وقت کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

"رینا نے بہت حوصلہ افزا باتیں بتائی ہیں۔ حالات شاید اتنے خراب نہیں ہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔"

"رینا شروع سے اب تک کئی روپ بدل چکی ہے۔ مجھے اب اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔"

"اس سے براہ راست میرا رابطہ رہا ہے۔ تم میری بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرتی رہی ہو تو تمہیں اس وقت بھی مان لینا چاہیے کہ میں نے درست رائے قائم کی ہوگی۔ وہ اپنے ابتدائی کردار پر بہت زیادہ شرمندہ ہے۔"

"این شاید ٹھیک کہتی ہے کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت مظلوم بن کر آپ کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

گفتگو ایسے رخ پر چل نکلی کہ مجھے اپنی اور رینا کی گفتگو دہرانی پڑی۔ اس درمیان میں غزالہ سوالات بھی کرتی رہی۔ آخر کار وہ میری رائے سے متفق ہو گئی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس سے بات ہونے کے بعد بیم گن اور اپریٹس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"سی ایس ڈی میں فون استعمال کرنے کے لیے لایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ گوپال اتنی جلدی لوٹ آئے گا۔ یہ اطلاع فون کے ذریعے ملی تھی۔ اب گوپال سے رابطے کے لیے اپریٹس استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون پر زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا۔"

"حیرت ہے کہ اس نے اب تک آپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اپنے ساتھیوں سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ آج صبح کیا ہوا تھا؟"

"وہ لوگ ڈرے ہوئے ہیں اور احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ میں خود اس تجربے سے گزرا ہوں اس لیے میرا خوف کم تھا۔ اگر رینا نہ آتی تو میں اب بھی تمہارے کمرے سے یہ تھیلی نکالنے کی کوشش نہ کرتا۔ ان کو یہ سب معلوم نہیں ہے۔ وہ رابطہ نہیں کریں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود گوپال سے بات

Downloaded from https://paksociety.com

کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اپریٹس صرف اسی کام آسکتا ہے" میں نے مسکرا کر کہا "بیم گن اس لیے لے آیا کہ یہ اکیلی وہاں نہ پڑی رہے۔"

اس اثنا میں غزالہ وہ اخبار اٹھا چکی تھی جو رینا لائی تھی۔ میں نے بڑھ کر ٹیلی وژن کھول دیا۔

اس وقت نو بجے تھے۔ صحیح وقت شاید ایک آدھ منٹ اوپر رہا ہوگا۔ کیونکہ ایک انگریزی چینل سے خبریں آرہی تھیں۔

وہ بھارت کا ہی کوئی اسٹیشن تھا۔ پہلی خبر فلسطینیوں کے ایک ماتمی جلوس پر اسرائیلیوں کی وحشیانہ فائرنگ کی تھی جس میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اگلی خبر ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کی پراسرار موت کے بارے میں تھی۔ خبر کے الفاظ نپے تلے تھے۔ وہی پوزیشن برقرار تھی کہ موت کے اسباب کے تعین کے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کیا جارہا تھا۔ پورے خبرنامے میں راکے دفتر میں آگ لگنے کا ذکر نہیں تھا۔ شاید دن کے ایک دو خبرناموں کے بعد اس واقعے کو بلیٹن سے نکال دیا گیا تھا تاکہ غیر ضروری طور پر اس واقعے کی تشہیر نہ ہو۔

میرے اشارے پر غزالہ نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کردیا۔ میں نے کمرے کے اندرونی سرے پر جاکر اپریٹس آن کردیا۔

میرے دوسرے پیغام کے جواب میں عابد فوراً لائن پر آگیا۔ اس کی آواز دبی دبی اور ہذیانی تھی "میں سن رہا ہوں۔ یہ تم کیا کررہے ہو۔ اسے بند کرکے کہیں دور پھینک دو۔ اس وقت تم سنگین خطرات سے دوچار ہو..... اوور!"

"سہ پہر تک میں تم سے زیادہ دہشت زدہ بلکہ سکتے کی حالت میں تھا۔ اب یہ جمود ٹوٹ چکا ہے۔ خطرہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تمہارے کام کی کیا رپورٹ ہے۔ اوور۔"

"وہ دہلی واپسی پر مصر ہوگئی تھی۔ بہت مشکل سے اسے مال آگے لے جانے پر آمادہ کیا ہے۔ تم اتنے مطمئن کیوں ہو؟ اوور۔"

"کچھ خبریں ملی ہیں جن سے اندازہ ہورہا ہے کہ وہ کس سمت میں سوچ رہے ہیں۔ سرلا کا کیا حال ہے اوور۔"

"وہ پلاسٹر اور دواؤں کے ساتھ گھر آگئی ہے۔ کیا تم نے اس کی خیریت جاننے کے لیے رابطہ کیا ہے؟ اوور۔"

"مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ یہاں سے کب جانا پڑجائے۔ اس سے پہلے میں آخری کام کی تیاری کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے ملاقات ضروری ہے۔" میں نے اپنی بات مکمل کرکے خاموشی اختیار کی اور اس نے ریڈیو ٹرانس مشن کے روایتی اصول کے تحت بولنا شروع کردیا۔

"اس وقت تم ہوٹل کے جزیرے میں گھرے ہوئے ہو۔ ہم وہاں سے نکل چکے ہیں۔ دور سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ جب تک ہم اپنا اطمینان نہیں کرلیتے' ایسی ملاقات خطرناک ہوگی۔ تم دو چار روز کے لیے اس رابطے کو بھی بھول جاؤ۔ مناسب وقت پر میں خود ملنے کی کوئی راہ نکال لوں گا۔"

میں نے خشک لہجے میں وہیں بات ختم کردی۔ غزالہ قریب کھڑی شاکی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اپریٹس آف ہوتے ہی وہ بول پڑی "میں اس کی ہم خیال ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمارے دشمن کتنے خطرناک ہیں۔ وہ لوگ یہاں بہت عرصے سے رہ رہے ہیں۔ اس اونچ نیچ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

"یہ تجربے وغیرہ کی بات نہیں ہے۔ طریقہ کار کا فرق ہے۔ وہ دامن بچا کر چلنے کے عادی ہیں۔ میں کانٹوں کو روند دینا چاہتا ہوں۔"

"یہ خودکشی کا راستہ ہے۔ میں آپ کو اس پر نہیں چلنے دوں گی۔" غزالہ نے قدرے سختی سے کہا اور میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے میری اجازت پاکر کال ملادی۔ میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے عابد کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "شاید میرے مشورے تمہیں گراں گزرے ہیں مگر میں التجا کررہا ہوں کہ اب بھول کر بھی اپریٹس استعمال نہ کرنا۔ ابھی ابھی جی فور نے اطلاع دی ہے کہ شہر میں کئی ریڈیو اسکیننگ ویپنز حرکت میں آگئی ہیں۔ ہر وین اپنے حیطہ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی گفتگو کو پکڑ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک بار ہماری گفتگو سن لی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اور تمہیں نہیں بچا سکے گی۔"

"اس اہم اور بروقت اطلاع کا شکریہ۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "یہ اندھیرے میں چلائے جانے والے تیر ہیں جو بھی ان کی زد میں آگیا' واقعی مارا جائے گا۔ اب میں اپریٹس استعمال نہیں کروں گا۔"

"یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر والوں کی گاڑیاں ہیں۔ شہر میں چھپے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں کا کھوج لگانے کے لیے کبھی

Downloaded from https://paksociety.com

کبھار گشت پر نکلتی رہتی ہیں۔" وہ فون پر وضاحت کر رہا تھا "آج آرک (ARC) کی سب گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔"

"ہوسکے تو اپنی دوسری ایجنسیوں کے آدمیوں کو بھی خبردار کردو۔" میں نے مشورہ دیا "ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں پکڑے جائیں۔"

"میں سخت فکرمند ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔" اس کی آواز سے وحشت اور تشویش جھلک رہی تھی۔

"فون پر بھی زیادہ بات نہ کرنا۔ اس وقت خاموشی اور پسپائی سب سے بہترین راہ ہے۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ میں اپنا پیغام واضح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فی امان اللہ۔" اس نے فون بند کردیا۔

"وہ چند لمحے پہلے یہی بات اپنے طور پر کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے ماننے سے انکار کردیا تھا۔" ریسیور رکھتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہلکی سی طنزیہ آواز آئی۔

"دونوں باتوں میں بہت فرق تھا۔ پہلے وہ میرے ذاتی مفاد اور بچاؤ کے لیے تجویز پیش کررہا تھا۔ اگر انہیں ہم پر شبہ ہوتا تو آرک کی گاڑیاں شہر پر یلغار نہ کرتیں۔ ایک دین خاموشی سے ہوٹل کے آس پاس کھڑی کردی جاتی اور ساری گفتگو پکڑی جاتی۔ وہ پورے شہر کے گشت پر نکلے ہیں۔ اس وقت انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو پیغام رسانی کے لاسلکی ریڈیائی آلات استعمال کررہے ہیں۔ یہ ایک عمومی خطرہ ہے۔ ایریئس کا استعمال جاری رکھنے کی صورت میں ہم پھنس سکتے ہیں۔ میں ہر معقول بات کو کسی حیل وحجت کے بغیر تسلیم کرلیتا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اسے بروقت صحیح اطلاع مل گئی اور اس کی بات آپ کی سمجھ میں آگئی۔"

آرک ایک نیا نام تھا جو میرے سامنے آیا تھا۔ راوالوں کا پورا نام ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ تھا۔ آرک ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کا مخفف تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بھارت کے سربرآوردہ لوگ جاسوسی اور سراغ رسانی کے لیے ریسرچ یا تحقیق کی آڑ استعمال کرنے کے شوقین ہوں۔

میرے نزدیک ان کی نئی مہم کی سمت بالکل صحیح تھی۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے خیال میں غیر ملکی ایجنٹوں کا کوئی گروہ شہر میں اچانک فعال ہوگیا تھا۔ ایسے زیرزمین گروہوں کے اراکین حفاظتی نکتہ نظر سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بکھرے ہوئے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ پیغامات کے تبادلے کے لیے مخصوص فری کوئنسی والے ایریئس استعمال کرتے ہیں۔ ان کو پکڑنے کا بہترین ذریعہ ریڈیو فری کوئنسی اسکینر ہی ہوسکتے تھے جنہیں وہ میدان میں لے آئے تھے۔ آئی بی والوں کی کارکردگی قابل تعریف تھی کہ آرک والوں کا وہ قدم ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ دہلی جیسے وسیع وعریض شہر میں وہ کل تین نفوس تھے مگر ہر قابل ذکر موقع پر وہ عقابی انداز میں آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

میرے اور غزالہ کے درمیان ہلکی سی کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ حالات کے دباؤ نے اس کے اعصاب پر خاصا منفی اثر ڈالا تھا۔ وہ خاموشی سے شام کا اخبار پڑھے جارہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آرک والے اپنی گاڑیاں کب تک شہر میں گھماتے رہیں گے۔

فون کی تیز گھنٹی نے ہم دونوں کو بری طرح چونکا دیا۔ عابد سے ذرا سی دیر پہلے ایریئس اور پھر فون پر بات ہوچکی تھی۔ میں نے اسے رابطہ محدود ترین کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے سوا میں کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ کراچی کی کال نہ ہو۔

مجھے کراچی سے رابطہ کیے تیسرا دن تھا۔ سلطان شاہ مفرور تھا۔ اسے اس شخص کی تلاش تھی جو کراچی میں را کے لیے کام کررہا تھا اور جس نے مظہر خان کے پتے پر جاکر میرے مفروضہ کوائف کی تصدیق کی تھی۔ اول خان طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون کرسکتا تھا۔

ہم دونوں حیران اور خائفانہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی نے فون کی طرف بڑھنے میں پہل نہیں کی تھی۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی میں نے غزالہ کو کال سننے کی ہدایت کی اور اس نے تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے ریسیور اٹھالیا۔

اس نے دھیمی آواز میں کچھ پوچھا پھر ہولڈ کرنے کا مشورہ دے کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے کہا "آپ کے لیے نریش کا فون ہے۔"

میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور ریسیور غزالہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو! میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ماؤتھ پیس میں کہا۔

"تم کمرے میں گھسے کیا کررہے ہو۔۔۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم نیچے زندگی کے مزے لوٹ رہے ہوگے۔" نریش نے بے تکلفانہ آواز میں کہا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہلکے سے سرور میں آیا ہوا تھا۔

"کمرے سے نکلنے کی طبیعت نہیں چاہ رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے؟"

"کیوں؟ تم تو خاصے زندہ دل اور رنگین مزاج آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہوگیا؟"

"جب سے تم نے رہا کیا ہے' کمرے سے باہر جانے کا موڈ نہیں بن رہا۔ رہ رہ کر وہ شگفتہ اور اوزار نگاہوں میں گھوم رہے ہیں جو تم نے دکھائے تھے۔"

"وہ سب لوہا' لکڑ اور تاروں کا ڈھیر تھا۔ اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟"

"نریش جی! آج میں نے تمہارے دو مہمان خانوں میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزارا ہے۔ اس کی دہشت شاید کئی مہینوں تک میرے ذہن سے زائل نہ ہوسکے۔" میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں کہا "آنکھیں موندتا ہوں تو دس سال پرانا قیدی میرے تصور میں قہقہے لگانا شروع کردیتا ہے۔"

"تم ڈرپوک اور کمزور دل کے آدمی ہو۔ تمہیں وہ سب دکھایا گیا تھا۔ تمہیں کسی مشین میں ڈالا تو نہیں گیا۔" اس کے بے پروایانہ قہقہے کے بعد آواز آئی۔

"ان سب سے زیادہ بھیانک تمہاری باتیں تھیں۔ وہ میرے ذہن میں گونج رہی ہیں۔ میں یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ تم مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے اپنی کسی دھمکی پر عمل کر گزرتے تو میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ حالت رفتہ رفتہ ہی اعتدال پر آئے گی۔"

"وہ سب بہت ضروری تھا۔" اس بار نریش شرما کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی "تم کو برے انجام کا خوف دلانے کے لیے وہ سب دکھانا ضروری تھا۔ اس میں تمہاری بھلائی تھی۔ سچ اور جھوٹ کو اسی طرح پرکھا جاتا ہے۔ پر کھے بنا تم کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔"

اس کے الفاظ میں میری نجات کا بالکل وہی پیغام تھا جو رینا مجھے سنا چکی تھی مگر میں نے اسے نظرانداز کرکے انجان بنتے ہوئے کہا "ابھی میں چھوڑا کہاں گیا۔ تم نے مجھے دہلی میں قید کردیا ہے۔"

"دہلی بہت بڑا شہر ہے۔ تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔ مہینوں گھومتے پھرتے رہو گے تب بھی تمہارا دل نہیں بھرے گا۔ تم دہلی کے بجائے اپنے کمرے میں بند ہوکر بیٹھ گئے ہو۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"قید خانہ چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قید' قید ہی ہوتی ہے۔" میں اس کی گفتگو کے رخ کا اندازہ کرچکا تھا۔ میں نے وہ جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھرپور اداسی سمیٹ لی۔

"کمرے کی بے جان دیواریں اور اپنی فرینڈ کا چہرہ دیکھ دیکھ کر تم اکتا جاؤ گے۔ تم نے اپنی ایک شام اپنے ہاتھوں برباد کرلی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "شام کو تمہارے ہوٹل میں پریوں کے جمگھٹ ہوتے ہیں۔ سندر چہروں' تیکھے بدن اور شوخ اداؤں والی رنگین تتلیاں ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ کل شام ان میں گھل مل جاؤ۔ کوئی نہ کوئی پری تم پر مہربان ہوجائے گی۔ دو تین گھنٹوں میں تمہاری ساری اداسی اور مایوسی کافور ہوجائے گی۔ تم کو ایک بار پھر اپنی زندگی سے پیار ہوجائے گا۔"

"میں کوشش کروں گا مگر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ میں خود اس مایوسی سے نکلنا چاہ رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ تم نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے میرے وجود میں سے زندگی کا سارا جوش اور ولولہ نچوڑ لیا ہے۔"

اس بار نریش شرما کی ہنسی متکبرانہ تھی "میں نے کچھ نہیں کیا اور تم مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو!"

"میں مانتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوا تک نہیں مگر دل سے دماغ تک سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"آج تمہارا تجربہ زیادہ ہے۔ کل تک تم بہتر ہوجاؤ گے۔ میری بات یاد رکھنا۔ کل کمرے سے ضرور نکلنا۔" اس نے تاکید کی۔

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے نیم دلانہ لہجے میں جواب دیا۔

نریش نے فون بند کردیا۔ اس سے براہِ راست بات کرکے میرے ذہن کا بوجھ مزید ہلکا ہوگیا تھا۔

"وہ آپ کو کہاں جانے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔" غزالہ نے دھیرے سے پوچھا۔ "وہ میرے جوابات غور سے سنتی رہی تھی۔ اس نے بالکل صحیح اندازہ لگالیا تھا مگر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ مجھے پریوں اور تتلیوں کے جھرمٹ میں کھوجانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہوگیا ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ نئیں نچلی منزل کی رنگینیوں سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کروں۔"

"جب ہی آپ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے جارہے تھے۔ اسے یہ احمقانہ مشورہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہی ایک نکتہ قابل غور ہے۔ اس وقت اس کی ساری گفتگو کا یہی ایک محور تھا۔"

"آپ نے شروع سے بہت اچھا موقف اختیار کیا ورنہ وہ آپ کو مجبور کردیتا۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مجھے کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ کل کے لیے اس نے بہت اصرار کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اس نے آپ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔" وہ ترشی سے بولی "دیکھتی ہوں کہ وہ مردود آپ کو کس طرح بہکاتا ہے۔ اس نے ذرا بھی ٹیڑھی بات کی تو میں اس کا دماغ درست کردوں گی۔"

"یہ مردانہ کھیل ہیں۔ انہیں مردوں تک رہنے دو۔ تمہاری پوزیشن نازک ہے۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ راوا لے تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ ایک بار وہ تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہارے نام کے حوالے سے شاید انہیں میری عرفیت بھی یاد آجائے۔ وہ بہت خطرناک موڑ ہوگا۔"

"آپ کو رنگ رلیوں پر مجبور کرکے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟" غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا اور پھر ایک حد تک غزالہ کو اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "رینا نے مجھے بتادیا تھا کہ نریش شرما نے بیلا سنگھ نامی ایک لڑکی کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے بلیک میل کرنے کا مواد تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ میں پاکستان پہنچنے کے بعد اپنے کیے ہوئے وعدوں سے منحرف نہ ہوسکوں۔ بیلا نے میری تلاش میں اپنی پوری شام برباد کرنے کے بعد نریش کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دی ہوگی۔ نریش اس وقت نشے کی جھونک میں ہوگا۔ اس نے میرا ہمدرد اور ناصح بن کر مجھے فون کرڈالا۔"

"پھر تو رینا بھی آپ سے اسی مقصد کے تحت ٹکرائی ہوگی۔" غزالہ نے نتیجے پر چھلانگ لگادی۔

"اس کا بھی یہی مقصد تھا۔" میں نے اقرار کیا "مگر وہ مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود ناکام رہی۔"

"بیلا سنگھ!" غزالہ نے دانت پیس کر وہ نام دہرایا "یہ کوئی سکھ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہوگی۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا "اب کھانے اور سونے کی فکر کرو۔ اس کے بارے میں کل سوچا جائے گا۔"

اس نے فوراً ہی فون پر روم سروس والوں کو کھانے کا آرڈر دیا اور دھیمی آواز میں ایک ٹیلی وژن اسٹیشن لگادیا۔

"آپ فون پر اس سے بات کررہے تھے تو آپ کے چہرے سے بھی اندر کا کرب جھلک رہا تھا۔ نریش کے ظالمانہ حربوں نے آپ کو واقعی پریشان کردیا ہوگا۔"

میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑادی "ہوٹل واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے سنگین نتائج کا اندازہ تھا۔ اگر مجھے عملی تشدد بھی سہنا پڑتا تو میں اس کے لیے تیار تھا۔ مجھے تشویش ضرور تھی لیکن دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔"

اس وقت ہوٹل کے مطبخ کی سرگرمیاں شاید اپنے شباب پر تھیں۔ تلی ہوئی مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل کھانا میری توقع سے پہلے تیار ہوکر ہمارے سامنے آگیا۔ ہم دونوں نے پوری طرح سیر ہوکر کھانا کھایا۔ کچھ دیر ٹیلی وژن کے پروگرام دیکھتے رہے پھر روشنیاں گل کرکے بستر پر دراز ہوگئے۔

میری پچھلی رات کی نیند پوری نہیں ہوسکی تھی۔ میں جلد ہی خواب کی فسوں خیز وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلا دن خبروں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ایک طرف اخبار میں تفصیلات موجود تھیں۔ دوسری طرف ٹیلی وژن پر بھی مزید خبریں آگئی تھیں۔

راوا لوں نے اپنے دفتر کی آتش زدگی میں کچھ ریکارڈ کے ساتھ ناگر کے جل مرنے کا اعتراف کرلیا تھا۔ صبح کے اخبارات میں وہ خبر اپنی جزئیات کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔ اس بار بھی رانے دو باتیں چھپالی تھیں۔ نریش کی تجوری کے توڑے جانے اور ریکارڈ نکالنے کا ذکر کیا تھا نہ ناگر کے سوختہ جسم پر تشدد کی علامات کی نشان دہی کی گئی تھی۔ پوری خبر میں کچھ ایسا تاثر دیا گیا تھا جیسے وہ منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی منظم واردات کے بجائے کوئی اتفاقی سانحہ رہا ہو۔

رات گئے پوری عمارت میں صرف ناگر کی موجودگی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس ونگ کے بعض افسران دیر تک بلکہ ساری ساری رات بھی اپنے دفاتر میں کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس بات کا کہیں ذکر نہیں تھا کہ ناگر جس کمرے میں پایا گیا' وہ اصل میں نریش شرما کا دفتر تھا۔

صاف ظاہر ہورہا تھا کہ انل بسواس نے اپنے ادارے کو جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچانے کے لیے دو قسطوں میں وہ کمزور کہانی تیار کی تھی اور قومی مفاد کے نام پر پریس سے اپیل کی تھی کہ اس واقعے پر غیر ضروری قیاس آرائی سے گریز کیا جائے۔

بھارتی پریس پر راکا ایسا خوف طاری تھا کہ انل بسواس کی اپیل پر پوری تندہی سے عمل کیا گیا تھا۔ اخبار نے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ہر جھول کے ساتھ سرکاری کہانی من وعن اخبار میں چھاپ دی تھی۔ یہ ضرور

Downloaded from https://paksociety.com

للھ دیا گیا تھا کہ اعلیٰ حکام نے صحافیوں کو آتش زدہ حصے سے دور رکھا تھا اور اس کی تصاویر بنانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ ناگر کے پوسٹ مارٹم کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

دوسری خبر جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں تھی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا تھا۔ اس کی موت کے صحیح وقت کا بھی تعین کردیا گیا تھا۔ وہ ہوٹل سمراٹ کا ایک مقبول مہمان تھا اس لیے وہاں کے عملے کے دو افراد نے بتایا کہ بار کے رش میں اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر کسی مقامی خاتون کو اپنی میز پر بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کے ساتھ بار میں بیٹھا شغل کرتا رہا پھر عورت کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

بھارتی حکومت نے اپنی سرزمین پر ایک اہم امریکی افسر کے قتل پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا اور پاکستان کا نام لیے بغیر یہ الزام لگایا تھا کہ جان اسمتھ کا قتل خطے کی ایسی قوتوں کی سازش تھی جو بڑھتی ہوئی امریکی اور بھارتی دوستی کو پسند نہیں کرتیں۔

تیسری خبر آرک کی دیو ہیکل گاڑیوں کے گشت کے بارے میں تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کی تلاش میں آرک والے اپنی کمین گاہوں سے دہلی کے اہم اور مرکزی علاقوں میں نکل آئے تھے۔ اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گشتی ریڈار سے مشابہ گاڑیاں تھیں جو کسی مغربی ملک نے بھارت کو فراہم کی تھیں۔

اس بارے میں اخبار کا اداریہ سب سے اہم تھا۔ اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ چند روز پہلے پاکستان سے بھارت میں گھس آنے والے دہشت گردوں کے بارے میں خبریں مل جانے کے باوجود بھارتی سلامتی کے ذمے دار ادارے ان کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس گروپ کا ایک فرد بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔ یہ تحقیق کی جانی ضروری تھی کہ وہ محض افواہ تھی جو مخصوص عزائم کے تحت پھیلائی گئی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی تھا۔

اگر وہ اطلاع حقیقت پر مبنی تھی تو یہ جاننا ناگزیر تھا کہ خفیہ ادارے کہاں سوئے ہوئے تھے، پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر بروقت کیوں نہیں مل سکی اور انہیں سرحد عبور کرتے ہوئے کیوں نہیں پکڑا گیا۔ نہ صرف یہ کہ خطرناک تخریب کار بھارت کی سرزمین پر دندناتے پھر رہے تھے بلکہ انہیں اتنی آزادی ملی ہوئی تھی کہ وہ بھارت کے صدر مقام میں اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔

اخبارات نے اس امر پر گہرے افسوس اور ملامت کا اظہار کیا تھا کہ بھارت میں نہ صرف سرکاری اہل کار ان دہشت گردوں کی زد میں آئے ہوئے تھے بلکہ دوست ملکوں کے مہمان بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں تھے۔

وہ ایک علامتی اداریہ تھا اور دہلی کے واقعات پر مقامی شہریوں کے ردِعمل کی ترجمانی کررہا تھا۔ شاید دوسرے اخبارات نے بھی پچھلے دن کے واقعات کو اسی رنگ میں لیا ہو۔ ایسی مزید رسوائی سے بچنے کے لیے راء والوں نے پہلے سے رازدارانہ اور مدافعانہ طور طریقے اختیار کیے ہوئے تھے۔

"سب کیا دھرا پاکستانی دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے وہ اداریہ پڑھنے کے بعد کہا "ان لوگوں کی کارروائیوں سے بھی یہی ظاہر ہورہا ہے کہ وہ چند پاکستانیوں کو ان معاملات میں قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"ان کی یہ سوچ غلط نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ان پر ہماری حقیقت نہیں کھلی ہے اس لیے وہ نامعلوم پاکستانی دہشت گردوں کا ذکر کررہے ہیں۔ ہمارے دہلی پہنچتے ہی ان کی صفوں میں کھلبلی مچی تھی اور شہر کے ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی کڑی جانچ پڑتال شروع ہوگئی تھی۔"

"ہاں..... آں....." غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا "یہ اچھی بات نہیں ہے کہ انہوں نے صحیح سمت میں سوچنا شروع کردیا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو وہ لوگ کسی بھی وقت ہم کو اپنے جال میں جکڑ کر بے بس کردیں گے۔ اب آپ کو یہاں سے نکلنے کے بارے میں سنجیدہ ہوجانا چاہیے۔"

"میں بھی یہاں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اصل کام پورا ہوتے ہی یہاں سے روانگی کی تیاری کرلی جائے گی۔"

"اتنا کچھ کرلینے کے بعد آپ کس اصل کام کی فکر میں ہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں اپنی توقع سے زیادہ بڑھ کر کامیابیاں حاصل کرلی ہیں اور ہر کام ایسے بے داغ طریقے سے انجام دیا گیا ہے کہ آپ سے قریبی رابطوں کے باوجود راء والے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"یہ ساری آزادی محض اس وجہ سے میسر ہے کہ اول خان نے منصوبے کی بنیاد کا پہلا پتھر بالکل صحیح انداز میں اور مضبوطی سے جمایا تھا۔ اگر ابتدا میں کراچی سے یہ تصدیق نہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی ہوتی کہ میرا نام اور کوائف بالکل درست ہیں تو شاید ہم ہاتھ پیر ہلانے سے پھر دھر لیے گئے ہوتے۔"

"اور آپ بھی ان کو یہ باور کرانے میں اب تک کامیاب رہے ہیں کہ آپ کراچی میں پرانی گاڑیوں کا لین دین کرنے والے ایک چھوٹے تاجر ہیں جسے ہر وقت فاضل آمدنی کی شدت سے ضرورت رہتی ہے..... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی نگاہ میں اصل کام کیا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم یاد کرو کہ ہم جلال کی اس خواہش پر یہاں آئے تھے کہ اٹل بسواس کا قصہ تمام کردیا جائے تاکہ پاکستان کے خلاف راوالوں کی سرگرمیاں ایک طویل عرصے کے لیے دم توڑ جائیں۔ وہ کام ابھی تک باقی ہے۔" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی "اس اعتبار سے تو ہم اب تک تہی دست ہیں۔ جان اسمتھ کے خلاف ہمارے دلوں میں گہرا بغض وعناد تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ این کی دھمکیوں سے خائف ہوکر کراچی سے بھاگا اور یہاں آگیا پھر ہم نے اسے مارلیا۔ گرین کو برآمشن کے بارے میں یہاں گوپال نے بتایا۔ اسے پورا کرنا ان لوگوں کا کام تھا۔ اسے آپ نے ضرورت سے زیادہ آسان بنادیا۔ یہ ضمنی کامیابیاں تھیں۔ اصل کام واقعی باقی ہے۔"

میں نے اسی کی تکمیل کے لیے پاکستان واپس لوٹنے کا ارادہ ملتوی کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ وطن لوٹ رہا ہوں۔ مجھے قرائن وہی نظر آرہے تھے جو اب سامنے آئے ہیں۔ میں اس وقت چلا جاتا تو سارا کیا دھرا ہمارے سر تھوپ دیا جاتا اور میں آسانی سے دوبارہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے قابل نہ رہتا۔ دعا کرو کہ میرا مظہر خان والا بہروپ چند روز تک کامیابی سے چلتا رہے۔"

"این کے چلے جانے کے بعد یہاں ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں۔ جن میں سے تین آئی بی والے ہیں۔ ہم سب دل وجان سے ایک دوسرے کی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ اس وقت اپنے اصل کام کی وضاحت کرکے آپ نے میرے ذہن سے بوجھ ہٹادیا ہے ورنہ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے آپ نے کسی واضح مقصد کے بغیر یہاں رکنے کا خطرہ مول لیا ہے اور اب ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

"کسی اہم مقصد کے بغیر اس وقت یہاں رکنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ میرے سامنے ایک ہدف تھا اور اب تک ہم اسی سمت میں کام کرتے چلے آئے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ ہم اپنی بڑی کامیابی سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔"

"کل سہ پہر تک ہمارا بدترین وقت تھا اور آپ ذہنی صعوبتوں سے گزر رہے تھے۔ اس کے بعد سے ہم اسی کمرے میں بند ہیں۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ آپ کو اپنی بڑی اور فیصلہ کن کامیابی کے بارے میں یہ خوش گمانی کیوں ہورہی ہے؟"

اس کے معصومانہ سوال پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اپنی ساری ذہانت اور بے خوفی کے باوجود وہ کبھی کبھی بہت عامیانہ اور گھریلو سطح پر آجاتی تھی۔ میں نے کہا "تم رینا اجیت رائے کی آمد اور اس کی فراہم کی ہوئی پیشگی معلومات کو بھول گئیں۔ ہمارا دن واقعی بہت خراب گزرا لیکن شام سے حالات بہت تیزی سے ہمارے حق میں استوار ہوتے جارہے ہیں۔ بیلا سنگھ میری تلاش میں ہے اور نریش شرما مجھے کمرے سے نکلنے پر مجبور کررہا ہے۔ یہ بہت بڑی اور مثبت تبدیلی ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔" غزالہ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے میری تائید کی "آپ کے ذہن میں ہربات سلسلے وار محفوظ رہتی ہے۔ میں ہربات کو اس کے اپنے سیاق وسباق میں دیکھتی ہوں۔ میرے لیے نریش کی وہ ترغیب آمیز باتیں بے خیرتی اور آوارگی سے زیادہ اہم نہیں تھیں۔"

"دن گزر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے شام آجائے گی۔ اگر میں اپنے کمرے میں رکا رہا تو مجھے یقین ہے کہ نریش دوبارہ مجھے فون کرے گا۔ اس کے لیے میرا بیلا سنگھ کے ساتھ مل بیٹھنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مجھے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھا "بیلا سنگھ بھی رینا کی طرح جوان اور دلکش لڑکی ہوگی۔"

اسے وہ سب بتانا غیر ضروری تھا جو رینا نے بیلا سنگھ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا اس سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر نریش کا فون آیا تو پھر اس سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"یہاں آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے اوپر اعتبار ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔ رینا جیسی لڑکی آپ کو نہیں بہکا سکی تو بیلا سنگھ کے سامنے بھی آپ کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ عورت اسی وقت شیر ہوتی ہے جب اس کے سامنے والا مرد کمزور پڑنے لگتا ہے۔ مجھے آپ پر بھروسا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

میری طرف سے آپ کو کھلی اجازت ہے۔ آپ جب چاہیں' بیلا سنگھ سے مل سکتے ہیں۔ میں آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن سچ بات یہ تھی کہ اس کی نئی فراخ دلانہ پیش کش پر میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ پچھلی رات اس نے نریش کی تجاویز پر جس سخت ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا' اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

○☆○

سات بجے نریش شرما کا فون آگیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ آپریٹر کے ذریعے کال ملنے کے سبب مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اس وقت میرے ہوٹل میں نہیں تھا بلکہ کہیں اور سے بات کررہا تھا۔

"ارے! تم آج پھر اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے ہو!" میری مزاج پرسی کے جواب میں نریش شرما کی تحیر زدہ آواز ابھری "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ سے بات ہوگی اور تم نیچے کہیں رنگ رلیاں منا رہے ہوگے۔"

"میں نے کئی بار تیار ہوکر باہر نکلنے کا ارادہ کیا ہے مگر ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے کیا ہوگیا۔"

"کچھ نہیں ہوا۔ تم شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو۔ اس وقت تمہیں سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تم جھٹ پٹ تیار ہوجاؤ۔ میں ٹھیک آٹھ بجے تمہارے ہوٹل کی لابی میں پہنچوں گا اور ہم کچھ دیر کے لیے باربا ریستوران میں بیٹھیں گے۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

نریش نے اس بار بات کا رخ بدل دیا تھا۔ میں نے مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دیے۔ "تم لابی میں مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔"

"اوکے۔ گڈ لک!" ریسیور میں نریش کی مسرت آمیز آواز ابھری اور ہلکی سی کلک کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔

"اس وقت آپ کسی بحث کے بغیر رضامند ہوگئے۔ اس نے آپ کے کان میں کیا پھونکا تھا۔" غزالہ نے خوش گوار حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کے لیے آٹھ بجے آرہا ہے۔" میں نے کہا "میں جانتا تھا کہ وہ ضرور فون کرے گا۔"

"اس نے ابھی تک آپ کو اپنی مخصوص لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میری بات لکھ لیں کہ بیلا سنگھ اس کے ساتھ ہوگی۔"

"دیکھا جائے گا۔ میرے مزید انکار سے وہ مشتعل ہوجاتا۔ اپنے ڈیپریشن کی وجہ سے میں تفریحات میں حصہ لینے سے انکار کرسکتا ہوں لیکن نریش سے ملنے سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنا پینترا بدلا ہے۔ میں بے بس ہوگیا تھا۔"

میں نے فوراً ہی شیو کرکے کمرے سے نکلنے کی تیاری شروع کردی۔

پونے آٹھ بجے میں نے کمرا چھوڑ دیا۔ نریش کے آنے

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی

ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE

C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal

Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan

Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462

Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Downloaded from https://paksociety.com

سے پہلے میں ہوٹل کی کھلی فضا میں کچھ وقت گزار کر نئے فیصلے کرنا چاہتا تھا۔

میں لابی کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ بیلا سنگھ کتنی ہی حسین اور شوخ وشنگ کیوں نہ ہو' میں اس سے دور رہوں گا۔

اپنے دیے ہوئے وقت سے پانچ منٹ پہلے نریش ہوٹل کی لابی میں نظر آیا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہاتھ ہلایا۔ اس کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے اپنا رخ میری طرف تبدیل کرلیا۔

"بہت فٹ اور شاندار نظر آرہے ہو۔" اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا چہرہ لٹکا ہوا ہوگا۔ آنکھوں میں ویرانی تیر رہی ہوگی۔"

"پچھلی سہ پہر کو را کے عقوبت خانے میں وہ خاصے بھیانک اور خشک روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس وقت بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام کر ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ وہ میرے ساتھ ہوٹل کے بار میں بیٹھ کر ایک آدھ پیگ پینے کا خواہاں تھا۔ اسے اپنے دفتر میں ہونے والی ملاقات میں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں شراب نوشی نہیں کرتا پھر بھی اس نے بار کا رخ کیا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کی تجویز قبول کرلی۔

"کمرے سے نکل کر تم نے اپنے موڈ میں خوش گوار تبدیلی محسوس کی ہوگی۔" اس نے بار کے ایک گوشے میں بیٹھنے کے بعد کہا۔

"مجھے احساس نہ دلاؤ۔" میں نے دھیرے سے کہا "میں کافی دیر سے نیچے بیٹھا اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کررہا تھا۔"

ویٹر آگیا۔ نریش نے اپنے لیے جن کانپ اور میرے لیے لیمن جوس کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں بتایا تھا۔ ہمارے آدمی اسے کھو چکے ہیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد تمہیں یہ پتا چلانا ہے کہ وہ اس وقت کہاں روپوش ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بہت زیادہ اہم ہوگئی ہے۔"

"یہ بات تم مجھے پہلی ملاقات میں بتا چکے تھے۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔

"معلومات فراہم کرنے اور سراغ لگانے میں بہت فرق ہے۔ اب تمہیں ذرا زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔" اس نے وضاحت کی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پرخلوص لہجے میں اسے یقین دلایا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "اسے رکھ لو۔ یہ تمہارا پہلا پیشگی معاوضہ ہے۔ یہ بھارتی پچیس ہزار ہیں کیونکہ تم یہاں ہو۔ اگلی ادائیگیاں پاکستانی کرنسی میں ہوں گی۔ کوئی نہ کوئی تم کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتا رہے گا۔"

"ہوسکے تو مجھے وہ فون یا فیکس نمبر بھی دے دو جس پر مجھے رپورٹ دینی ہوگی۔"

"رقم کے ساتھ ایک کاغذ پر دونوں نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا رابطہ فیکس پر رہے گا۔ فون انتہائی ناگزیر مجبوری کے لیے ہے۔ اس سے پانچویں گھنٹی کے بعد جواب ملے گا۔ تم سگنکٹ کے کوڈ سے اپنا تعارف کراؤ گے تو متعلقہ آدمی سے تمہاری بات ہوجائے گی۔"

ویٹر ایک چمکتی ہوئی ٹرے میں مشروبات لے آیا اور ادب سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔

"میرے لیے جن اور ٹانک کا ایک زوردار پیگ بنادو۔" نریش نے اسے ہدایت کی۔

وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں نریش کی نگاہیں ہر طرف دوڑتی رہیں۔ ویٹر کے جاتے ہی نریش نے اپنا گلاس اٹھا کر میری خوشیوں کا جام تجویز کیا اور گلاس لبوں سے لگالیا۔ میں نے لیمن جوس کے گلاس سے پہلا گھونٹ حلق میں اتار لیا۔

"ارے! یہ تتلی کہاں بھٹک رہی ہے!" نریش نے اچانک بے ساختگی سے کہا اور اپنا گلاس میز پر رکھ کر بہت تیزی سے بار کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے شیشے کی دیوار سے دیکھا کہ وہ بار سے نکل کر تیزی سے بھرے بھرے بدن والی ایک دراز قامت لڑکی کے پیچھے گیا تھا جس کے بدن پر گلابی ساڑی موجود تھی۔ رینا کے بیان کے مطابق پچھلی شام بیلا سنگھ گلابی ساڑی پہنے ہوٹل میں موجود تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ نریش چونکنے کی اداکاری کرکے جس تتلی کے پیچھے لپکا تھا' وہ بیلا سنگھ ہی تھی۔

ان دونوں کے درمیان سب کچھ پہلے سے طے ہوچکا تھا مگر نریش نے مجھے پھانسنے کے لیے وہ ڈراما رچایا تھا۔

میں بیلا سنگھ کے استقبال کے لیے تیار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو اغوا کی ایک فلمی واردات پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ دوسری طرف امریکا میں آسٹرک بیل نامی ایک سفاک پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر فلمی کے بے انداز مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جبکہ لابنڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بیساکھی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کی پرُاسرار ملاقات کے بعد امریکہ میں ٹرک بیبل اس ملک کی بہترین ہیروئن کی پیداوار کی ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا تھا۔ یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں کے ساتھ ہی برادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے اغلاط ہونے کے باعث امریکیوں کی نظریں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایرانی ڈپی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا صفایا کیا اور اس نے خود کشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی دلچسپی لینے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الحق تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں تعینات پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الحق کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کایاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے ہمایک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نزدیک کے مارکٹے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بساوں سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں پورے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "یوتھ سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کامانوں سسرنیہ ہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے تقاسی کمانڈر کی مدد سے ہیوتھ سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور اگلے روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان، اصغر بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ ریبا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تمنائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اعل بساوں سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریبا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا اس میں ہی رائے تیز خوار و سفاک ایجنٹ ناگرت نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریبا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پہلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے ذریعے پار محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اعتمد کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور روی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بساوں اور شراوتو دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بیڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گرپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اعتمد کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرائی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے یا آسانی جان اعتمد کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگرت نے اپنی ذہانی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور نگرپرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر ہمارا نہیں کی ناخوشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے ہندوستان سے فوری روانگی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ عابد علی نے را کے دفتر سے ملنے والی فائلیں امرتسر میں ویرا کے حوالے کریں تاکہ وہ انہیں پاکستان لے جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری کارروائی را کی صفوں میں بھونچال پیدا کردے گی جس کی لپیٹ میں ہم بھی آسکتے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے ہوٹل سے اغوا کیا گیا اور ہلکی سی پرُشدد اور نفسیاتی بوچھ گچھ کے بعد مجھے گلوخلاصی حاصل ہوئی۔ یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ نریش کے مجھے کلیئر تو کردیا مگر پابندی لگادی کہ میں اس کی اجازت کے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ریبا اجیت رائے نے بتایا کہ میری ویڈیو فلم ضائع ہونے کے باعث نریش نے دوسری لڑکی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میری ویڈیو دوبارہ بنائی جاسکے۔ میں محتاط تھا اور نریش مجھے بیلا سنگھ نامی لڑکی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

نریش شرما ہوٹل کے بار سے نکل کر بہت تیزی سے گلابی ساڑی والی لڑکی کے قریب پہنچا پھر وہ دونوں حیرت زدہ تپاک سے یوں ایک دوسرے سے ملے جیسے ان کی وہ ملاقات کافی عرصے بعد اور اتفاقاً ہوئی ہو۔

بھرے بھرے اور گداز جسم والی وہ دراز قامت لڑکی چونک کر نریش کی طرف گھومی تھی اور ان دونوں نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تھے۔

میں نے نریش کے جاتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ لڑکی بیلا سنگھ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ نریش نے اسے پچھلے روز میرے پیچھے لگایا تھا۔ بیلا سنگھ کی وہ شام بالکل بے

Downloaded from https://paksociety.com

نجیہ رہی تھی۔ اس کے بارے میں رینا اجیت رائے نے مجھے وقت ہوشیار کردیا تھا۔ میں دانستہ اس لڑکی سے دور رہنے کی شش کررہا تھا۔ وہ جال نریش کا پھیلایا ہوا تھا۔ وہ خود شش کرتا رہا تھا کہ میں اپنے کمرے سے نکلوں تاکہ بیلا کھ مجھے اپنے حسن اور اداؤں سے مسحور کرکے اپنے کنج فیت میں لے جاسکے جہاں اس کے لیے عافیت ہی عافیت ی مگر میرے لیے سنگین ترین خطرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

نریش نے براہِ راست ہوٹل پہنچ کر یہ واضح کردیا تھا کہ ں کے لیے میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کتنی اہم تھی۔ یہ تہ اس کے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا کہ میں رینا کی ردیاں جیتنے میں کامیاب ہوچکا تھا اور رائی کی بھکائی ہوئی اس دور لڑکی نے قبل از وقت مجھے نریش اور بیلا سنگھ کے کھیل آگاہ کردیا تھا۔

وہ دونوں را کے تجربے کار ایجنٹ تھے۔ بیلا سنگھ شاید وہ پرائی نہ رہی ہو مگر نریش ایک خرانٹ سیکرٹ ایجنٹ ۔ وہ یہ بات فراموش کرہی نہیں سکتا تھا کہ میں بار کی شیشے دیوار سے اس کی اور بیلا کی طرف دیکھ رہا ہوں گا۔ ان درمیان سب کچھ طے تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے انداز بے ساختگی سے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کے درمیان ہونے والی وہ ملاقات پہلے سے طے شدہ ں تھی۔

میرے لیے وہ سب بہت تشویش ناک تھا مگر پھر بھی میں لی اداکاری پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ اس ب میرے نزدیک ایک ہی پیمانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر وہ لڑکی لھ بھی تو وہ ڈراما مجھے پھانسنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ ئی اور تھی تو نریش کے ابتدائی ردِ عمل پر یقین کیا جاسکتا

وہ دونوں چند ثانیوں تک ہوٹل کی روشن اور کشادہ اری میں کھڑے ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کرتے ۔ پھر شاید نریش شرما کی دعوت پر وہ لڑکی اس کے ساتھ ں طرف چل دی۔ نریش نے بے تکلفی سے اپنا بازو اس ر کے گرد حمائل کردیا تھا۔

ایک دوسرے سے یوں ہی جڑے ہوئے وہ بار میں ں ہوئے تو تقریباً سارے ہی رندوں کی نگاہیں ان کی اٹھ گئیں۔

بیلا سنگھ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ قدرت نے اسے ب کے نپے تلے نقشے اور متناسب بدن سے نوازا تھا جسے اس پنی کوششوں سے بہت دل نواز حدود میں رکھا ہوا تھا۔ کے بدن کے نشیب و فراز میں کہیں بھی کوئی غیر ضروری

تجاوز نظر نہیں آرہا تھا۔ کمر کی آخری حد پر بندھی ہوئی ساڑی اور سینے کی بالائی حد پر کسے ہوئے تنگے سے بلاؤز کے درمیان اس کا پیٹ کسی شکاری کتیا کی طرح بالکل کمر سے لگا ہوا تھا۔ بلاؤز آستینوں سے محروم تھا اور اس کی سڈول' مرمریں بانہیں چلتے ہوئے بار بار ساڑی کے پلو سے الجھ رہی تھیں۔ مغرب میں عورتوں کی بے لباسی یا زیادہ محتاط الفاظ میں کم لباسی فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے بدن پر جتنا کم کپڑا ہوتا ہے وہ اسی قدر آزاد خیال اور مقبول ہوتی ہے لیکن نریش کے ساتھ بیلا کو گلابی ساڑی اور بلاؤز میں دیکھ کر صحیح معنوں میں اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عورت یا لڑکی اپنے جوبن کی نمائش پر تل ہی جائے تو گزوں کپڑا بھی اس کے بدن کو پوری طرح چھپانے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔

میں نے نریش سے ہونے والی باتوں میں اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں را کے دفاتر میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ہیبت ناک واقعات کے نتیجے میں ایسے شدید ڈپریشن کا شکار ہوا تھا کہ زندگی کی کسی بھی رنگینی اور تفریح کی طرف دل مائل نہیں ہورہا تھا مگر اس لڑکی کا دلکش سراپا اور پھر اس کے یاقوتی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی بے حجاب مسکراہٹ دیکھتے ہی مجھے پھریری سی آگئی۔

اگر رینا نے مجھے اس کی اصلیت کے بارے میں پہلے سے نہ بتایا ہوتا تو نریش کو ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی اور ہوٹل کے رومانی ماحول میں بے خبری میں اس لڑکی کا شکار ہوجاتا۔ وہ ایک ادا کے ساتھ فرش پر ہلکورے سے لیتی' میزوں کے درمیان اپنا راستہ بناتی ہوئی' نریش کے ساتھ میری میز پر آگئی۔

میں نے بوکھلا کر لیمن جوس کا گلاس میز پر رکھا اور... بدحواسی کا مظاہرہ کرتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے ان دونوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس لمحے سے پہلے میں نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

"مظہر خان! اس سے ملو۔ یہ میرے دوست بھگوت سنگھ کی بیٹی بیلا سنگھ ہے۔ بہت بے مروت اور خود سر لڑکی ہے۔ آج مہینوں بعد میری نظر اس پر نہ پڑگئی ہوتی تو یہ یہاں سے سیدھی نکلتی چلی جاتی.... اور یہ مظہر خان ہے۔ میرا دوست!"

بیلا سنگھ نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ عورت کی پہل پر ہاتھ ملانا ہر معاشرے میں مرد کی مجبوری بن جاتا ہے۔ میں نے اس ریت پر عمل کیا۔ بیلا سنگھ نے میرا ہاتھ بہت مضبوطی سے اپنی گداز اور حرارت آمیز ہتھیلی میں بھینچ لیا۔

"نریش انکل جب ملتے ہیں' مجھے ایسے ہی کانٹوں میں

Downloaded from https://paksociety.com

گھسیٹتے ہیں۔" بیلا سنگھ ہنستے ہوئے میرے سامنے اپنی صفائی پیش کررہی تھی "ان کا اپنا حال یہ ہے کہ کبھی گھر پر نہیں ملتے۔ جب فون کرتی ہوں' پتا چلتا ہے کہ دفتر میں ہیں یا کسی میٹنگ میں گئے ہوئے ہیں۔"

بیلا سنگھ نے مصافحہ خاصا طویل کردیا۔ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مرد ہمیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' ایک آدھ مرد کی آنکھوں سے کینہ بھی جھلک رہا تھا۔ جارح مزاج رکھنے والے بہت سے مرد اسی فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ کسی خوب رو عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں لیکن جب کسی حسین عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ بے تکلف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اندر ہی اندر جلنے اور کڑھنے لگتے ہیں۔

میرے ہاتھ کو کئی پر زور اور پرجوش جھٹکے دینے کے بعد بیلا نے آزادی بخشی اور خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مظہر خان خشکا ہے۔ بار میں بیٹھ کر لیمن جوس پی رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پیو گی؟" مجھے متاثر کرنے کے لیے نریش شرما اپنی تیسرے درجے کی ماتحت کے سامنے بچھا جارہا تھا۔ میں اس کی چال کو سمجھ رہا تھا۔ اس خبیث نے بیلا سنگھ کی شخصیت کو زیادہ اثر انگیز بنانے کے لیے اپنے کسی نام نہاد دوست کی بیٹی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے رویّے سے مجھے یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ بیلا کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے انکل نریش سے خاصی بے تکلف ہو۔" میں نے ایک چبھتی ہوئی بات بہت سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہہ ڈالی۔

"یہ بڑے شریر انکل ہیں۔" بیلا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے نریش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جب جی چاہتا ہے' انکل بن کر بات بے بات پر اپنا بڑا پن جتانے لگتے ہیں اور ان کا اپنا موڈ ہو تو دوست بن جاتے ہیں۔" اس بار بیلا کا زندگی سے بھرپور لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"ایک ڈبل اسکاچ' سوڈے کے ساتھ!" نریش نے بیلا کے جواب کا انتظار کیے بغیر ویٹر کو آرڈر دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد بیلا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ کوئی ہاکا پھاکا ڈرنک تم کو کھلنے نہیں دے گا۔ اسکاچ تمہیں بہت مرغوب ہے۔"

"تم مجھے نہ روکتے تو میں اپنے کمرے میں جاکر منی بار سے اسکاچ ہی لینے کا ارادہ کررہی تھی۔۔۔"

"دیکھ لو' ہم نے تمہارے من کی بات پڑھ لی۔ ایسے انکل کسی کسی کے نصیب میں آتے ہیں۔" نریش نے اس کی بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔

بیلا سنگھ اپنی ملائم اور مخروطی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر آگے جھک آئی اور تقریباً سرگوشیانہ آواز میں بولی "سچ پوچھو تو مجھے بار جیسی کھلی جگہوں پر بیٹھ کر پیتے ہوئے بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ سارے مردوں کی ندیدی اور بھوکی آنکھیں تیروں کی طرح اپنے بدن میں اترتی ہوئی لگتی ہیں۔ شراب میں کیا برائی ہے؟ مرد پیتے ہیں' عورتیں بھی پیتی ہیں مگر یہ بات سب کو بری لگتی ہے کہ کوئی عورت ان کے بجائے دوسروں کے ساتھ شراب پیئے۔"

نریش نے ہاکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "شراب کی برائی مظہر سے نہ پوچھنا۔ ابھی تقریر شروع کردے گا۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔ برسوں ہی دلی آئی ہوں اور اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ میری مانو تو اوپر میرے کمرے میں چلو۔ پینے پلانے کا مزہ آجائے گا۔ اپنوں میں بیٹھ کر بے فکری سے پینے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" وہ دونوں میری توقع سے بہت پہلے' نہایت ہوشیاری سے گفتگو کو اپنے مطلب کے رخ پر لے آئے تھے۔ بیلا سنگھ کی تجویز پر نریش کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

بیلا سنگھ کی وہ تجویز میرے حق میں نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے کیمرے میری اور اس کی خلوت کے منتظر ہوں گے۔ میرے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر نریش نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "شہر میں کل سے بھونچال آیا ہوا ہے۔ نو بجے پولیس کمشنر کے دفتر میں ایک اہم اجلاس ہے۔ مجھے ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ میں بے مروت ہوں یا تم بہت زیادہ مصروف آدمی ہو۔" بیلا سنگھ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تم بہت چالاک ہو گئی ہو۔ اپنے مطلب کی بات فوراً پکڑ لیتی ہو۔" نریش ہنس کر بولا "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جارہا۔ مظہر یہ شام تمہارے ساتھ گزارے گا۔ یہ بہت دل پھینک اور خوش باش آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ ہر وہ سلوک کرسکتی ہو جو میرے ساتھ کرتی رہی ہو۔ یہ تھوڑے سے ڈپریشن کا بھی شکار ہے۔ تمہاری رفاقت میں تھوڑا سا وقت گزار کر اسے بھی سکون مل جائے گا۔"

ان دونوں نے اتنی خوب صورتی اور چالاکی سے مجھے اپنے دام میں گھیرا تھا کہ میرے لیے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ نریش کی ذو معنی باتوں میں بہت سے مفہوم پنہاں تھے مگر ظاہر کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بیلا سنگھ کا ساتھ دینے سے انکار کرتا تو وہ دونوں میرے پیچھے پڑجاتے کہ میں انہیں ذرا سا

Downloaded from https://paksociety.com

وقت دینے سے کترا رہا تھا۔ خود کو ان کے چنگل میں بے بس پا کر میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

اسی جھلاہٹ میں اچانک مجھے یاد آیا کہ نریش نے مجھے اپنے کمرے سے ہوٹل کی نچلی منزل تک بلانے کے لیے کسی بہت ضروری گفتگو کا بہانہ کیا تھا۔ میں نے قدرے تیزی سے کہا "تم یہ بھول رہے ہو کہ ہم دونوں کچھ ضروری باتوں کے لیے....."

"مظہر خان! باتوں کا کیا ہے۔ باتیں تو زندگی بھر ہوتی رہیں گی۔ بیلا جیسی لڑکی روز روز نہیں ملے گی۔" نریش نے بازاری انداز میں اپنی بائیں آنکھ دبا کے کہا "باتیں ہم کل یا پرسوں بھی کرلیں گے۔ تم بیلا سنگھ کی مہک سے محروم رہ گئے تو عمر بھر پچھتاتے رہو گے۔ یہ آج رات یہاں ہے۔ کل پتا نہیں کہاں ہوگی۔"

"انکل!" بیلا سنگھ نے اٹھلا کر ناراضی سے کہا "میں چیز میں لگی ہوئی کوئی بے بساط کلی نہیں ہوں جس کا رس ہر آوارہ بھونرا چوستا ہے اور اڑ جاتا ہے۔ میری تم سے دوستی ہے۔ تم چلتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں چلتی ہوں۔ تمہارا یہ قنوطی دوست تو مجھے بھی آزردہ کردے گا۔"

اسی وقت ویٹر ڈبل اسکاچ لے آیا۔ نریش نے اہتمام اس میں سوڈا ملایا۔ بیلا سنگھ نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر گلاس اٹھالیا۔

وہ جام بیلا سنگھ کے نام تجویز ہوا۔ تینوں نے اپنے لب تر اور گلاس دوبارہ میز پر رکھ دیے۔ نریش جس پی رہا تھا۔ سنگھ کے لیے اسکاچ آئی تھی اور میرے لبوں پر تین جوس کش ذائقہ تھا۔

"یہ قنوطی نہیں، بہت زندہ دل آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہے دہلی میں تمہارے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ اجنبیوں سے تم دور بھاگتی ہو۔ اگر مجھے میٹنگ میں نہ جانا ہوتا تو میں ضرور تم دونوں کا ساتھ دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے جانے کے بعد مظہر تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"سمجھ لو!" بیلا سنگھ نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر سر ہلاتے ہوئے کہا "میں پرسوں آئی تھی۔ آج دہلی میں میری تیسری اور آخری رات ہے۔ صبح دس بجے میں ممبئی چلی جاؤں گی۔ پتا نہیں پھر کب آنا ہو۔"

بیلا سنگھ، نریش سے مخاطب تھی مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا ساتھ دینے پر اکسا رہی تھی۔ وہ دونوں را کے پختہ کار ایجنٹ تھے۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے، اس پر عمل پیرا ہونے کے گر بھی جانتے تھے۔

"میں تم سے ملنے کے لیے ممبئی آجاؤں گا لیکن آج شام تمہیں اور مظہر کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ دہلی میں تم دونوں پردیسی ہو اس لیے تمہیں خود ایک دوسرے کی میزبانی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔" بولتے بولتے وہ رک کر دھیرے سے ہنسا جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہا ہو پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کباب میں ہڈی کا وجود کوئی پسند نہیں کرتا۔ پتا نہیں میری تجویز قبول کرنے میں تمہیں کیا تذبذب ہے۔"

"مجھے کوئی تذبذب نہیں رہا۔" بیلا سنگھ نے خوش دلی سے کہا "میرے دماغ میں ایک بات آئی تھی۔ وہ میں نے کہہ ڈالی۔ تم نے مجھے سمجھایا اور میں سمجھ گئی لیکن تمہارے دوست کے چہرے پر ابھی تک تشویش کی پرچھائیاں ناچ رہی ہیں۔"

"آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔" میرے ذہن میں غزالہ کے الفاظ گونجے "اگر آپ کو اپنے اوپر اعتماد ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔" ان فقروں میں ایک عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا۔

رینا اجیت رائے نے میری بے خبری میں ایک انوکھا سوانگ رچا کر مجھے اپنے دام میں الجھایا تھا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی سازش کا شکار ہو گیا تھا لیکن اس بار اسی رینا نے مجھ پر مہربان ہو کر مجھے بیلا سنگھ کی طرف سے خبردار کردیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بیلا سنگھ غیر معمولی حد تک حسین اور پرکشش بھی تھی لیکن وہ کوئی شیرنی نہیں تھی جو تنہائی میں موقع پاکر مجھے پھاڑ کھاتی۔ میں اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کے ہر حربے کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ خیالات بہت تیزی سے میرے ذہن میں آکر گزر گئے اور میں نے بیلا سنگھ کی گہری آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے

انکوائری

کوئٹہ میں رہنے والے ایک صاحب بلوں کی ادائیگی میں بڑے بے پروا تھے۔ کبھی ان کی بجلی کٹ جاتی، کبھی فون کٹ جاتا، کبھی گیس اور کبھی پانی۔

ایک بار موسم سرما میں انہوں نے پانی کی ٹونٹی کھولی تو پانی نہیں آیا۔ پانی کے محکمے کو فون کرکے بولے "بھائی صاحب! ذرا ریکارڈ چیک کرکے بتایئے گا کہ میرا پانی کٹ گیا ہے یا سردی کی وجہ سے پائپوں میں جم گیا ہے؟"

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے کہا "میری تشویش میرے اپنے مسائل کے بارے میں ہے۔ میں نریش کی غیر موجودگی میں تمہاری میزبانی کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا۔"

اس وقت شاید میرے چہرے کے تاثرات نے بھی میرے سوچے سمجھے الفاظ کا ساتھ دیا تھا۔ بیلا سنگھ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پر غرور اور فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"آدمی کو زندگی بس ایک بار ملتی ہے۔" نریش خوش دلی سے کہہ رہا تھا "میں آواگون کے چکر میں ذرا بھی یقین نہیں رکھتا۔ سچ پوچھو تو میں بارہا سوچتا رہا ہوں کہ میں پچھلے جنم میں کیا تھا اور کون سے ایسے اچھے کام کیے تھے جن کے صلے میں آج مجھے ایک انسان کی آتما اور اسی کا شریر ملا ہوا ہے پر کچھ یاد نہیں آتا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ہر جنم کے اپنے اپنے دکھ سکھ ہوتے ہیں جن کا آپس میں کوئی ناتا نہیں ہوتا۔ جو عیش کر سکتے ہو وہ کر ڈالو۔ زندگی سے خوشیاں اس طرح نچوڑ لو جیسے گنا پیلنے کی مشین گنے سے رس نچوڑتی ہے۔ تم دونوں کا مل بیٹھنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔"

اس وقت تک نریش نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا، کھل کر کہنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی کوششیں میرے لیے حیرت ناک تھیں۔ وہ اپنے دفتر کی آگ میں میری اور رینا کی فلم گنوا بیٹھا تھا اور اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ اس کے طور طریقے دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چلتے چلتے میرے کان میں وہ ناگفتنی باتیں نہ کہہ ڈالے جو وہ بیلا سنگھ کے سامنے بہرحال مجھ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس سہ فریقی ملاقات کو مختصر کرنے کے لیے میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر لیمن جوس کا گلاس خالی کر ڈالا۔

ان دونوں کی مشترکہ کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد اس شکارگاہ کی طرف ہانک سکیں جہاں خفیہ کیمرے میرے منتظر تھے۔ میری تقلید میں ان دونوں نے بھی اپنے گلاس تیزی سے خالی کر دیے۔ بیلا سنگھ بعد میں آئی تھی۔ ڈبل اسکاچ معدے میں اترتے ہی اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے ابھر آئے۔ اسے اپنا پیگ ختم کرنے میں جو ذرا سی دیر ہوئی وہ نریش کے کام آئی۔ اس نے نپ میں بچی ہوئی جن گلاس میں نکال کر ایک گھونٹ میں ختم کر دی۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل کا بار تھا جہاں تجربے کار ویٹر ساقی گری پر مامور تھے۔ ہم تینوں کے قرینے سے ہمارے ویٹر نے اختتام کا اندازہ لگالیا اور چمکتی ہوئی چھوٹی سی نقرئی تھالی میں رکھے ہوئے چرمی فولڈر میں بل لے آیا۔

نریش شہرارا کا شہزادہ تھا۔ مجھے پھانسنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس اعتبار سے وہ اس وقت کار سرکار تھا اور اخراجات بھی سرکار ہی کے سرجانے تھے۔ اس نے بل دیکھنے کی زحمت کیے بغیر سو روپے کے تین نوٹ نقرئی تھالی پر رکھ دیے۔ بیلا نے اپنا بیگ شانے سے لٹکا لیا تھا اور کرسی چھوڑ دی تھی۔

"ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں۔" بار سے نکل آنے کے بعد نریش نے رک کر کہا "ٹریفک صاف مل گیا تو میں میٹنگ میں بروقت پہنچ جاؤں گا ورنہ دیر ضرور ہوگی۔ میں تم دونوں کے لیے دعاگو ہوں۔ دونوں خوش رہو اور ایک دوسرے کو خوش کر سکو۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔"

اس نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور عجلت میں ایک طرف چل دیا۔ اس کا رخ عقبی راستے کی طرف تھا۔ بیلا سنگھ مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے لفٹ کی طرف ہولی۔

پنچ کا آدمی جا چکا تھا۔ اس وقت شکار اور شکاری براہ راست ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔ میں نے بیلا سنگھ کی پیشوائی پر پہلی چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہیں کیا اور برجستہ کہا "میں بھی اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اوپر جانے کے راستے کدھر واقع ہیں۔"

عام پری چہرہ لڑکیوں کی طرح اس کی بھی عقل موٹی تھی یا پھر وہ دانستہ میرے طنز کو پی گئی اور ہنستے ہوئے بولی "یہ اور اچھی بات ہے۔ ہم دونوں زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے۔"

"تم نریش کو انکل کہتی ہو لیکن اس کے ساتھ تمہارے تعلقات میں بہت زیادہ بے تکلفی بلکہ بے حجابی ہے۔ ہمارے مشرقی ماحول میں یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔" میں نے اس کے تمتمائے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈال کر ہلکے سے طنز کا دوسرا نشتر چلایا۔

"نریش کو تم پر ضرورت سے زیادہ بھروسا ہے۔ اس نے بے تکلفی کی ابتدا کی تھی۔ مجھے بھی نبھانا پڑا۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم دونوں کی باتوں کا انداز کچھ اور ہوتا۔ نریش سے میری گہری دوستی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسے انکل کہنا میری مجبوری ہے کیونکہ وہ میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔ میرے اور اس کے مراسم بعد میں استوار ہوئے۔" نشے کا ہلکا سا سرور آجانے کے باوجود وہ اپنی کہانی پر جمی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میرے دل میں آیا کہ اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور رینا اجیت رائے کے بارے میں سوال کرکے اسے حیران کردوں لیکن ایسا کرنا میری اپنی سلامتی کے منافی ہوتا۔ وہ مجھ سے دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں انجان بن کر اس کے جانے بوجھے حربوں سے اپنا بچاؤ کرتا رہوں۔ وہ مجھے بے خبر سمجھ کر مجھ پر اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتی رہے اور آخر کار نریش شرما کو اپنی ناکامی کی خبر سنانے پر مجبور ہوجائے۔

ہم لفٹ میں داخل ہوئے تو ہمارے ساتھ مزید دو افراد سوار ہوگئے۔ مطلوبہ فلور پر لفٹ رکتے ہی بیلا سنگھ متانت سے باہر نکل گئی۔

"یہ بری بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ تم اچھی لڑکیوں کے قدرداں ہو۔" راہداری طے کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ نریش نے میرے سامنے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی تھی۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔

"تم سے ملاقات ہونے سے پہلے نریش نے تمہارا غائبانہ تعارف کرادیا تھا۔" وہ ہنس کر بولی "دیکھنے میں تم ایسے کلاکار نہیں دکھائی دیتے۔"

وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ بیگ میں سے چابی نکال کر اس نے قفل کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میرے بدن میں سنسناہٹ کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ مجھے ہوٹل لے ایسے ہی کمرے میں رینا کے ساتھ گزارے ہوئے وہ لمحات یاد آگئے تھے جو ویڈیو ٹیپ پر محفوظ ہو کر نریش شرما کی تحویل میں چلے گئے تھے۔

میں نے بڑی جاں گسل جدوجہد کے بعد اپنی کج روی کے اس اٹل ثبوت کو ضائع کیا تھا جس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے نریش شرما نے بیلا سنگھ جیسی مہ وش کو میرے سامنے بلایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ امتحان میرے لیے سخت ثابت ہونے والا تھا۔

"نریش نے بتایا تھا کہ تم پاکستانی اور مسلمان ہو اسی لیے شراب نہیں پیتے۔ مجھے مدت سے کسی مسلمان لڑکے سے دوستی کا ارمان تھا۔" کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہی تھی "آج نریش کی میٹنگ کی وجہ سے میری یہ حسرت پوری ہوجائے گی۔"

"بات صرف دوستی کی تھی تو ہم ہوٹل کے بار یا ریستوران میں بیٹھ کر بھی یہ مقصد حاصل کرسکتے تھے۔ کمرے میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کمرے کی الگ بات ہے۔ مجھے اپنے بدن پر چھ گز کی یہ ساڑی بوجھ لگ رہی تھی۔ ہوٹل کے کسی بھی حصے میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھوں کی ذرا سی جنبش سے گلابی رنگ کی وہ خوب صورت ساڑی اپنے بدن سے الگ کرکے مسہری پر اچھال دی۔

میں نے زیر لب لاحول پڑھی۔ بیلا سنگھ واقعی بہت بے حجاب لڑکی تھی۔ ساڑی کے نیچے اس نے اسی رنگ کا پیٹی کوٹ پہنا ہوا تھا مگر اس کی وہ حرکت ہر اعتبار سے اخلاق اور شائستگی کے منافی تھی۔ ان چند لمحوں میں وہ میری نظروں میں اپنا رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھی۔

وہ راکی تربیت یافتہ اور پیشہ ور لڑکی تھی مگر اسے اپنے حسن و جمال پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ تھا۔ وہ مردوں کو رجھانے کے جمالیاتی فن سے آگاہ نہیں تھی۔ اپنے جسم کی بے جا نمائش سے ہوس زدہ افراد کے حواس کو مختل کردینے کے اکلوتے اور گھٹیا طریقے میں ماہر تھی۔

"یہ تمہارا کمرا ضرور ہے لیکن اب اس حد سے تجاوز نہ کرنا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ آواز میں کہا "اتنے بے حجاب حسن سے گھن آنے لگتی ہے۔"

اس کے ہونٹوں سے دعوت انگیز مسکراہٹ یکایک غائب ہوگئی اور تیوری پر کئی بل پڑگئے "تم کیا کہہ رہے ہو!"

"تم نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے بیلا!" میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہا "میں تم سے بہت زیادہ پروقار رویے کی توقع کررہا تھا۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں کہا "ساڑی سے مجھے الجھن ہورہی تھی۔ وہ میں نے اتار دی۔ میرا بدن اب بھی پہلے کی طرح کپڑوں میں چھپا ہوا ہے۔ تم بلاوجہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میں نے خاصی اسکاچ پی ہوئی ہے۔"

اس کی بودی دلیل احمقانہ تھی۔ اس نے اپنا ڈبل پیگ تیزی سے ضرور ختم کیا تھا مگر اس کا نشہ گہرا نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی عادی شرابی کے لیے وہ مقدار اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ نہیں تھی مگر میں اسے وہ باتیں نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے میرے ماضی کا علم نہیں تھا۔ ان دنوں میں مظہر خان بنا ہوا تھا جو شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایسے شخص کو شراب نوشی پر کوئی حتمی رائے دینے کا حق نہیں تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔" میں نے اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

عذر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایک پیگ سے اتنا نشہ ہو گیا ہے تو اب اور نہ پی لینا۔ تم نے کمرے سے باہر نکل کر غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا تو میرے لیے تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

اس کا منہ بن گیا اور وہ تیزی سے بولی "تم اتنے سیدھے نہیں ہو جتنے صورت سے نظر آتے ہو۔ خود شراب نہیں پیتے تو مجھے بھی منع کر رہے ہو۔ میں دل کھول کر پینے کے لیے ہی تو کمرے میں آئی تھی۔ یہ مت بھولو کہ میں تمہاری طرح مسلمان نہیں ہوں۔"

میں اسے برہم کیے بغیر اپنا دامن بچانا چاہ رہا تھا۔ میں نے خوش دلی سے جواب دیا "تم مسلمان نہیں ہو لیکن مسلمان سے دوستی کی شوقین ہو۔ میں نے یہ مشورہ تمہارے تن کے رہے سہے کپڑوں کے بچاؤ کے لیے دیا ہے۔ تم اپنے بلاؤز اور پیٹی کوٹ پر تشدد نہ کرنے کا وعدہ کرو تو تھوڑی بہت پی سکتی ہو۔"

وہ لپک کر میرے بدن سے آ لگی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "سچ سچ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں۔ تم مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟"

"میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ نریش میرا دوست ہے اور تم اس کی دوست ہو۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔"

"اس نے تمہیں کھلی چھوٹ دی ہے۔ میں تم سے دوستی کے لیے تیار ہوں پھر تم کیوں ڈر رہے ہو۔" اس نے مچل کر پوچھا۔

"میں بس اپنے انجام سے ڈرا ہوا ہوں۔ یہ خوف کل سے میری نس نس میں بیٹھ چکا ہے۔ اس سے پہلے تم ملی ہو تیں تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔" میں نے کوئی راہ نہ پا کر اسی کہانی پر ٹتے رہنے کا فیصلہ کر لیا جو میں دو مرتبہ نریش کو سنا چکا تھا۔

"کل تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" اس نے مضبوطی سے میرا بازو تھام کر پوچھا۔ وہ میرے اتنے قریب تھی کہ میں اس کے گرم گرم سانسوں میں رچی ہوئی' الکحل کی تیز بو اپنے نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

"میں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا ہوں۔ نریش کو یہ قصہ معلوم ہے۔"

"تم بار بار نریش کا نام کیوں لے رہے ہو؟" وہ جھلا کر بولی "پہلے مجھے اس کی امانت قرار دے رہے تھے۔ اب اسے اپنا گواہ بنا رہے ہو۔ وہ ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ تم اسے بھول جاؤ۔ اب جو کچھ ہونا ہے وہ میرے اور تمہارے درمیان ہو گا۔ نریش یا کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"آرام سے بیٹھو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "نشہ ہونے کی وجہ سے تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ تم اچھی اور دلکش لڑکی ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں کچھ دیر اور یوں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے تو میرا خوف دب جائے گا۔"

وہ اس وقت نریش شرما کی کٹھ پتلی تھی جو اپنا کام پورا کرنے کے لیے ہر راہ اختیار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرے جواب میں اس کے لیے امید کی ایک کرن پوشیدہ تھی۔ اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر میرا مشورہ مان لیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے دوسری کرسی سنبھال لی۔

وہ کچھ دیر تک سکون سے کرسی پر بیٹھی مجھ سے میرے تلخ تجربے کے بارے میں سوالات کرتی رہی مگر میں ہر بار اسے خوب صورتی سے ٹالتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا مگر میں سختی سے اپنی زبان بند رکھ کر بیلا سنگھ کے ذریعے را کے بڑوں کو یہ پیغام پہنچانا چاہ رہا تھا کہ میں ان سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ تھا۔ میری اس خاموشی کا دوسرا اور بالواسطہ مفہوم یہ تھا کہ مجھے بیلا سنگھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ نریش شرما کے ذریعے متعارف ہونے کے باوجود میں اسے را کی لڑکی نہیں سمجھ رہا تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد بیلا سنگھ نے منی بار کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی دو چھوٹی بوتلیں نکال لیں۔ اس نے اپنی کرسی میرے قریب کھسکائی اور مے نوشی کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔ میرے لیے اس نے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل کھول دی تھی۔

بیلا سنگھ میں استقامت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ بار بار مجھے چھیڑنے اور اکسانے والی حرکتیں کرتی رہی مگر اس وقت میرے جذباتی جذبات شاید ٹھوس برف کی طرح منجمد ہو چکے تھے۔ اس کے حرارت آگیں وجود کے لمس سے بھی میرے اعصاب پر جمی ہوئی وہ برف نہ پگھل سکی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں بیلا سنگھ جیسی خوب صورت' دل فریب اور بے حجاب لڑکی کے سامنے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے میں کامیاب تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ پہلی بوتل کی ساری اسکاچ اپنے آخری قطرے تک بیلا کے معدے میں اتر گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی زبان بھاری ہوتی جارہی تھی' اس کے دہانے سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے' آنکھوں میں خمار کی گہری سرخی اتر آئی تھی اور بھرے بھرے رخسار انجان جذبوں کی تمازت سے کشمیری سیبوں کی طرح دہکنے لگے تھے۔ میں اسے میٹھی میٹھی اور دل لبھانے والی باتوں میں الجھائے رہا۔

میری طرف سے ناامید ہو کر وہ بکھر جاتی۔ میں نے اس کی امید کو زندہ رکھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنی برتری کے نشے کی آرزو میں وہ پیتے پیتے اس حد کو پہنچ جائے کہ بے ہوش ہو جائے اور میں اسے چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے نکل جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں انگاروں کے بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔ مجھے اپنا کمرا چھوڑے دو گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔

غزالہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے مجھے کھلی اجازت دی تھی کہ میں نزاکت سے سلامت کی خاطر بیلا سنگھ سے مل لوں لیکن وہ میری مشرقی بیوی تھی۔ اس کے اعصاب ایک حد تک انتظار کا دباؤ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک بھی سکتا تھا۔ خیالات کی رو غزالہ کی طرف ہوتے ہی میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی مجرمانہ اضطراری کیفیت طاری ہونے لگی۔

بیلا سنگھ نے دوسری بوتل کا آغاز کیا تو وہ کرسی پر بیٹھے جھومنے لگی۔

"بہتر ہوگا کہ اب تم بستر پر پہنچ جاؤ۔" میں نے پورے خلوص سے اسے مشورہ دیا۔

"تم بھی آجاؤ!" اس عالم میں بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں تھی۔

"تم چلو' میں بھی آجاؤں گا۔" میں نے اسے ایک بار پھر دلاسا دیا۔

وہ میری باتوں میں آگئی۔ اس نے کرسی چھوڑنے کی کوشش کی لیکن اپنے قدموں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ نشے کی جھونک میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بے طرح گر کر خود کو مجروح کر لے گی۔

میں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اس نے اپنا سارا وزن میرے اوپر ڈال دیا۔ اس کے ذہن میں بھڑکنے والے جذبات کی حرارت اس کے لوچ دار وجود میں رچی ہوئی تھی۔ میں نے اسے یوں سنبھل کر کرسی سے اٹھایا جیسے وہ کوئی جاگتی بیلا سنگھ کے بجائے مرمریں تراشا ہوا کوئی ٹھنڈا اور بے جان سنگی بت ہو۔ میرا خیال تھا کہ اس کے ذہن پر الکحل کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی۔ نشے کی گہرائی کا اظہار اس کے ہر لفظ اور ہر حرکت سے ہو رہا تھا لیکن اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں سلگتی ہوئی فرض کی چنگاری معدوم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے قریب پا کر اس نے والہانہ انداز میں دست درازی کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

وہ مدہوش تھی مگر میں پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ وہ اندھی بازی کھیل رہی تھی جبکہ میں سوچے سمجھے انداز میں اس ملاقات کو ایک مخصوص انجام تک پہنچانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈگمگاتی ہوئی چال کی وجہ سے میرے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا مگر میں کشاں کشاں اسے مسہری کی طرف لے گیا۔ یہ احساس میرے ذہن میں کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہا تھا کہ اس مسہری کے بعض حصے خفیہ کیمروں کی زد میں تھے۔ میں خود کو ہر حال میں ان کیمروں کی آنکھوں سے بچانا چاہ رہا تھا۔

میں نے بیلا سنگھ کو مسہری تک پہنچا دیا۔ وہ اس قدر بد حال تھی کہ بستر کی نرمی محسوس کرتے ہی اس پر دراز ہو گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ تشنہ انداز میں فضا میں میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اسے بستر پر پہنچانے کے بعد میں اس کی طرف سے بے پروا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا گلاس اس کے سرہانے والی تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اپنا گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی بے سدھ ہو جائے گی۔

میں دوبارہ کرسی پر آبیٹھا اور سکون سے سگریٹ سلگالی۔ بیلا سنگھ کو میں نے یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ مزید مے نوشی کر کے خود کو سنبھال سکتی تھی۔

اس نے کروٹ بدل کر تپائی پر سے گلاس اٹھالیا۔ کچھ شراب بستر پر چھلکی' کچھ اس کے معدے میں اتر گئی۔

وہ ایک عجیب اور عبرت آموز تماشا تھا۔ میں نے کھلی مزاحمت کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز اختیار کر کے نرمش شرما کی ایک شرمناک سازش کو ناکامی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے تحفظ کے نام پر چلنے والی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی تربیت یافتہ بیلا سنگھ اپنے آقا کی خواہش کی تکمیل کے لیے مضطرب تھی۔ وہ دبی دبی ہذیانی سرگوشیوں میں مجھے پکار رہی تھی۔ را کے ٹکڑوں پر پلنے والی وہ بھارتی لڑکی عورت کے نام پر ایک شرمناک داغ بنی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز پر الکحل کے اثرات اتنے غالب

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگئے کہ اس کی آواز گھٹتے گھٹتے معدوم ہوگئی۔

اس کے بدن کی اضطراری جنبشیں اپنے آخری سانسوں پر تھیں۔ میں نے کرسی چھوڑ کر متجسس نگاہوں سے کمرے کی چھت اور دیواروں کا جائزہ لیا لیکن یہ سراغ لگانے میں ناکام رہا کہ را کے ماہرین کے نصب کیے ہوئے خود کار ویڈیو کیمرے کہاں پوشیدہ تھے۔

میں نے اپنے لباس پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی پھر مسہری کے قریب جاکر بیلا سنگھ کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ الل بھبوکا ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی دلنشیں آنکھوں پر پپوٹوں اور پلکوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ وہ مے نوشی کی ہوس میں مدہوشی کی گہری دلدل میں اتر چکی تھی۔ میں خاموشی سے مڑا اور بیلا سنگھ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے قفل کا وہ بٹن دبا دیا تھا جس سے بند دروازہ اندر سے مقفل ہوجاتا تھا۔ باہر سے کوئی چابی استعمال کیے بغیر بیلا سنگھ کی مدہوشی میں مخل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ رات کے گیارہ بجانے والی تھی۔ را اور نریش شرما کا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے مجھے تین گھنٹوں تک ان تھک محنت کرنا پڑی تھی!

○☆○

غزالہ نے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر مجھے نریش اور بیلا سنگھ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی لیکن میرے روانہ ہونے کے بعد کمرے کی تنہائی میں وسوسوں کے ناگ اس کے ذہن میں اپنے پھن لہرا کر اسے خوف زدہ کرنے لگے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصے میں بزدل نہیں رہی تھی۔ اپنی آبرو اور جان کے دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود اس نے بہت دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا تھا اور اپنے کئی سخت جان حریفوں کے لہو کی ہولی کھیل کر خود کو بدترین خطرات سے بچائے رکھا تھا لیکن اس وقت وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے کسی بری گھڑی کے بارے میں ستانا شروع کردیا تھا۔

وہ کمرے کے فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتی اور سوچتی رہی۔ اسے کہیں کوئی خامی محسوس نہیں ہوئی۔ را والے مجھے سراسیمہ بلکہ دہشت زدہ کرنے کے لیے اپنا ہر کارگر نفسیاتی حربہ آزما چکے تھے۔ نریش شرما نے مجھے شدید ذہنی جھٹکوں سے گزارنے کے بعد اپنی کڑی اور بے رحمانہ پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس دوران میں مجھے ذلت بھی سہنا پڑی مگر میں نے اپنا دل کڑا کرکے اپنی ہر تحقیر کو خاموشی سے سہہ لیا۔ نریش میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ جو میرے مظہر خان والے معصومانہ بہروپ سے میل نہ کھاتی ہو۔

را کے دو عقوبت کدوں میں چند گھنٹوں کی اذیت ناک قید وہ قیمت تھی جو میں نے ناگر کے قتل اور را کی گیارہ فائلوں کے حصول کے لیے ادا کی تھی۔ وہ قیمت ہر اعتبار سے بہت معمولی تھی۔ آخر کار مجھے آزادی مل گئی تھی۔

پہلے رینا اجیت رائے نے ہمارے کمرے میں پہنچ کر مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ تھوڑی سی پرتشدد اور تکنیکی تھور پر خالص نفسیاتی بازپرس کے نتیجے میں مجھے را سے کلیرنس مل چکی تھی۔ بعد میں نریش شرما کی دوستانہ فون کال نے رینا کی سنائی ہوئی نوید پر تصدیق کی مہر ثبت کردی۔

رینا نے اپنی ملاقات میں مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اس میں سے جستہ جستہ باتیں غزالہ کے علم میں آچکی تھیں۔ اسے یہ احساس تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانسنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے مشورے سے میں نے ایک سوچا سمجھا راستہ اختیار کیا تھا جس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اکلوتا اور بدترین خطرہ صرف یہی تھا کہ میں بیلا سنگھ کی اداؤں کا شکار ہوجاتا' وہ مجھے موم کرلیتی اور میں اس کی بانہوں میں پگھل جاتا۔

وہ غزالہ کے مان اور پندار کی شکست ہوتی کہ اس کے ہوتے ہوئے اور اس سے وعدہ کرلینے کے بعد میں را کی ایک فاحشہ کے سحر میں آجاتا مگر غزالہ وہ چوٹ کھانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرچکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نریش شرما بہت موذی افسر تھا۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا تھا' اس سے آسانی سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوتا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ میری' نریش اور بیلا سنگھ کی سہ فریقی ملاقات میں کیا ہونے والا تھا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ میں خود سے نہ بہکا تو نریش شرما مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کرسکتا تھا۔

غزالہ میری اس مجبوری کو قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ وہ مجبوری اس کی خلش اور پریشانی کا سبب نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی چھٹی حس اس سے کہیں زیادہ سنگین اور بڑے خطرے کی نشان دہی کررہی تھی مگر غزالہ ان غیبی اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ سوچتی رہی اور اس سے زیادہ پریشان ہوتی رہی۔ وقت بہت سست رفتار سے رینگ رہا تھا۔ میں پونے آٹھ بجے کمرے سے نکلا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے غزالہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے مجھے گئے ہوئے گھنٹوں بیت چکے ہوں۔ پونے نو بجے کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تو وہ حیرت اور

Downloaded from https://paksociety.com

خوف سے اچھل پڑی۔ دستک دینے کا میرا انداز وہ جانتی تھی۔ اس وقت دروازے پر کوئی اجنبی آیا ہوا تھا۔

غزالہ کی چھٹی حس کی للکار یکایک واضح ہوگئی۔ وہ خطرناک گھڑی سر پر آچکی تھی جسے اس کا وجدان پہلے سے محسوس کررہا تھا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی اور گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا "کون ہے۔"

"نریش شرما!" باہر سے آنے والی آواز سن کر غزالہ کے فرشتے کوچ کرگئے "دروازہ جلدی کھولو!"

وہ بدخواہوں کی فہرست میں نریش کے نام پر خط تنسیخ پھیر چکی تھی۔ اگر وہ میری طرف سے واقعی مطمئن ہوچکا تھا تو اس وقت دروازے پر دستک کیوں دے رہا تھا۔ اس نے مجھے نیچے بلایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اوپر غزالہ کمرے میں اکیلی ہوگی۔ اکیلی عورت سے اس کو کیا کام ہوسکتا تھا۔ غزالہ سر سے پیر تک کانپ کر رہ گئی۔ شاید نریش شرما دہری بلیک میلنگ کے چکر میں تھا۔ اس نے بیلا سنگھ کو میرے سر پر مسلط کردیا تھا اور خود غزالہ کے دروازے پر آپہنچا تھا۔

غزالہ کے وجود کی گہرائیوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اگر نریش کے عزائم ناپاک تھے تو وہ قابل معافی نہیں تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ، جان اسمتھ اور ناگر کے بعد اس کو بھی جہنم کے سفیر روانہ ہوجانا چاہیے تھا۔

اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ آنے والا پستہ قامت اور تندرست شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی "میں تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

غزالہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ مردوں کی نظروں اور لب و لہجے کو خوب پہچانتی تھی۔ اس کے اندر چھپی ہوئی عورت نے اسے بتادیا کہ آنے والا اس کا دوست نہیں تھا۔ ساتھ ہی وہ اس کی آبرو کا دشمن نہیں ہوسکتا تھا۔ غزالہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے راہ دے دی۔

اندر آتے ہی اس نے ٹیلی ویژن کی روشن اسکرین کو دیکھ کر تفتیشی انداز میں اپنا سر ہلایا پھر پلٹ کر غزالہ سے گویا ہوا "تم ٹیلی ویژن دیکھتی ہو تو اخبار بھی ضرور پڑھتی ہوگی۔ تم کو معلوم ہوگا کہ پرسوں رات گئے دہلی میں کیا کچھ ہوا ہے۔"

نریش شرما کی عقابی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم راکے افسر ہو۔" غزالہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مظہر خان سے ساری پوچھ گچھ کرچکے ہو۔ وہ ابھی تک تم سے دہشت زدہ ہے۔ سوتے میں بڑبڑانے لگا ہے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم کو معلوم ہے کہ مظہر خان اور را کے بیچ کیا معاملہ ہوا ہے۔" نریش نے غزالہ کی بات سنی اَن سنی کردی۔

"یہ تمہیں اور اسے معلوم ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں مجھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تم سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا تھا۔ تم یہاں موجود ہو پھر وہ کہاں گیا۔ اس کو تمہارے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"یہ ایک رنگین ہوٹل ہے۔ اسے ایک جاننے والی مل گئی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے تمہارا دھیان آگیا۔" نریش شرما نے میری طرف سے غزالہ کے کان بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم اس کی دوست ہو۔ تم سے مجھے کچھ جوابات درکار ہیں۔"

وہ گفتگو کھڑے کھڑے ہورہی تھی۔ غزالہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی "اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور بتادوں گی۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"سنو لڑکی!" نریش کا لہجہ اچانک درشت ہوگیا "مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ پہلے تم دونوں اسی کمرے میں رہ رہے تھے۔ پرسوں رات تم نے یہ ہوٹل چھوڑ دیا۔ پہاڑ جیسی رات گزار کر تم دونوں صبح سویرے واپس آئے تو تمہیں الگ الگ کمروں کی ضرورت کا احساس ہوچکا تھا۔ ابھی میں کافی دیر تک تمہارے کمرے کا دروازہ پیٹتا رہا مگر وہ ویران تھا۔ مجبور ہوکر میں اس دروازے پر آگیا اور کی ہول میں سے جھانک کر میں نے اندازہ لگالیا کہ اندر کوئی موجود ہے اور واقعی تم موجود ہو۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہو تو مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو؟"

"رات تم دونوں نے کہاں اور کیسے گزاری؟" نریش نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"اگر تم یہ بات مظہر خان سے پوچھنا بھول گئے تھے تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ ہم آگرہ جانے کے ارادے سے یہاں سے نکلے تھے۔" غزالہ نے پل بھر میں اندازہ لگالیا تھا کہ نریش کو بہت دیر سے یہ خیال آیا تھا کہ غزالہ کے بیان سے میری بتائی ہوئی تفصیلات کی تصدیق یا تردید حاصل کی جائے۔

شاید دفتر میں آگ لگنے اور ناگر کے جل مرنے کے باعث اس کی عقل چوپٹ ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ بیک وقت ہم دونوں سے الگ الگ پوچھ گچھ کرتا تو ہماری کہانیاں مختلف ہوتیں اور ہم اپنے ہی بیانات کے تضاد میں پھنس جاتے لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

وہ ابتدائی مرحلے میں غزالہ کو نظرانداز کرنے کی سنگین غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس کی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رہی تھی۔ میں نے بازپرس کے دوران میں جو کچھ نریش کو بتایا' اپنی رہائی کے بعد غزالہ کو بھی بتادیا تھا۔ غزالہ ... اپنی کہانی وہیں سے اٹھائی تھی جہاں سے میں نے شروع کی تھی۔ وہ سوچتی اور تیزی کے ساتھ بولتی چلی گئی۔ اس کی یادداشت قابل رشک تھی اس لیے اس نے دہلی کے تفریحی مقامات کی اس ترتیب میں بھی فرق نہ آنے دیا جو میں پہلے ہی بیان کرچکا تھا۔ اس سے پہلے اس نے یہ واضح کردیا کہ آگرہ جانے کا پروگرام کسی اہم فون کی وجہ سے ٹل گیا۔ مظہر خان کسی آدمی سے بات کیے بغیر دہلی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس آدمی کا کارڈ مظہر خان سے کہیں گم ہوچکا تھا۔

نریش شرما نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک اور پنسل نکال لی تھی۔ وہ غزالہ کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ تیزی سے نوٹ بک پر کچھ لکھتا جارہا تھا۔

غزالہ نے کناٹ پلیس کے مرکزی سبزہ زار میں اپنی تفریح کے اختتام کے بارے میں بتایا۔ نریش نے ایک گہرا سانس لے کر نوٹ بک بند کی اور جیب میں ڈال لی۔

"ایک بار پھر سوچ لو کہ تم سچ بول رہی ہو۔" نریش نے غزالہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس ہم دہلی کی کھلی فضا میں گھومنا پھرنا چاہ رہے تھے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا "سیاحوں کا مقصد تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر تمہیں سب کچھ اسی ترتیب سے بتانے کی پوری کوشش کی ہے جس ترتیب سے ہم نے وہ جگہیں دیکھی تھیں پھر بھی میرے اور مظہر خان کے بیان میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہاں کے بازاروں اور علاقوں کے نام اجنبی ہیں۔ ہم سے سمجھنے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے؟" نریش نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ہم میاں بیوی نہیں ہیں پھر بھی ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ تم لوگوں کو شبہ تھا کہ مظہر خان مجھے پاکستان سے بھگا کر لایا ہے۔" غزالہ نے بہت خوب صورتی سے یہ بات گول کردی کہ وہ میرے بارے میں را کے منصوبوں سے پوری طرح واقف تھی۔

"یہ باتیں مظہر خان سے بھی پوچھی اور ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ میں نے تمہارے بیان کا ڈکٹیشن لے لیا ہے۔ مظہر کو پتا نہیں ہے کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ اب تم دونوں کی کہی ہوئی باتوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ ذرا سا بھی جھوٹ سامنے آیا تو تم دونوں رگید دیے جاؤ گے۔ مظہر دیکھ چکا ہے کہ جھوٹوں سے سچ اگلوانے کے لیے ہمارے پاس کیسے کیسے اوزار اور ہتھیار موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر روح تک کانپ اٹھتی ہے۔"

"تم مظہر کے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے ہو۔ وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا مگر پریشان رہتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم فون پر اس کے دوست اور خیرخواہ بنے ہوئے تھے اور اب مجھ سے آنکھیں بدل کر بات کررہے ہو۔ تمہاری ان باتوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"بھارت میں ایک کہاوت ہے کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔" نریش نے کہا "یہ بات ذرا کڑوی ہے لیکن سچی ہے۔ ہم جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔ تمہارے بیان کے بغیر ہمارا کام ادھورا تھا۔ اب جو فیصلہ ہوگا' اسی کی روشنی میں ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ غزالہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک گئی مگر نریش نے مڑکر دو الوداعی کلمات کہنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ دروازے سے نکل کر راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اس سے پشت ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ نریش شرما کی غیرمتوقع آمد نے اسے ہراساں کردیا تھا۔

نریش اپنی زبان کا سارا زہر اگل کر لوٹ گیا۔ غزالہ کے دل و دماغ کی دنیا درہم برہم ہوگئی۔ تھوڑی دیر پہلے خوش گمانیوں کی جو فسوں خیز فضا پیدا ہوئی تھی' نریش کی آمد سے مسموم ہوچکی تھی۔ دہلی میں غزالہ کو کچھ بھی یقینی نظر نہیں آرہا تھا۔ فریب در فریب کا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ اس کا کلیدی نکتہ نریش نے بڑی وضاحت سے بیان کردیا تھا کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔

نریش سے مل کر وہ اتنی پراگندہ خاطر ہوئی تھی کہ فوری طور پر گرم گرم چائے کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کررہی تھی لیکن اس میں ایک بار پھر دروازہ کھولنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اس نے روم سروس سے رابطہ کرنے کے بجائے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل منی بار سے نکال کر کھول لی۔

اس وقت تک را کے بارے میں جو تجربات غزالہ کے سامنے آئے تھے' ان سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ را والے چالاک' مکار' سفاک اور خون آشام ضرور تھے مگر غیرمعمولی ذہانت سے محروم تھے۔ جو ایسے حساس شعبے کی کامیابی کے

Downloaded from https://paksociety.com

ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں بیٹھے ہوئے، پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے تینوں افراد درندہ صفت اور خون آشام نہیں تھے لیکن بلا کی ذہانت اور پھرتی کے مالک تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ بھارت والے کشمیر میں اور اپنی سرزمین پر پاکستانی آئی ایس آئی اور آئی بی وغیرہ کے مضبوط زیر زمین نیٹ ورک کا واویلا مچاتے رہتے تھے مگر کسی پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہتے تھے۔ ان کے آدمی پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی اور بربریت کے بدترین مظاہرے کرنے میں کامیاب ضرور ہوجاتے تھے لیکن ذہانت سے عاری اور ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے پکڑے جاتے رہتے تھے۔

نریش شرما نے ہر وہ کام کر ڈالا تھا جو مجھے اور غزالہ کو گھیرنے کے لیے ضروری تھا مگر وہ اقدامات بے ربط تھے۔ فیصلہ صحیح تھا تو اس پر عمل کرنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا گیا تھا اور صحیح وقت پر کیے جانے والے فیصلے زیادہ صائب نہیں تھے۔

شاید اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ اس خالص حربی پیشے میں انہوں نے رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ جیسی نوخیز اور نوآموز لڑکیوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ اس حکمت عملی سے ان کے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، ان کے اپنے جنگی ڈسپلن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ وہ طریقہ جاری رہے تو آنے والے چند سالوں میں را کے دفاتر اور مراکز عیاشی کے گڑھ بن جائیں گے۔

نریش کی آمد سے پہلے تک غزالہ کی یہ خوش فہمی تھی کہ را والوں نے اپنی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز کی ہوئی ہے۔ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا ہوا تھا مگر نریش نے اس کی یہ غلط فہمی دور کردی تھی۔ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد را کے ذمے دار کسی بھی مشتبہ فرد کو نظر انداز کرنے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے۔ بس نریش سے ٹائمنگ کی ایک سنگین غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ جس کا سارا فائدہ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اصولی طور پر اسے ہم دونوں سے ایک وقت میں الگ الگ پوچھ گچھ کرنی چاہیے تھی۔ آپس میں کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کے بیانات میں زمین و آسمان کا تضاد ہوتا اور ہمارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا۔

بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر ان دنوں ہمارے ستارے یاور تھے کہ نریش شرما بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نکتے کو فراموش کرگیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ را کے دفتر میں آتش زدگی کی واردات کو ناگر کی موجودگی نے بہت پیچیدہ بنادیا تھا۔ نریش شرما کو ہم پر براہِ راست کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے عمومی جانچ پڑتال میں مجھے ایک کمزور نشانہ سمجھ کر اٹھوالیا تھا۔

مجھ سے کی جانے والی پوچھ گچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی لیکن را کے لیے میرے کردار کا دوسرا رخ اہم تھا۔ پاکستان میں زرخرید پاکستانیوں کے ذریعے مخبری اور دہشت گردی ان کی حکمت عملی میں شاید سنگ میل کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ بات انہیں معلوم تھی کہ بھارت آنے والا ہر پاکستانی بے ضمیر اور بکاؤ مال نہیں ہوتا۔ ان میں خال خال ہی کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ ان سے معاملات طے کرتے ہوئے یہ خدشہ رہتا ہوگا کہ کسی وقت دباؤ کے تحت وہ را کے لیے کام کرنے پر آمادگی ظاہر کردیں اور سرحد پار کرتے ہی اپنے ملک اور قوم کی محبت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ضمیر فروشی سے تائب ہوجائیں۔

رینا اجیت رائے کے ساتھ بنائی جانے والی میری ویڈیو فلم کا معاملہ غزالہ کے علم میں نہیں تھا مگر میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانس کر مجھے بلیک میل کرنے کا مواد حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ غزالہ کو اندازہ تھا کہ ایسا مواد را کی ضرورت بن گیا تھا تاکہ میں پاکستان واپس پہنچنے کے بعد را سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکوں اور وہ مجھے اطمینان سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرسکیں۔

را کے بارے میں سوچتے سوچتے غزالہ کی ذہنی رو بیلا سنگھ کی طرف بہک گئی۔ مجھے کمرے سے گئے کافی وقت ہوچکا تھا۔ نریش مجھ سے ملنے کے بعد غزالہ کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے یہ شوشا بھی چھوڑ دیا تھا کہ میں ہوٹل میں کسی جاننے والی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کو خلش ہونے لگی کہ میں بیلا سنگھ کے ساتھ اتنی دیر تک کن مذاکرات میں مصروف تھا۔

بیلا سنگھ کو مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ غزالہ کو ان حالات کا علم نہیں تھا جو نیچے رونما ہورہے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک سیدھی سی بات جمی ہوئی تھی۔ اگر میں بیلا سنگھ سے اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہوجاتا تو زیادہ وقت برباد کیے بغیر کمرے میں واپس پہنچ جاتا۔ میری واپسی میں غیر معمولی تاخیر غزالہ کے لیے اس تلخ حقیقت کی عکاس تھی کہ میرے ارادے کمزور ثابت ہوئے تھے، بیلا سنگھ جیت گئی تھی۔

بدترین شکست کے احساس سے غزالہ کے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

آسیبی خیالات اس کے ذہن پر یلغار کررہے تھے۔ کمرے کی تنہائی میں کوئی اس کا رفیق یا غم گسار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا مظلوم اور تنہا محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کررہی تھی۔

بے خیالی میں اس کا ہاتھ اپنے داہنے رخسار کی طرف گیا تو اپنی انگلیوں پر نمی محسوس کرکے وہ چونک پڑی۔ اس نے ہڑبڑا کر چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کے دونوں رخسار تر تھے۔ نہ جانے کب سے اس کی غزالی آنکھوں سے آنسوؤں کے بے آواز موتی بہے چلے جارہے تھے۔ اس نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ اور پھر آنکھیں خشک کیں۔ آئینے میں اسے اپنا عکس کمزور اور دھندلایا ہوا نظر آرہا تھا۔

اس کا احساسِ بے بسی یکایک غصے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کا دل چاہا کہ اسی وقت مسلح ہوکر اپنے کمرے سے باہر نکلے اور بیلا سنگھ کو ہوٹل کے کسی کمرے میں ڈھونڈ نکالے۔ وہ میری موجودگی یا بعد کے خطرات کی پروا کیے بغیر بیلا سنگھ کو جہنم واصل کردینا چاہتی تھی۔

اس کے خیالات کی وہ غضب ناک رو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ دروازے پر ہلکی سی دو مانوس دستکیں سن کر وہ چونکی اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مجھے اپنے سامنے پاکر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

میں سرعت سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔

سہارا ملتے ہی غزالہ کے صبر اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ میری بانہوں میں سسکیوں کے ساتھ بلک کر رو پڑی۔

"کیا بات ہے۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہو؟ میں تو تمہارے حوصلے پر ناز کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ.... وہ کمینی بیلا سنگھ آپ کو لے کر ہی بیٹھ گئی تھی ... میں...."

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔ "تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ وہ عادی شرابی ہے۔ میں اسے باتوں سے بہلاتا رہا اور اب وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہے۔ نرلش اور بیلا کا پورا منصوبہ فلاپ ہوگیا۔"

وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکلی اور میرے روبہ رو کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر چہرہ کھل اٹھا تھا اور پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر اندر کی خوشی مسکراہٹ بن کر ناچ اٹھی تھی۔ اس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سچ بتائیں کہ آپ میرا دل رکھنے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہے؟"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں اس سے دور رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں جو کچھ کرتا ہوں' اس میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے بیلا کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اسے ہوش آئے گا تو وہ کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔"

"آپ واقعی عظیم ہیں۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "ذرا سی دیر پہلے میں بیلا کے بارے میں سوچ سوچ کر سلگ رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کہیں سے بھی تلاش کرکے مار ڈالوں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی عقل سے عاری ہوجاتی ہو۔ تم نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس جال کو توڑوں گا۔"

"نرلش یہاں آیا تھا۔" غزالہ کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں بہ یک وقت کئی سنسنی خیز اور وحشت ناک خیالات آئے تھے۔ میں نے اس کا وہ مختصر فقرہ سنتے ہی اس پر سوالوں کی بھرمار کردی۔

غزالہ میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کے بارے میں تجسس میں مبتلا تھی۔ میں نرلش کی آمد کے بارے میں فکرمند تھا۔ غزالہ کو خیال آیا کہ اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ وقت کافی گزر چکا تھا۔ باتوں سے پہلے روم سروس کو کھانے کا آرڈر دے دینا ضروری تھا۔

روم سروس کو انٹرکام پر آرڈر دے کر غزالہ نے مجھے نرلش کی کہانی سنانی شروع کردی۔

کھانا آیا اور کھانے کے دوران میں بیلا سنگھ کا ذکر چلتا رہا۔ اس لڑکی کے بارے میں غزالہ کا تجسس قابلِ فہم اور بالکل فطری تھا مگر اس وقت مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے غزالہ مجھ سے پچھلے تین گھنٹوں کے ایک ایک لمحے کا حساب لینے پر تلی ہوئی ہو۔ رینا کے برعکس بیلا سنگھ کے معاملے میں میرا دامن بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کی کسی بات کا بُرا منائے بغیر اس کے تمام سوالوں کے جواب دیتا چلا گیا۔

ہماری وہ شام بہت بوجھل اور ناخوش گوار گزری تھی۔ مسائل نے سر ضرور اٹھایا تھا مگر ان پر قابو پالیا گیا تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ نرلش میرے اور غزالہ کے بیانات میں کوئی جھول دریافت نہیں کرسکے گا اور یوں ہماری تشویش کا آخری پہلو بھی صاف ہوجائے گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"دیکھنا ہے کہ اب بیلا سنگھ کی ناکامی پر نریش کا ردِّعمل یا رہتا ہے۔ اس معاملے میں آپ کو گھیرنے کے لیے اس نے سر توڑ کوششیں کی تھیں۔" بستر پر پہنچنے کے بعد غزالہ نے تے ہوئے کہا "آپ نے ان پر پانی پھیر دیا۔"

نریش شرما نے بہت صحیح نشانہ لے کر اپنی کمان سے تیر لایا تھا لیکن وہ خطا ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پاس ے سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس شام میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ کمرے سے نکل کر نیچے اترا' اس کے ساتھ بار میں بیٹھا' بیلا سے خوش دلی سے ملا اور نریش کے نے کے بعد بیلا کے ساتھ اس کے کمرے میں بھی چلا گیا۔ کمرے کی کہانی سے اخلاقی طور پر اس کا کوئی تعلق نہیں نا چاہیے تھا۔

باتیں کرتے کرتے ہم دونوں گہری نیند سو گئے۔ پہلے زالہ کی آنکھ گلی پھر میں بھی نیم تاریکی میں دیواروں کو لھورتے گھورتے سو گیا۔

گہری نیند سے رات گئے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور یدار ہوتے ہی اس خلل کا سبب سمجھ میں آگیا۔ میرے رہانے رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی آہستی انداز میں مسلسل جے جا رہی تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی آواز تی ناناتوس تھی کہ غزالہ کی نیند بھی اچٹ گئی۔

"ہیلو! کیا بات ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر نیند سے حل آواز میں غرا کر پوچھا۔

"سر! باہر سے آپ کی فون کال ہے۔" ہوٹل آپریٹر کی ذب آواز آئی "میں آپ کی نیند خراب کرنے پر معافی یا ہتی ہوں۔"

"صبح کے چار بجے فون کرنے کا کون سا وقت ہے۔" میں ے بھر کر کہا "کہہ دو کہ میں سو رہا ہوں۔"

"سر! میں نے اس وقت کال ٹرانسفر کرنے سے معذرت ہی تھی۔" وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن وہ بات رنے پر مصر ہیں۔ خود کو را کا افسر بتا رہے ہیں۔ ان کی شیت جاننے کے بعد میں انکار نہیں کر سکی۔"

آپریٹر کی زبان سے را کا نام سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا یسے کسی نے میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی ہو۔ ں نے بے جان لہجے میں کہا "کال ملا دو۔"

کلک کی آواز کے ساتھ کال مل گئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا "کون بول رہا ہے؟"

"آج تم نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ مجھے منہ ھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" میرے کان میں نریش کی دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔ میں بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

نریش کی آواز سن کر میرا رہا سہا خمار بھی کافور ہو گیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے جو تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"ابھی بیلا سنگھ کا فون آیا تھا۔ تم نے اس شریف لڑکی کی حد سے زیادہ توہین اور تذلیل کی ہے۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"توہین!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم مجھ سے قسم لے سکتے ہو کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ نشے میں کچھ بہک گئی تھی پھر بھی میں نے اس کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ جب وہ سو گئی تو میں اسے چھیڑے بغیر اس کے کمرے سے نکل آیا۔"

"وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ اسے غم و غصہ ہے کہ تم اس سے یوں بچ رہے تھے جیسے اسے چھوت کی کوئی غلیظ بیماری ہو۔"

"یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آگ و تیل یک جا ہو جائیں تو شعلوں کو بھڑکنے سے روکنا کتنا مشکل

امریکن ویزا حاصل کریں

اگر آپ امریکہ جانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے غیر قانونی ذرائع استعمال نہ کریں امریکن ویزا گائیڈ" امریکہ میں مقیم پاکستانی اور امریکی وکلاء کے مشوروں کی مدد سے تیار کی گئی ہے اس میں وہ تمام قانونی طریقہ کار بتائے گئے ہیں جن کی مدد سے آپ امریکی ویزا حاصل کر سکتے ہیں۔ (قیمت 275 روپے بمعہ ڈاک خرچ)

کینیڈین امیگریشن گائیڈ

کینیڈین امیگریشن کے لیے اپلائی کرنے والوں کیلئے "کینیڈین امیگریشن گائیڈ" (اردو/انگلش) جس میں کینیڈین امیگریشن ویزے کے سلسلے میں شروع سے آخر تک تمام معلومات دی گئی ہیں جس کی مدد سے آپ خود کینیڈین ویزے کیلئے اپلائی کر سکتے ہیں۔ (قیمت: 325 روپے بمعہ ڈاک خرچ)

انگلش لینگویج کورس

ایسے افراد جنہوں نے اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کی ہے اس کورس کی مدد سے گھر بیٹھے چار ماہ میں انگریزی لکھنے، پڑھنے اور بولنے پر عبور حاصل کر سکتے ہیں ہر ماہ بذریعہ ڈاک کورس کے آخر میں سند بھی بھاری کیسٹ ٹیچنگ (چار ماہ کے کورس کی مکمل فیس: 450/- بمعہ ڈاک خرچ)

آپ صرف ایک خط لکھ کر یا ای میل بھیج کر بذریعہ V.P.P گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں

VITAL INFORMATION NETWORK
(Immigration Law Division)
P. O. BOX No. 4275, KARACHI-74000
Email : via1965@hotmail.com

Downloaded from https://paksociety.com

ہوتا ہے۔ بیلا واقعی بہت مہربان اور آزاد خیال لڑکی ہے مگر میرے دماغ پر یہ بات طاری تھی کہ وہ تمہارے دوست کی بیٹی ہے اور تمہیں انکل کہتی ہے۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔ تم نے میری اور اس کی بے تکلفی دیکھ لی تھی۔ خود اس نے تمہیں بتایا کہ وہ میری دوست ہے مگر تم کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھے۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہوئی تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ بیلا نے میرا سارا پریشن دور کردیا تھا۔ میں اس کی مے نوشی سے فائدہ اٹھا کر ایسی کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ بعد میں مجھے تمہارے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔"

"مجھے پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ ایک معزز اور شریف لڑکی جب خود کو کسی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو دیکھ بھال کر کرتی ہے۔ اس کی دعوت کو ٹھکرانا اس کو ذلیل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔" میرے تجابلِ عارفانہ پر وہ بھنّا کر برہمی سے کہہ رہا تھا۔ میں اس کے وہ الفاظ سن کر سناٹے میں آگیا۔

نریش شرما ایک پڑھا لکھا اور ذمے دار بھارتی افسر تھا مگر اس نے بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا کردی تھی۔ وہ بیلا سنگھ کو ایک شریف اور معزز لڑکی قرار دے رہا تھا۔ اس کی آبرو کے تحفظ کو اس کی توہین اور تذلیل قرار دے رہا تھا۔ شاید اپنے منصوبے کی ناکامی نے اس کے دماغ پر منفی اثرات ڈالے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ تم میرے کردار اور شرافت کی تعریف کرو گے۔ اگر میرے محتاط رویّے سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے تو میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔"

"تم نے بیلا کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی ہے اس کا ازالہ لفظوں سے ہونا ناممکن ہے۔" نریش کا لہجہ گہری ملامت لیے ہوئے تھا۔ اس نے فون پر اپنی بات جاری رکھی "تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کے صرف چار روپ ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عزت اور احترام کی حق دار ہوتی ہے۔ ماں، بیٹی، بہن اور بیوی۔ ان کے سوا عورت بس ایک کھلونا ہوتی ہے۔ جب اور جیسے ہاتھ لگ جائے، اس سے کھیلنا چاہیے۔ عورت خود بھی یہی پسند کرتی ہے۔ بیلا کی رضا پاکر بھی تمہارے دماغ پر برف جمی رہی تو یہ تمہاری اور میری بدقسمتی ہے۔ میں تمہیں عقل سے اتنا عاری نہیں سمجھتا تھا۔"

"نریش! تم جذباتی ہو کر آگ لگانے والی باتیں کررہے ہو۔ میری بیوی ہر ایک کی بیوی یا بہن نہیں ہوسکتی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مرد اس کے لیے بھیڑیے بن جائیں۔ چار کے سوا سارے رشتوں کے احترام کی دھجیاں اڑادیں۔" اس بار میں نریش کی ہرزہ سرائی پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرسکا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "شاید تم عیال دار ہو۔ تم کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ تمہارا انوکھا فلسفہ معاشرے کو ان کے لیے جہنم بنادے گا۔ یہ سب ....."

"خاموش رہو!" نریش کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ میری بات کاٹ کر کہہ رہا تھا "مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے اسے اتنا دل برداشتہ کردیا ہے کہ اسے اپنے وجود اور زندگی تک سے نفرت ہوگئی ہے۔"

میں بالکل خاموش رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بے غیرت یہ حکم صادر نہ کردے کہ میں معذرت کرنے کے بجائے اسی وقت دوبارہ بیلا سنگھ کے کمرے میں جاؤں اور عملی طور پر اپنی زیادتی کا بھرپور ازالہ کروں تاکہ بیلا کی زخمی انا کو قرار مل سکے۔

"خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی دہاڑ سنائی دی۔

"ابھی تم نے خاموش رہنے کا حکم دیا تھا۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "تم اتنی تیزی سے آنکھیں بدلتے ہو کہ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔"

"اور مجھے دوبارہ تم پر شک ہونے لگا ہے۔" اس کی زہریلی آواز آئی "تم اتنے شریف اور سیدھے نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ تم انتہائی چالاک اور مکار آدمی ہو۔ مجھے از سرِ نو دیکھنا پڑے گا کہ تم کون ہو اور ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

نریش کی باتوں نے یکایک ایک خوف ناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایسی دہلانے والی باتیں نہ کرو۔ میں اپنی مرضی سے تم سے نہیں ملا۔ میں تو انکل انل بسواس سے ملنے پر بھی تیار نہیں تھا مگر ناگر اور رینا نے مجھے بتایا کہ انکل جسے ملاقات کا وقت دے دیں اسے ہر حال میں اس سے ملنا پڑتا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو اس کے آدمی مار پیٹ کر مجھے زبردستی اس کے پاس لے جائیں گے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کیا کھیل کھیل سکتا ہوں۔"

"اب انکل ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔" اس نے یہ نہیں کہا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی کی خبر انل بسواس کو بھی مشتعل کردے گی۔

"تم نے انکل کا ذکر کہاں نکال لیا!" میں نے بوکھلائی

Downloaded from https://paksociety.com

کی خوف زدہ آواز میں کہا "آج جو کچھ ہوا' وہ میرا تمہارا
ر بیلا سنگھ کا معاملہ ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ میں بیلا سے
نوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔"

شاید نریش کو اسی لمحے احساس ہوگیا کہ غصے اور روانی
ں اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری سے
ا سنگھ کی سرکاری حیثیت کو پوشیدہ رکھ کر پورے ڈرامے کو
تی طور پر ہونے والی نجی ملاقات کا روپ دیا ہوا تھا۔ اس
ں انل بسواس کا نام لانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میری بات
ری ہونے تک اسے ایک موزوں جواب سوجھ گیا اور
رے خاموش ہونے پر اس نے قلابازی کھائی "تم جیسے دو
کے آدمی کے لیے انل بسواس کے لیے کوئی وقت نہیں
۔ میں اپنی بات کررہا تھا کیونکہ تم نے مجھے بیلا کے حقیقی
ل کا درجہ دے کر ساری گڑبڑ کی ہے۔ بیلا تمہاری صورت
جنے کی روادار نہیں ہے۔ ویسے بھی اسے صبح کی پرواز سے
نئی چلے جانا ہے۔ اب میں تمہیں تمہاری گستاخی کی کوئی
ں سزا دوں گا۔"

یکایک لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خالی خالی نظروں
ریسیور کا جائزہ لیا پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

"پلان کی ناکامی نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی
گی۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس میں ذرا سی بھی حیا ہوتی تو وہ اس واقعے کو خاموشی
پی جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ را کے افسروں کی ذہنی سطح
ت اور گھٹیا ہے۔ ابھی اس کا اضطراری ردِ عمل سامنے
ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"
نے تشویش سے کہا۔

"ان کی سوچ گھٹیا ہے اسی لیے یہ پڑوسی ملکوں میں
ت کاریاں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی جان
ید بیونٹی سے زیادہ حقیر ہے۔" غزالہ نے میری ہاں میں ہاں
ی۔ وہ مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر میری اور نریش کی گفتگو کا
ن سمجھ گئی تھی "اگر وہ واقعی انل بسواس کو درمیان میں
لے آتا ہے تو یہ معاملہ سنگین ہوجائے گا۔ مجھے اب یہاں
شت ہورہی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ روانی میں انکل کا ذکر کرگیا تھا۔ بعد میں اس نے
ں بات بدل دی مگر یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ یہ سب
ں بسواس کی مرضی سے ہورہا ہے۔ اسے معلوم ہوچکا ہوگا
نریش شرما کے دفتر میں لگنے والی آگ میں کیا کچھ تباہ ہوا
ہے۔" میں بے دھیانی میں رینا والی ویڈیو فلم کا ذکر کرنے ہی
لا تھا کہ مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے
ت گھماتے ہوئے کہا "پاکستان میں جوابی قدم اٹھانے کے

موقع

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا۔ اسے جو
کام کہا جاتا' نہایت سعادت مندی سے کردیتا۔
ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے
پاس سگریٹ ختم ہوگئے۔ اس نے سو کا نوٹ کتے کو
دے کر سگریٹ لینے بھیج دیا۔ کتا ایک گھنٹے تک
واپس نہ آیا تو مالک اس کی تلاش میں نکلا۔ کافی دیر
ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا' کتا ایک
ریستوران میں بیٹھا چکن تکا کھا رہا تھا اور کولڈ
ڈرنک پی رہا تھا۔

مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوا کیا "اس سے
پہلے تو تم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کام
بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمے داری سے کیا۔ یہ آج
تمہیں کیا ہوگیا؟"

کتا اطمینان سے بولا "اس سے پہلے آپ نے
کبھی پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیے تھے نا...!"

لیے اسے کسی مضبوط' نئے اور مقامی مہرے کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے پوری طرح بے بس کیے بغیر یہاں سے نہیں جانے دے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ رینا اور بیلا کے بعد اب کس کی باری آتی ہے۔"

"ان کا یہ حربہ دو مرتبہ ناکام ہوچکا ہے۔" غزالہ نے پر خیال انداز میں کہا "تیسری بار وہ اسے نہیں آزمائیں گے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" میں نے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا "ابھی صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔ کچھ دیر کے لیے سونے کی کوشش کرو۔ صبح تازہ دم ہوکر اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔" میں نے کمرے میں جلتا ہوا نائٹ لیمپ بھی بجھادیا۔ گہرا اندھیرا سونے کے لیے زیادہ مدد گار ثابت ہوسکتا تھا۔

کچھ دیر تک کمرے کی فضا میں گہرا سکوت چھایا رہا پھر غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی "جان! آپ سو رہے ہیں؟"

"کوشش کروں گا تو سوجاؤں گا۔ ابھی منحوس نریش سر پر سوار ہے۔" میں نے اس کی طرف پہلو بدل کر جواب دیا "کیا

Downloaded from https://paksociety.com

تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں! اندھیرے سے خوف آرہا ہے۔" اس نے سہمی ہوئی آواز میں اقرار کیا "ٹائٹ لیمپ جلالیں۔"

میں نے ٹٹول کر بستر کے کنارے پر جھولتا ہوا سوئچ تلاش کیا اور دھیمی روشنی والا بلب آن کردیا۔ گھپ اندھیرے سے مجھے بھی الجھن ہو رہی تھی۔

○☆○

ویرا نے عابد علی کے ساتھ اپنے ہوٹل میں اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔ اس کی شناخت کا صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ وہ بھارت جیسے موذی ملک میں ڈینی، ویرا اور غزالہ کے اصلی اور فرضی ناموں سے پوری طرح واقف تھا اور اپنے ساتھ کوئی مصیبت لے کر نازل نہیں ہوا تھا۔ وہ عابد کے ساتھ آخر تک سرد مہری سے پیش آئی۔ بس اس وقت ذرا سی گرم جوشی ہوئی جب اسے یہ پتا چلا کہ ہم لوگوں نے را کے ایک دفتر کو نذرِ آتش کردیا تھا اور اس آگ میں را کا ایک سینئر کمانڈو بھی زندہ یا مردہ حالت میں جل گیا تھا۔

اس نے عابد کو کسی تواضع کے بغیر رخصت کردیا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوچکا تھا کہ عابد اگر کسی اہم اور خفیہ مشن پر دہلی سے امرتسر آیا تھا تو اسے ویرا کے پاس ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ جانا چاہیے تھا تاکہ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس کے بارے میں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔

عابد کے جانے کے بعد ویرا نے اس کی لائی ہوئی فائلیں کھول ڈالیں۔ بیشتر کاغذات کا تعلق را سے تھا۔ فائلوں میں کچھ سادہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تحریریں اور نقشے بھی تھے۔ ان تحریروں کا رسم الخط ہندی یا انگریزی تھا۔ ویرا ہندی رسم الخط سے نابلد تھی لیکن انگریزی حروف سے ترتیب دیے گئے الفاظ بالکل مہمل اور بے ربط تھے۔ عام آدمی ان سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کرسکتا تھا۔

کافی دیر تک سر کھپانے کے بعد ویرا نے ان فائلوں کو اسی طرح بند کردیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فائلوں کی اہمیت کے بارے میں عابد نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ خفیہ زبان میں تیار کی ہوئی وہ فائلیں پاکستان میں بیٹھے ہوئے ماہرین کے لیے سنسنی خیز ثابت ہوسکتی تھیں۔

وہ پاکستان سے اپنے سفری سامان کا ایک تھیلا لے کر روانہ ہوئی تھی اور امرتسر کے ہوٹل میں بھی اس کا اثاثہ اسی تھیلے تک محدود تھا۔ اسے فکر دامن گیر ہونے لگی کہ اس تھیلے میں فائلوں کے بنڈل کو چھپانا ناممکن نہیں تھا۔

اسے پاکستان یا اس خطے کے کسی اور ملک میں ٹرینوں سے سفر کا زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس نے امرتسر سے دہلی اور پھر وہاں سے واپسی کے سفر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ مغرب کے برعکس بھارتی باشندے..... زیادہ سازوسامان لاد کر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس بار ..... اسے ٹرین ہی کے ذریعے پاکستان اور بھارت کی حساس سرحد عبور کرنی تھی پھر اس کے پاس را کا خفیہ ریکارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا مختصر سامان اسے جانچ پڑتال کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس کا کوئی نہ کوئی تدارک ضروری تھا۔

ٹرین کی روانگی میں خاصا وقت تھا۔ ویرا نے اسی وقت ہوٹل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔

ہوٹل میں اپنے مختصر قیام کا حساب بے باق کرکے وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی جو کسی حد تک اس کا دیکھا بھالا تھا۔ مختلف دکانوں پر کافی وقت اور رقم برباد کرکے وہ اسٹیشن پہنچی تو اس کے ساتھ درمیانی سائز کا ایک خاصا وزنی سوٹ کیس موجود تھا۔ اس میں بیشتر نئے ملبوسات اور بھارتی دستکاری کے نمونے بھرے ہوئے تھے جو دہلی کے کناٹ پلیس کی دکانوں کے مقابلے میں امرتسر میں سستے تھے۔

اس کا سفری تھیلا اور را کی فائلوں والا غلاف اسی سوٹ کیس میں سما گیا تھا۔

ویرا نے وہ تیاری بھارتیوں سے بچنے کے لیے کی تھی۔ وہ اپنے رنگ وروپ اور خدوخال کی وجہ سے مقامیوں سے بہت ممتاز تھی۔ ہر مرحلے پر اس کے پاکستانی پاسپورٹ کو حیرت سے دیکھا گیا لیکن کسی نے مذاق میں بھی معترض ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ نہایت اطمینان سے کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر گئی۔ اسے کہیں اپنا سوٹ کیس کھول کر دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

ٹکٹ اس نے اسٹیشن پہنچتے ہی خرید لیا تھا۔ ایک قلی کے ساتھ وہ اپنی نشست تک پہنچ گئی۔ وہ زنانہ ڈبا تھا جس میں اس وقت کم سواریاں تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

واپس جانے والی پاکستانی عورتوں کے ساتھ اس ڈبے میں سفر پر نکلی ہوئی بھارتی عورتیں بھی تھیں جن کے لباس اور بولیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھارت کے مختلف علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

ویرا بھارت کے اس سفر میں مسلسل انگریزی بولتی رہی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ اس نے کہیں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ اردو جانتی ہے۔ اپنی اصلیت کا راز برقرار رکھنے کے لیے اس کی وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

بوگی میں گرمی، پسینے اور عورتوں، بچوں کے ملے جلے شور و غل نے ویرا کو خاصا پریشان کیا لیکن اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس کے لیے سوٹ کیس کی حفاظت اس کی ہر تکلیف پر مقدم تھی۔ وہ بیٹھی عورتوں سے سکراہٹوں کا تبادلہ کرتی رہی یا اپنی طرف حیرت سے دیکھنے والے بچوں سے چھیڑ چھاڑ کرکے وقت گزاری کرتی رہی۔ اس کا ذہن ان مسائل میں الجھا ہوا تھا جو اس کی واپسی میں ہمیں پیش آرہے ہوں گے۔

آخر کار ٹرین میں ہل چل شروع ہوگئی۔ پلیٹ فارم پر قلیوں اور مسافروں کی نقل و حرکت میں تیزی آگئی تھی۔ بوگی میں ریلوے کے اہل کاروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کوئی ٹکٹ چیکر تھا تو کوئی بوگی کے مختلف حصوں میں بجلی کی سپلائی دیکھ رہا تھا۔

بالآخر اکرکے وہ مرحلے تمام ہوئے اور ٹرین حرکت میں آگئی۔ امرتسر کے پلیٹ فارم کو پیچھے چھوڑ کر ٹرین شہری آبادی کے درمیان سے گزرنے لگی۔ انجن سیٹیاں اور ہچکولے دیتا ہوا ٹرین کی رفتار بڑھا رہا تھا۔ پھر ٹرین آبادی سے ملحق ان میدانوں میں سے گزرنے لگی جہاں ٹریک کے دونوں طرف دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ حدِ نظر تک لہلہاتی ہوئی فصلیں، اس خطے کی زرخیزی کا کھلا اظہار تھیں۔

سفر تیزی سے جاری رہا۔ میدانوں اور چھوٹے چھوٹے دیہی اسٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ٹرین ویرا کو لحہ بہ لحہ اس سرزمین کی لکیر سے قریب لے جارہی تھی جس کے پار ویرا کو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ وہ اپنے تھے اور اپنوں میں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں ہوتا۔

نہ جانے وہ سفر کتنی دیر جاری رہا۔ ویرا کی نگاہیں کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے مناظر پر مرکوز تھیں مگر ذہن مسلسل میری اور غزالہ کی متوقع پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا۔

پھر ٹرین کی رفتار دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔ مسافروں میں اضطراب کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ ان کی باتوں سے ویرا کو پتا چلا کہ اٹاری کا ریلوے اسٹیشن آنے والا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کا آخری اسٹیشن تھا۔ ٹرین وہاں سے رینگتی ہوئی آگے بڑھتی اور واہگہ پہنچ جاتی۔ اس سے آگے لاہور تھا۔

وہ بھارت سے پاکستان جانے والوں کی ٹرین تھی۔ لوگ اپنے ساتھ جو کچھ لے جارہے تھے، خرید کرلے جارہے تھے۔ انہوں نے اپنی وہ بھاری رقمیں بھارت کے شہروں اور بازاروں میں خرچ کی تھیں۔ اٹاری پر ایک مرتبہ پھر چیکنگ کا آغاز ہوا۔ سرسری سی دیکھ بھال کے بعد بھارتی عملہ ٹرین سے اتر گیا۔ کسی افسر نے ویرا سے سوٹ کیس کھولنے کے فرمائش نہیں کی تھی۔ وہ خوش تھی کہ میری بھیجی ہوئی امانت بھارت سے بحفاظت باہر نکالنے میں تقریباً کامیاب ہوگئی تھی۔

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر ہر بوگی کے سامنے امیگریشن اور کسٹم کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ امیگریشن والے پاسپورٹوں پر بھارت سے اخراج کی مہریں لگا رہے تھے۔ کسٹم والے اپنا کام نمٹا رہے تھے۔ ان سے نمٹنے کے بعد مسافر پاکستان سے آئی ہوئی خالی ٹرین میں سوار ہورہے تھے جو انہیں لاہور پہنچادیتی۔ ویرا بھی اس پاکستانی ٹرین میں بیٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھارت کو چھوڑ کر اپنے گھر میں آگئی ہو اور جب وہ ٹرین اٹاری سے پاکستان کی طرف چلی تو ناقابلِ بیان کامیابی کے احساس سے ویرا کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

اٹاری سے واہگہ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دونوں سرحدی لکیروں کے درمیان نومینز لینڈ کی پٹی تھی۔ ٹرین نے

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو، کمر، کولہے، گردن، کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا، خوبصورت، وٹامن تندرست بنادیتی ہے۔

فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کرلیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آجائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت 365/- روپے وزن 900 گرام جو ایک ماہ کی مکمل خوراک ہے۔ ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم رشید لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

وہ فاصلہ رینگتے ہوئے طے کیا۔ اسے دور سے پاکستان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آیا۔ تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سرسبز وہلالی پرچم خود اس کے وطن کا ہو۔

درمیانی پٹی عبور کرنے کے بعد انجن نے تیز سیٹی بجائی اور ٹرین رفتار پکڑنے لگی۔ لاہور کی مضافاتی آبادیوں اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ٹرین نے کچھ دیر بعد لاہور ریلوے اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر جا کر دم لیا۔ ٹرین رکنے سے پہلے ہی قلیوں کی فوج نے ٹرین پر دھاوا بول دیا۔ ویرا پلیٹ فارم کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے بیٹھی بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتی رہی۔

کچھ دیر تک بوگی میں ہڑبونگ کا سماں رہا۔ قلیوں کے بعد عورتوں کے ساتھ سفر کرنے والے مرد بھی اندر گھس آئے۔ کوئی عجلت میں اپنا سامان سمیٹ رہا تھا' کوئی قلیوں سے مول تول کر رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر منڈلاتے ہوئے غول اس کے علاوہ تھے۔ ویرا حیران تھی کہ جب ٹرین کا سفر لاہور پر ہی ختم ہو جانا تھا تو وہ بدنظمی کیوں تھی مگر اسے زیادہ دیر تک حیران ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ جلال اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اچانک ہی اس کے سامنے آموجود ہوا۔ "ویلکم ہوم! گریٹ لیڈی۔"

"تم... تم اتنی تیزی سے مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" ویرا نے حیرت اور مسرت سے اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا اور گرم جوشی سے جلال کا ہاتھ تھام لیا۔

"اٹاری سے ہمارے انفارمر نے بتا دیا تھا کہ تم کس بوگی میں ہو۔" جلال نے آس پاس کا میدان صاف پا کر انگریزی میں سرگوشی کی "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

ویرا نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس وقت تک بوگی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ دروازے پر کچھ بھیڑ باقی رہ گئی تھی۔

جلال کے ساتھ آئے ہوئے شخص نے ویرا کا وزنی سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے تمہارے ساتھ چند جوڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس سوٹ کیس میں کیا بھرلائی ہو؟" جلال نے سوٹ کیس کو اپنی نگاہوں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

"یہ را کے گناہوں کا بوجھ ہے جسے چھپانے کے لیے مجھے بہت کچھ خریدنا پڑا۔" ویرا نے جواب دیا۔

وہ تینوں بوگی سے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ جلال نے ویرا سے پاسپورٹ لے کر اپنے آدمی کے حوالے کر دیا۔ وہ سوٹ کیس سمیت تیز تیز قدموں سے آگے ہو لیا۔

"ٹرین سے امیگریشن تک ممنوعہ علاقہ ہے جہاں عام آدمی داخل نہیں ہو سکتے۔" ویرا جلال سے کہہ رہی تھی "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ٹرین پر آجاؤ گے۔"

"یہاں بھارت سے آنے والوں کے سامان کا کھلا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے۔ تمہارے سامان کو اس مرحلے سے بچانے کے لیے میرا اندر آنا ضروری تھا۔" جلال بولا "یہ بتاؤ کہ امرتسر یا اٹاری میں تو کچھ نہیں ہوا۔ جی سی محفوظ ہے نا؟"

"وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل جس طرح مجھ تک پہنچا تھا' ابھی تک اسی حالت میں ہے۔"

ویرا اس پلیٹ فارم سے باہر نکلنے والی پہلی مسافر تھی۔ جو لوگ اس سے پہلے امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ چکے تھے وہ کسٹم کے مرحلے میں پھنسے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر مسافر اپنے سامان کے بارے میں پریشان تھا اور اس کی کوشش تھی کہ قلیوں وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسا جوڑ توڑ کر لیا جائے کہ سامان کھولنے کی نوبت نہ آئے۔ جن لوگوں کا سامان کھل گیا تھا' وہ سخت بولائے ہوئے تھے کیونکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرے اور باندھے گئے سوٹ کیسوں سے نکلا ہوا سامان دوبارہ ان میں سمانا آسان نہیں تھا۔

اسٹیشن سے باہر جلال کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ جلال کا ہمراہی ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے ویرا کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ ویرا' جلال کی طرف سے پہل کی منتظر تھی مگر وہ محتاط تھا۔ معاملہ اس قدر نازک تھا کہ وہ اپنے دونوں آدمیوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لاہور کی بارونق اور پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے ویرا کو اپنائیت کے عجیب سے احساس نے مسحور کیا ہوا تھا۔ اس نے بھارت کی سرزمین پر ہر لمحہ تلوار کی دھار پر رہ کر گزارا تھا۔ ہر وقت یہ احساس ستاتا رہا تھا کہ وہ دشمن ملک میں آئی ہوئی ہے۔ بازار اور سڑکوں وغیرہ پر کوئی سرسری طور پر اس کو دیکھ لیتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھور رہا ہو مگر لاہور پہنچنے کے بعد وہ ان تمام تفکرات سے آزاد ہو چکی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک رہائشی مکان کے پورچ میں رک گئی۔ وہ اس مکان سے مختلف تھا جہاں وہ پچھلی بار رکی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی ایک مودب ملازم ان کی پیشوائی کے لیے موجود تھا۔ وہ انہیں ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں لے گیا جہاں ائرکنڈیشنر کی خنکی رچی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

جلال نے اسے چائے لانے کی ہدایت کی۔ اس کے جاتے ہی ڈرائیور ویرا کا سوٹ کیس لے آیا۔

جلال گرین کو برا فائل دیکھنے کے لیے اتنا مضطرب تھا کہ اس نے کوئی اور بات شروع کرنے سے پہلے ویرا کو وہ فائل نکالنے کے لیے کہا۔ ویرا نے سوٹ کیس کے مقفل کھول کر نیچے کپڑوں کے نیچے دبا ہوا گیارہ فائلوں کا تھیلا جوں کا توں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

جلال نے بے تابی سے شاپنگ بیگ میں سے غلاف کا تھیلا اور تھیلے میں سے فائلوں کا بنڈل نکال لیا۔ اس نے.... سرسری طور پر اوپر کی فائلوں پر نگاہ ڈالی اور درمیان میں سے گرین کو برا فائل برآمد ہوتے ہی اس کی آنکھیں کامیابی اور مسرت کے احساس سے دمک اٹھیں۔

ویرا کی طرح جلال کے لیے بھی ہر تحریر اجنبی تھی جسے آئی بی والوں نے اپنے طور پر گومز کا نام دیا ہوا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ نہ صرف گرین کو برا فائل ہاتھ آگئی تھی بلکہ مزید دس اہم فائلیں بھی اڑالی گئی تھیں۔

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" جلال نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں ویرا سے کہا "یہ ریکارڈ ہمارے ہاتھ آنے سے دور رس نتائج حاصل ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف بھارتیوں کی ہر منصوبہ بندی کی کچھ نہ کچھ تفصیلات ان فائلوں میں موجود ہوں۔ اٹامک انرجی کمیشن اور بجلی گھروں والی فائلیں میں نے پہچان لی ہیں بقیہ سات فائلیں میرے لیے ناقابل فہم ہیں۔ ان پر ہمارے ماہرین روشنی ڈال سکیں گے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔" ویرا ہنس کر بولی "میں نے امرتسر سے یہاں تک صرف قاصد کا کام کیا ہے۔ مجھے یہ بنڈل تمہارے عابد علی نامی ایجنٹ نے پہنچایا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ دہلی میں را کے ایک دفتر کو آگ لگا دی گئی ہے۔"

"تو کیا تم دہلی میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر ہو!" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کل رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے روانہ ہوئی تو بظاہر سب کچھ نارمل تھا مگر ڈپٹی کو حالات بگڑتے نظر آرہے تھے۔ اسی نے مجھے جلد از جلد دہلی سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔ امرتسر میں آج عابد نے دو باتیں بتائی تھیں۔ اس آگ میں ان کا کوئی سینئر کمانڈو بھی مرا ہے۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے لیکن اسلام آباد میں دوسرے ذرائع سے خبریں آتی رہتی ہیں۔ شاید اب ڈپٹی پوری طاقت سے میدان میں کود پڑا ہے۔ وہ آگ پاکستانی ونگ میں لگی تھی۔ اس نے فائلیں اڑانے کے بعد ان کے دفتر ہی کو نذرِ آتش کر دیا تاکہ اصل واردات کا علم نہ ہو سکے۔"

"کیا یہ تمہارے آدمیوں کا کام نہیں ہو سکتا؟ تم ڈپٹی کا نام بہت یقین سے لے رہے ہو۔" ویرا نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنا دامن بچا کر مدافعانہ انداز میں کام کرتے ہیں۔ انہیں کئی مہینوں سے گرین کو برا ٹاسک ملا ہوا تھا۔ وہ ایسی جارحانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جلال نے پر یقین لہجے میں کہا "یہ سو فیصد ڈپٹی کی کارروائی ہے۔ اس کے دماغ میں لاوا پک رہا ہوگا اسی لیے اس نے تمہیں بروقت دہلی سے روانہ کر دیا۔ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد اس نے عقل مندی کی کہ یہ فائلیں اپنے پاس نہیں روکیں۔ تمہاری روانگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں بھیج دیں۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ آخری لمحے تک کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

جلال نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ آخری لمحات پر تیزی سے فیصلہ کرتا ہے اور اس پر عمل کر گزرتا ہے۔ تمہارے لیے سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ کل رات ہی جان اسمتھ کو سمراٹ ہوٹل کے ایک کمرے میں مار دیا گیا۔"

ویرا حیرت سے چونک کر صوفے سے اچھل پڑی۔ جان اسمتھ سے شاید اسے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "اس کے قتل میں میرا بھی کچھ حصہ تھا مگر وہ کارنامہ اصل میں غزالہ نے سرانجام دیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں رہتے ہوئے ہر بات سے باخبر ہو۔"

"اس کی لاش آج سہ پہر دریافت ہوئی ہے۔ وہ بھارت

فائدہ

جعفر صاحب نے اپنی بیگم سے مشورہ طلب انداز میں پوچھا "اگر ہم وجاہت کو سائیکل لے دیں تو تمہارے خیال میں اس کی شرارتیں کم ہو جائیں گی؟"

"یقیناً" بیگم جعفر نے جواب دیا "کیونکہ پھر وہ زیادہ بڑے رقبے پر پھیل جائیں گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں بہت کسمپرسی کے عالم میں مارا گیا ہے۔" ویرا کا انکشاف سن کر جلال کا جوش ٹھنڈا ہو گیا "وہ ہمارے راستے کا ایک بھاری پتھر تھا جسے یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس کی قضا اسے کراچی سے دہلی کیسے لے گئی۔"

چائے نوشی کے دوران بھی وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا نے اسے انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔ جلال کا خیال تھا کہ ہم لوگوں نے بہت تیزی کے ساتھ دہلی میں یادگار کارنامے انجام دیے تھے۔ ایک اٹل بسواس کا کام اور تمام ہو جاتا تو پاکستان میں ایک لمبے عرصے کے لیے سکون ہو جاتا کیونکہ بھارتی سازشوں کے پیچھے اسی کا دماغ کام کرتا تھا اور گرین کو برا فائل بھی اسی کی تخلیق تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پچھلی رات دہلی کے حکمرانوں پر بہت بھاری گزری ہے۔" ویرا اس سے تبادلہ خیال کر کے بہت مسرور تھی۔

"یہ ڈینی کے لیے بھی آزاد وقت ہے۔ ہمیں اس کے لیے دعا گو رہنا چاہیے۔" جلال نے پُرتشویش لہجے میں کہا "وہ ہمارے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے پورا کر کے دم لیتا ہے۔ بھارت سے اس کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بے چین ہو گئی "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ ڈینی اور غزالہ کا کیا حال ہے۔ میں ان سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" جلال اس کا ارادہ بھانپ کر بوکھلا گیا "ان کے لیے یہ دو تین دن بہت ہولناک ہیں۔ میرے آدمی بھی دور ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت کسی کی ذرا سی لغزش ان کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔ ویسے بھی ڈینی ہوٹل میں نہیں ہے۔ را والے اسے لے گئے ہیں۔" جلال نے نہ چاہتے ہوئے بھی آخری فقرہ کہہ ڈالا۔

وہ بری خبر سن کر ویرا دہل گئی۔ سفاکی اور بربریت میں را والوں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ویرا اندر کے پیچ و خم سے ناواقف تھی اس لیے اس کا پریشان ہونا فطری تھا۔ جلال نے اسے سمجھایا بجھایا اور تسلی دے کر چلا گیا۔ اسے را کی فائلوں کو فوری طور پر اسلام آباد روانہ کرنا تھا تاکہ ان پر کام شروع ہو سکے۔

ویرا کو جہاں ٹھہرایا گیا وہ چار کمروں والا ایک مہمان خانہ تھا۔ ان کمروں کے ساتھ ڈرائنگ روم، کھانے کا کمرا اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں بند رہی۔ میرے بارے میں جلال سے تشویش ناک خبر سننے کے بعد اس کا دل بجھ گیا تھا۔

جلال نے ویرا کے بارے میں مہمان خانے کے عملے کو خاص ہدایات دے دی تھیں۔ ویرا کی فرمائش پر ایک خدمت گار نے بہت نفاست سے کمرے کی چھوٹی میز پر مے نوشی کے لوازم سجا دیے۔ ویرا نے اسے بتا دیا کہ وہ نو بجے کمرے میں ہی کھانا کھائے گی۔

ویرا امرتسر سے بہت ہلکے دل کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ اس کے ذہن پر صرف ایک فکر تھی کہ عابد کی لائی ہوئی فائلیں پوری احتیاط کے ساتھ لاہور پہنچ جائیں۔ اس نے اپنی وہ ذمے داری اچھی طرح پوری کر لی تھی لیکن لاہور پہنچنے کے بعد وہ میرے بارے میں یکایک بہت زیادہ فکر مند ہو گئی تھی۔

رات گئے اسے فون پر جلال کی طرف سے فون پر اچھی خبر بھی مل گئی کہ راداؤں نے چند گھنٹوں کے بعد مجھے رہا کر دیا تھا۔ میری چال ڈھال اور چہرے مہرے سے تشدد کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ دہلی میں گڑبڑ اور خفیہ اداروں کی حد سے بڑھی ہوئی غیر معمولی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے وہ خبر تاخیر سے ملی تھی۔

ویرا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے سر پر آئی ہوئی مصیبت ٹل گئی تھی۔ وہ اپنی رات سکون سے گزار سکتی تھی۔

جلال بہت مصروف آدمی تھا۔ اگلے روز وہ ویرا کی طرف نہیں آ سکا لیکن شام میں اس نے فون پر ویرا سے تفصیلی گفتگو کر کے ویرا کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔ میرے بارے میں اس کے پاس کوئی نئی خبر نہیں تھی کیونکہ میں ہوٹل کے کمرے میں بند تھا۔ اس کے آدمی بھی دہلی میں یکایک زیر زمین چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سارے مقامی رابطے ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی جو وہاں کے پُرخطر حالات میں ضروری تھی۔

ویرا کے دماغ میں جلال کی یہ بات جم گئی تھی کہ میرے اور غزالہ کے لیے دو تین دن بہت خطرناک تھے۔ دوسرا دن ختم ہونے والا تھا۔ اسے امید تھی کہ اگلا دن بھی خیریت سے گزر جائے گا اور وہ مجھ سے براہِ راست رابطہ کر کے مجھ سے میری واپسی کے بارے میں بات کر سکے گی۔ اس نے کراچی فون کر کے اول خان اور سلطان شاہ کی خیریت معلوم کر لی لیکن ان دونوں سے بات نہ ہو سکی۔

اسے یا جلال کو شاید یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لیے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کی ریڈیائی

Downloaded from https://paksociety.com

آوازوں کو پکڑنے والی گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ ان کے حرکت میں آنے کی وجہ سے دہلی کے باہمی رابطے ٹوٹ گئے تھے۔

دہلی کے واقعات کے بارے میں کراچی کے اخبارات میں جو کچھ شائع ہو رہا تھا۔ وہ ظاہری خبروں پر مبنی تھا۔ بھارتی حکام کی سخت گیری اور رازداری کی وجہ سے اخباری قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔ ان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے دہلی کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہو اور ہر طرف نامعلوم دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوں جنہیں بھارتی حکام پاکستانی ایجنٹ قرار دے کر اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اس نے لاہور میں اپنی دوسری رات جیسے تیسے بسر کرلی۔ جلال نے اسے دہلی سے آئی ہوئی فائلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور ایک ملاقات کے بعد سے مسلسل غائب تھا۔ اس کی یہ بات ویرا کو یاد تھی کہ میرے لیے دو تین دن اہم تھے۔ اس کی دانست میں دو دن گزر چکے تھے۔ وہ تیسرے دن کا آغاز تھا جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس کے کمرے میں موجود فون براہ راست تھا۔ وہ اس سے اندرونی اور بیرونی' ہر کال ملا سکتی تھی۔ پہلے اس نے میرے ہوٹل کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا پھر اسے اول خان کا خیال آگیا۔ اس بارے میں وہ کوئی بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔

اول خان اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے خود ہی ویرا کی کال وصول کی اور اس کی آواز سن کر خوش ہو گیا "واپسی مبارک ہو۔ کل مجھے پتا چل گیا تھا کہ تمہارا فون آیا تھا مگر تم نے اپنا نمبر نہیں چھوڑا۔ میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ ڈینی اور غزالہ کے بارے میں مجھے سخت تشویش ہے۔"

"مجھے بھی یہی پریشانی ہے۔ ان دونوں نے مجھے وہاں سے نکال دیا اور خود بری طرح پھنس گئے ہیں۔" ویرا نے فون پر کہا "میں ڈینی کو فون کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"تم لاہور میں ہو۔ دہلی میں را پر مصیبت ٹوٹ چکی ہے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ گرین کوبرا فائل بھی اسلام آباد پہنچ چکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ تم لوگوں نے دہلی سے اسلام آباد تک کھلبلی مچا دی ہے۔ ہر محکمہ فعال اور متحرک ہو گیا ہے۔"

ویرا نے اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس میں اتنی سی تصحیح کرلو کہ ابھی تک میرا کردار بہت معمولی قاصد کا رہا ہے۔ شاید ڈینی کا دماغ الٹ گیا ہے۔ وہ انجام سے بے پروا ہو کر بڑے بڑے قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔ اسے دھیرے دھیرے کام کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک وقت میں کئی محاذ کھول لیے ہیں۔ کسی بھی لمحے وہ دلدل میں پھنس جائے گا۔ اب اسے ہر قیمت پر واپس لوٹ آنا چاہیے۔ ورنہ وہ ان درندوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"میں اسے فون کر کے یہی باتیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے تحمل سے کہا "تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"اس کے پاس سی ایس ڈی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی پرتشویش آواز آئی "موجودہ حالات میں اس سے رابطہ نقصان دہ بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ رسک لینا پڑے گا۔ وہاں سے کئی بڑی خبریں آچکی ہیں لیکن انل کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈینی اب اس کی گھات میں لگ گیا ہو۔ یہاں سے وہ اسی کی ذات کو اپنا مشن بنا کر روانہ ہوا تھا۔"

"میں ایک محتاط کوشش کیے لیتی ہوں۔ فضا صاف نہ ہوئی تو وہ خود فون بند کردے گا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہماری نیت صاف ہے۔ تم پورے خلوص سے اللہ کا نام لے کر یہ کام کر ڈالو۔ میں نتیجے کا منتظر رہوں گا۔"

"سلطان شاہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" ویرا نے اپنی پہلی بات مکمل کرنے کے بعد جلدی سے پوچھا۔

"وہ کراچی میں را کے مخبر کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے غائب ہو گیا تھا۔ میرے آدمی اگلے دن اسے تلاش کر کے مشکل سے واپس لائے تھے۔ اب اسے اپنی

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

حماقت کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ اسٹیشن فور پر رہ رہا ہے۔" اول خان نے ایک سانس میں پوری تفصیل بتا ڈالی۔

"اس چوزے کو میری طرف سے دعا کہہ دینا۔" ویرا نے فون بند کر دیا۔

اس کے پاس جلال کا کوئی پتا یا ٹھکانا نہیں تھا۔ اول خان نے اسے دہلی فون کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر بھی وہ اپنی کوشش کے انتہائی منفی مضمرات پر غور کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور گھنٹی بجا کر اپنے لیے کافی طلب کر لی۔

سگریٹ ختم ہونے تک ویرا مجھے فون کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر دہلی میں میرے ہوٹل کا نمبر ملایا۔

سلسلہ ملنے پر ہوٹل کی آپریٹر لائن پر آ گئی۔ مخصوص گھنٹی نے اسے ہوشیار کر دیا کہ وہ بیرونِ ملک سے کال تھی۔

"میں فرانس سے میری بول رہی ہوں۔ مظہر خان سے بات کرا دو!" ویرا نے شستہ انگریزی میں کہا۔ آپریٹر نے اسے ہولڈ پر منتقل کیا۔ ویرا کے کان میں مترنم موسیقی گونجنے لگی۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میری آواز سننے کی منتظر تھی۔

○☆○

اچانک فرانس سے میری نامی کسی خاتون کے فون کے بارے میں اطلاع ملتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سمجھ میں نہیں آسکا کہ یکایک فرانس میں میری کون سی خیر خواہ پیدا ہو گئی تھی۔ صبح کے چار بجے نرلیش کے فون نے میری طبیعت مکدر کی تھی اور اس وقت وہ خاتون لائن پر موجود تھی۔

میں نے باادل ناخواستہ آپریٹر سے لائن ملانے کے لیے کہہ دیا۔ کال ملنے پر جوں ہی میں نے انگریزی لب و لہجے میں ویرا کی آواز سنی' میں مزید بوکھلا گیا۔ میں نے سرعت سے سی ایس ڈی آن کی اور ماؤتھ پیس میں غرایا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے مجھے؟"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ موسم بہت خراب ہے۔ جلد از جلد واپسی کی فکر کرو۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہتی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" میں نے بدستور انگریزی میں کہا "میں اپنے برے بھلے کو خود بہتر..."

میں نے اس کی قطع کلامی کی تھی اور میرے الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز کے ساتھ لائن اچانک بے جان ہو گئی تھی۔

ابتدائی طور پر میں سناٹے میں آ گیا۔ ویرا نے مجھے فون کر کے فاش غلطی کی تھی۔ نرلیش نے کھل کر مجھ پر اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا۔ یقینی طور پر اس کے کسی آدمی کی طرف سے میری گفتگو سننے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

"کون تھا... کس کا فون تھا؟" بزر کی آواز پر غزالہ نے چونک کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ سی ایس ڈی کی کارکردگی اور اس کے بزر کے بولنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

"این نے ہوشیار بننے کی کوشش کی تھی۔ اب دیکھو کون سی نئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور پھرتی سے سی ایس ڈی کو فون لائن سے الگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے نرلیش کا کوئی آدمی اچانک کمرے کے دروازے پر آ جائے گا۔

میں نے سی ایس ڈی کو محض اس خیال سے لائن سے منسلک چھوڑ دیا تھا کہ گوپال' سنیل یا ولی رام میں سے کوئی مطلع صاف پا کر فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرے تو مجھے اس سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ جب تک آرک کی عفریت نما گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر گشت کر رہی تھیں' ان میں سے کوئی اپریٹس استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ویرا پاکستان سے مجھے فون کر ڈالے گی۔

"وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میری زبان سے ویرا کا مفروضہ نام سن کر غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔

"تشویش زدہ لہجے میں مجھے جلد واپسی کا مشورہ دے رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا "سمجھتی ہے کہ میں نادان ہوں جو یہاں رکا ہوا ہوں۔"

"یہ بہت برا ہوا۔ آپریٹر ضرور چونکی ہو گی کہ آپ کے لیے پاکستان سے فون کیوں آیا ہے۔" غزالہ مضطرب ہو گئی۔

"یہ غنیمت ہوا کہ اس نے پاکستان کے بجائے فرانس کا نام لیا۔ اپنا نام بھی این کی جگہ میری بتایا۔ پھر بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نرلیش نے رات کو جھلا کر دوبارہ ہماری نگرانی شروع کرا دی ہے۔" میں نے سی ایس ڈی سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں ڈال دی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ آپریٹر کی حرکت ہو۔ اسے معلوم ہے کہ منہ اندھیرے را کے ایک اعلیٰ افسر نے آپ کو فون کیا تھا..."

"رات والی آپریٹر جا چکی ہے۔ اس وقت کوئی اور لڑکی ڈیوٹی پر ہے۔" میں نے غزالہ کی بات درمیان سے اڑا دی۔

"اس طبقے میں سرگوشیوں کا مرض عام ہے۔ جانے والی

Downloaded from https://paksociety.com

نے رات کا قصہ سب کو سنا دیا ہوگا۔ آٹھ گھنٹے تک جم کر ڈیوٹی دینے والیوں کے لیے دو سروں کی سن گن لینا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ ایک پاکستانی مرد اور سفید فام عورت کی گفتگو آپریٹر کے لیے پرکشش ہوسکتی ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غزالہ کی بات میں وزن ضرور تھا مگر ویرا کے فون نے مجھے فکرمند کردیا تھا۔

اپنی تشویش اور فکرمندی پر غالب آنے کے لیے میں نے تازہ اخبار اٹھالیا۔ اس روز ذہنی پراگندگی کی وجہ سے میں اخبار پر نظر بھی نہیں ڈال سکا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر دو روز پہلے رونما ہونے والے واقعات کی نمایاں بازگشت موجود تھی۔ دہلی میں ہر طرف تلاطم کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔ بھارتی حکام کی طرف سے پاکستانی دہشت گردوں پر الزام تراشی کے نتیجے میں شہری حلقوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تھا۔ ایک مخالف سیاسی رہنما نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ دہلی کے حکمراں شہر کو پاکستانی دہشت گردوں کے حوالے کرکے خود عیش کررہے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے مسلح نگہبان مامور تھے اور دل بہلانے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں تربیت پانے والی لڑکیوں کی کھیپ موجود تھی۔ وہ انتہائی شرمناک صورت حال تھی جس سے اصل حکمراں غافل تھے۔

ایک اور نمایاں خبر چونکا دینے والی تھی۔ آرک کی گاڑیوں کے گشت کے نتیجے میں دہلی کے مختلف علاقوں سے تین مشتبہ افراد پکڑے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جو جامع مسجد سے ملحقہ آبادی میں اپنے وائرلیس ٹرانسمیٹر پر کسی سے گفتگو کررہا تھا۔ آرک والوں نے دوران گفتگو ہی اسے دھرلیا تھا۔ بقیہ دو افراد اس کی نشان دہی پر پکڑے گئے تھے اور وہ دونوں مقامی تھے۔

اصل ملزم بھی مقامی ہونے کا دعوے دار تھا لیکن حکام کو اس کے بیان پر شبہ تھا۔ اس کی اصل شہریت کے بارے میں کڑی چھان بین شروع کردی گئی تھی۔

اس وقت صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ دہلی میں بڑے پیمانے پر کارروائیوں کو آغاز ہوچکا تھا لیکن ہر افسر اور ایجنسی کو مجرموں کے اس بے نام و نشان گروہ کی تلاش تھی جو شہر میں خوف و ہراس پھیلا رہا تھا۔ دو دن گزر جانے کے باوجود کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کسی بڑے گروہ کا کام نہیں تھا۔ وہ غلط سمت میں کام کررہے تھے اس وجہ سے میری اور آئی بی کے آدمیوں کی جان بچی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نریش شرما کی سازشانہ کا نتیجہ تھا۔ اس نے کسی دلیل اور ثبوت کے بجائے مجھ کو محض اس وجہ سے رگڑنا ضروری سمجھا تھا کہ میں آتش زنی سے چند گھنٹے قبل اس کے دفتر میں موجود تھا۔

بیلا سنگھ والے قصے کا ان معاملات سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے راکا پکا مخبر بنانے کی کوششوں کا ایک حصہ تھا۔

مجھے یوں نظر آرہا تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، دہلی کے کچھ مقامی لوگ اس چکی میں ضرور پس جائیں گے۔ آرک والوں کے ہاتھ لگنے والے تین افراد بھی اسی قبیل کے معلوم ہوتے تھے۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے ان کا دور پار کا بھی تعلق نہیں تھا لیکن وہ حالات کے بھنور میں پھنس چکے تھے۔ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں والے اپنے بہیمانہ تشدد کے ذریعے ان سے من مانے جرائم کا اعتراف کرانے پر قادر تھے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ پکڑے جانے والے تین افراد میں سے ایک کے پاس سے ٹرانسمیٹر... برآمد ہونے کی کہانی سنائی گئی تھی۔ اگر اس میں ذرا بھی صداقت تھی تو امکان یہی تھا کہ وہ پاکستان کی کسی خفیہ سروس کا آدمی ہوگا۔ جو آئی بی والوں سے رابطے میں نہ ہونے کی وجہ سے آرک کی گاڑیوں کی یلغار سے واقف نہ ہوسکا۔ شہر کے نازک حالات کے بارے میں اپنے لاسلکی آلے پر کسی سے بات کرتا رہا، کسی گشتی گاڑی کے حساس ترین آلات پر اس کی باتیں سنی گئیں اور پھر ریڈیائی اخراج کے سمت نما کی مدد سے اسے پکڑ لیا گیا۔ وہ خطرات سے ذرا بھی زیادہ باخبر ہوتا تو طویل گفتگو کرنے کے بجائے ضروری اور مختصر ترین پیغامات کا تبادلہ کرکے، تیزی سے اپنی جگہ بدل لیتا۔ آرک والے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے باوجود اس کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

پکڑا جانے والا کون تھا۔ اس سوال کا جواب مجھے صرف آئی بی والے فراہم کرسکتے تھے جن سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔

گیارہ بجے ایک مرتبہ پھر نریش کا فون آگیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے خشک لہجے میں حکم دیا "تم دونوں تیاری کرلو۔ بارہ بجے رینا آرہی ہے۔ اس کے ساتھ تم دونوں کو ایک خاص مقام پر پہنچنا ہے۔"

"تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔" میں نے اس کے لہجے کی رکھائی محسوس کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا "چاہو تو مجھے زندگی سے بیزار کرسکتے ہو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ بیلا کے معاملے میں جو کچھ ہوا، اس میں بدنیتی کے بجائے غلط فہمی کا دخل تھا۔ مجھے معاف کردو!"

"وہ قصہ یاد دلا کر مجھے طیش نہ دلاؤ جو کہا جارہا ہے اس پر

Downloaded from https://paksociety.com

ی کرو۔" اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا' اس نے رسا جواب دے کر فون بند کردیا۔

"اب شاید کوئی نیا چکر شروع ہونے والا ہے۔" غزالہ نے نریش کے نادر شاہی حکم کے بارے میں سن کر کہا "نریش دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اب تو اس نے اپنا کام کو سونپا ہے۔ آپ کو کچھ پتا کروہ اپنے پیروں پر کلہاڑی ں مارے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت ہم بے بس ہیں۔ ہمیں اس ر حکم ماننا پڑے گا۔"

ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے اور پھر چند گھنٹوں بعد آنے کے بارے میں نریش نے ہم دونوں سے یکے بعد دے پوچھ گچھ کرکے ایک بڑی غلطی کی تھی۔ میرے اور ے کے بیان میں کہیں کوئی تضاد نہیں رہا تھا۔ مجھے شبہ یا تھا کہ نریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ کسی نئی باز کے لیے اس نے ہم دونوں کو ایک ساتھ طلب کیا تھا۔ ں سے بیک وقت لیکن الگ الگ لے جاکر سوالات کیے تے اور جوابوں کا موازنہ کرکے نریش اپنا آخری فیصلہ ر کردیتا۔

میں اپنے ذہن پر زور دیتا رہا کہ ایسا کون سا نکتہ تھا۔ پر ہم دونوں تضاد بیانی کے جال میں پھنس سکتے تھے لیکن ایسی کوئی بات یاد نہیں آسکی۔ غزالہ ہر راز میں میری ی شریک تھی۔ صرف ایک بات اس کے علم میں نہیں کہ را والوں نے میری اور رینا کی ویڈیو تیار کرلی تھی جسے نے آئی بی والوں کے ساتھ مل کر خاموشی سے نذر آتش یا تھا۔ وہ ایسی بات تھی جس کی بنا پر نریش میری گرفت ں کرسکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں غزالہ سے بھی مشورہ کرلیا۔ چاہتا تھا کہ کوئی بات رہ گئی ہو تو اس پر ہم رینا کی آمد سے ایک دوسرے کو بریف کرلیں تاکہ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو غزالہ بھی کسی مبہم نکتے کی نشان دہی سے قاصر رہی۔

کچھ دیر بعد غزالہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی "میں دس یں واپس آتی ہوں۔"

"کہاں جارہی ہو؟" میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"اپنے کمرے کی خیر خبر لے کر آتی ہوں۔" اس نے ہنس "کل شام سے میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم بلا وجہ اس کمرے کا کرایہ ادا رہے ہیں۔ اب ہر بات کھل چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ی کمرے میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اب دوسرے ے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسے واپس کردینا

ایک نوجوان نے جذبات کی ترنگ میں آکر اپنی دوست سے کہا "میں ابھی اور اسی وقت تمہارے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکتا ہوں۔"

"خبردار..... جو تم نے ایسا کیا..... میں تھپڑ کھینچ ماروں گی" لڑکی بگڑ کر بولی۔

چاہیے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے چلنے دیں۔" غزالہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی "اب رینا آپ کی انفارمر ہے۔ وہ آتی ہے تو میں اطمینان سے اس کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ وہ کمرا چھوڑ دیا تو مجھے اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار روز میں ہم دونوں کمرے چھوڑنے کے قابل ہوسکیں۔"

"نریش نے صاف کہہ دیا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر ہم دہلی سے نکلے تو کہیں بھی پکڑے جائیں گے۔"

"کیوں نہ ہم کسی پرواز سے لاہور یا کراچی نکل جائیں۔ ہمارے سفری کاغذات مکمل ہیں۔"

"یہ دوست ملکوں کے شہریوں کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ ہمارے پاسپورٹوں پر اناری سے داخلے کی مہریں ہیں۔ اسی راستے سے واپس جانا ہوگا۔ ہوائی سفر کے لیے خاص اجازت لینے کی ضرورت ہوگی۔" غزالہ کو جواب دیتے ہوئے میرا ذہن پاکستان واپسی کے تیسرے راستے کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔

"پھر مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی "ہمیں اپنی تقدیر پر شاکر رہنا ہوگا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ رینا کے ساتھ مجھے چند منٹ کے تخلیے کی ضرورت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس سے کوئی کارآمد بات اگلوا سکوں۔" میں نے آواز لگائی۔

"آپ فکر نہ کریں؟" اس نے مڑ کر جواب دیا "میں تیار ہونے کے بہانے دوبارہ چلی جاؤں گی۔"

میں نے نریش شرما کی نئی ہدایات میں پوشیدہ خطرات کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مجھے اچانک تین ضروری اشیا یاد آگئیں۔ عابد عرف گوپال سے ملا ہوا اپریٹس' بیم گن اور سی ایس ڈی۔ وہ تینوں چیزیں ہم کسی کمرے میں نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد راوالے دوبارہ کمروں کی تلاشی لینے کا ارادہ کرلیتے تو ہم اپنی تحویل میں موجود ان چیزوں کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواز پیش کرنے سے قاصر رہتے۔

اہل رینا سے ملاقات کے وقت میری عامہ تلاشی

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ بتادیا گیا تھا کہ مجھے لانے والی کار میں اسلحے کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔ وہ آلہ بیم گن کو ضرور پکڑلیتا۔ اس سے واسطہ نہ پڑتا تو کسی منزل پر جامہ تلاشی کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی میں ایک مرتبہ پھر آئی بی والوں میں سے کسی کی مدد طلب کرتا اور وہ تینوں چیزیں ان کے حوالے کرکے مطمئن ہوجاتا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ رینا کسی وقت بھی آسکتی تھی۔ بیلا سنگھ والے قصے میں اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مخلص تھی لیکن میں غیر ضروری طور پر اسے اپنے کسی راز میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ فون سے سی ایس ڈی منسلک کرکے سرلا کے نمبر پر فون کرنا اور پھر اس آلے کو واپس نکالنا چند لمحوں کا کام نہیں تھا۔ دوسری طرف شہر میں منڈلاتی ہوئی آرک کی گاڑیوں کی موجودگی میں اپریٹس استعمال کرنا ناممکن تھا۔ میں مخمصے میں پڑ گیا۔

میں اسی فکر میں غلطاں وپیچاں تھا کہ اچانک ٹرانسمیٹر پر کال سگنل آنے لگا اور میرا دل بلّیوں اچھل پڑا۔

وہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی طلب صادق کا کمال تھا کہ ٹوٹا ہوا رابطہ اچانک بحال ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور اپریٹس اٹھاکر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت جی ٹو یعنی عابد لائن پر تھا۔ جوں ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی، وہ کھل اٹھا۔

"تمہاری احتیاط رائگاں نہیں گئی۔ پچھلی رات گئے، آرک کی گاڑیاں واپس بلالی گئیں۔ میں نے آج اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اس کی بات پوری ہوجانے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"تم سے کافی قریب ہوں۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ تمہارے ہوٹل میں ان کا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے ساتھ کیا چکر چلایا جارہا ہے۔ باہر کوئی آدمی نہیں ہے لیکن ایک بڑا ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے" اس کی احتیاط کے مدِّنظر میں نے بھی را کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "ہوسکے تو جلد از جلد دوسرے کمرے پر آجاؤ۔"

"اس وقت یہ خطرہ مول نہ لیا جائے تو بہتر ہوگا" اس کی آواز سے ہچکچاہٹ مترشح تھی۔

"یہ ناگزیر ہے۔ بارہ بجے ایک روح نازل ہونے والی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں پرانی تھیلی تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

بات اشاروں کنایوں میں ہورہی تھی لیکن عابد میرا مفہوم پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا "میں دوسرے کمرے میں پہنچ رہا ہوں۔ تھیلی تیار رکھو۔"

میں نے اپریٹس آف کیا۔ دراز سے ایک موٹی تھیلی نکالی۔ بقیہ دونوں اشیا بھی قریب ہی موجود تھیں۔ میں نے انہیں یک جا کرکے غزالہ کے نمبر پر انٹرکام کیا۔ ادھر سے جواب ملتے ہی میں نے اسے اپنے کمرے میں واپس بلالیا۔

وہ آئی تو میں نے دروازے پر ہی وہ تھیلی اسے تھمادی "اس میں پرانا سامان ہے۔ گوپال تمہارے دروازے پر آرہا ہے، اسے دے دینا۔"

غزالہ تھیلی لے کر الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ ذہین تھی، میری بات فوراً سمجھ گئی۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ پتا نہیں عابد کہاں تھا کہ غزالہ دس منٹ بعد اپنا بوجھ ہلکا کرکے واپس آگئی۔

"آپ نے دور کی بات سوچی۔ مجھے ان چیزوں کا خیال بھی نہیں رہا تھا" اس نے آتے ہی کہا پھر حیرت سے پوچھا "گوپال چراغ کے جن کی طرح اچانک کہاں سے نکل آیا؟ اس سے تو آپ کا ہر رابطہ ختم ہوچکا تھا۔"

غزالہ اس کی آمد کی تفصیل سن کر خوش ہوگئی۔ اس کی دانست میں وہ ایک اچھا شگون تھا۔

ہم دونوں بیٹھے پوری شدومد سے حالات وواقعات پر باتیں کررہے تھے کہ غزالہ چونک کر بولی "کل رات آپ کی جیب میں ایک پھولا ہوا لفافہ موجود تھا۔ اس میں کچھ ایسے کاغذات تو نہیں ہیں جو آپ کے لیے دشواری کا باعث بن جائیں۔"

"تم نے خوب یاد دلایا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "عورتوں میں اپنے شوہروں کی جیبیں ٹٹولنے کی جو عادت پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی سودمند بھی ثابت ہوتی ہے۔ میں اپنی پہلی تنخواہ کے اس لفافے کو بالکل بھول گیا تھا۔"

"پہلی تنخواہ کا لفافہ!" وہ متعجب ہوکر بولی "میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔"

"نریش نے بیلا سنگھ کی آمد سے پہلے مجھے پچیس ہزار روپے کا وہ لفافہ دیا تھا۔ یہ را کی طرف سے میری پیشگی تنخواہ ہے۔ اس لفافے میں رقم سے زیادہ اہم وہ کاغذ ہے جس پر کراچی کا ایک فون نمبر اور دوسرا فیکس نمبر لکھا ہوا ہے..."

"وہ آپ کو رابطے کے لیے دیے گئے ہوں گے" غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

نے ایک بار پھر اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

"فیکس نمبر پر مجھے رپورٹیں بھیجنی ہیں۔ فون نمبر انتہائی ایمرجنسی کے لیے ہے۔ جلال کے لیے دونوں نمبر دلچسپ ثابت ہوں گے۔"

"ہم دلی میں ہیں مگر ہنوز دلی دور است والی مثال کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ لوٹیں گے تو جلال یا کسی اور سے ملاقات ہوگی۔"

"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری واپسی کا مرحلہ قریب آنے والا ہے۔"

"کیا آپ نے اس کام سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کے لیے پرسوں دہلی میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کام میرے سر پر سوار ہے۔ کام کیسے ہوگا؟ یہ مجھے معلوم نہیں مگر میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہم آخری کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"واقعات اچانک اور تیزی سے رونما ہو رہے ہیں۔ رینا اور ناگر کے ذریعے آپ کی طلبی ہوئی تھی تو میں کھڑی گھڑی کی خیر مانگ رہی تھی۔ اس وقت یہ سوچنا ممکن نہیں تھا کہ اس طلبی کے نتیجے میں آپ کو وہ زبردست کامیابیاں حاصل ہوں گی مگر اس رات یکایک نقشہ پلٹ گیا۔"

"وہ کمال کی رات تھی۔ کاش! ایک بار پھر ویسی ہی خوش نصیبی ساتھ دے جائے۔ ہر قصہ نمٹ جائے گا۔"

غزالہ نے رینا کے استقبال کے لیے میرے کمرے میں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے بتادیا کہ وہ رینا کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے سامنا ہونے پر زبان سے غیر ارادی طور پر کوئی تلخ بات نکل گئی تو فضا ابتدا سے ہی کشیدہ ہوجائے گی۔

مجھے رینا سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ میں نے غزالہ کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔

"مجھے رہ رہ کر این کا خیال آرہا تھا۔ پتا نہیں اس بے چاری نے کیا سوچ کر آپ کو فون کیا ہوگا" غزالہ نے پھر مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلادی۔

"میں خود حیران ہوں۔ میں اس سے مختصر سی گفتگو ضرور کرتا مگر سی ایس ڈی نے لائن بند کردی۔ پتا نہیں کس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی تھی" میرے ذہن میں ایک نئی خلش تازہ ہوگئی۔ "این سوچ رہی ہوگی کہ میں نے غصے میں فون کردیا۔"

"وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے۔ آپ اپنی بات پوری کرکے فون بند کرتے۔ لائن اچانک ڈراپ ہوئی تھی۔ آپ کا فقرہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کسی نے درمیان میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے" غزالہ نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے وضاحت سے جواب دیا۔

"اگر وہ آپریٹر کی شرارت تھی تو ناقابلِ معافی ہے مگر میں کچھ کر نہیں سکتا۔"

"وہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو نریش ضرور اس ادھوری کال کا ذکر کرتا" غزالہ بولی "اس نے این کے بعد آپ سے بات کی تھی۔"

میرے ذہن میں ایک نئے خدشے نے سر ابھارا "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری طلبی اسی ادھوری گفتگو کے بارے میں ہو۔ اس نے علیحدگی میں تم سے اس بارے میں پوچھا تو تم اسے کیا بتاؤ گی؟ میری کون ہے اور اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"

اس کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی اور وہ بوکھلا کر بولی "مم... مجھے کیا پتا۔ جو کچھ آپ بتائیں گے' وہ کہہ دوں گی۔"

"بات سے بات نکل آئی ہے تو اپنا ذہن صاف کرلو" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ خالی الذہنی ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ حیرت ہے کہ میں خود بھی این کی فون کال کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ نہ کچھ طے ہوجانا چاہیے تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ نریش اس بارے میں کوئی ذکر نہ کرے۔ اس نے ہمیں کسی اور مقصد سے بلایا ہو۔"

"سب کچھ ہوسکتا ہے مگر ہمارا ہوم ورک مکمل ہونا چاہیے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میرے اور این کے درمیان ہونے والی بات کسی نے نہیں سنی۔ مداخلت ہوتے ہی لائن کٹ گئی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ کوئی فون آیا تھا مگر تم تفصیل سے بے خبر ہو۔ میں نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا بلکہ ٹال دیا۔"

"مگر آپ یہ جواب نہیں دے سکتے۔ آپریٹر نے آپ کو میری کے بارے میں بتایا تھا۔"

"میری کہانی یقیناً مختلف ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں کبھی ملی ہو مگر میں اسے بھول چکا ہوں۔"

"اسے کیسے پتا چلا کہ آپ دہلی کے اس ہوٹل میں مقیم

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے نگاہیں چار کرکے جرح کی۔

"ویری گڈ!" میں اس کے سوال پر خوش ہوگیا "باہمی بریفنگ اور تبادلہ خیال کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ لاجواب کردینے والا سوال ہے۔"

"مگر آپ کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی معقول جواب ضرور ہونا چاہیے۔"

"اس بارے میں وہ نامعلوم میری ہی کچھ بتا سکے گی" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے میرے بارے میں پاکستان سے کوئی سراغ ملا ہو مگر پھر بھی یہ بات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسے دہلی جیسے بڑے شہر میں میرے ہوٹل کا علم کیسے ہوا۔ این نے مجھے واقعی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"پھر یہی موقف بہتر ہے کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ کو شبہ ہے کہ وہ کال فرانس کے بجائے دہلی سے کی گئی تھی۔ وہ کوئی ماڈرن کال گرل بھی ہوسکتی ہے۔ جو آپ سے فون پر وقت لینا چاہ رہی تھی۔ اس کا مدعا جانتے ہی آپ نے اسے ڈانٹ کر فون بند کردیا۔"

"ایک بار پھر ویری گڈ!" میں نے اٹھ کر بے اختیار غزالہ کی پیشانی چوم لی "یہ سب سے بہتر جواب ہوگا۔ ہوٹل کی آپریٹر اگر غیر ملکی کال پر اصرار کرتی ہے تو کرتی رہے۔"

"اب مجھے ایک اور بات یاد آرہی ہے۔ اگر شروع سے مداخلت ہو رہی ہوتی تو سی ایس ڈی آن کرتے ہی لائن بند ہوجاتی۔ آپ کے اور میری کے درمیان ایک دو فقروں کے تبادلے کی نوبت بھی نہ آتی۔ جو کچھ ہوا' ذرا سی تاخیر سے ہوا۔ یہ آپریٹر ہی کی شرارت ہوسکتی ہے۔ اس میں را کا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ وہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو ابتدا سے ایک ایک لفظ سننے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کرتے' بیچ میں مخل نہ ہوتے۔"

"اس وقت تمہارا دماغ تیزی سے کام کررہا ہے" میں نے اعتراف کیا "یہ بہت باریک نکتہ ہے اور شاید سب سے مضبوط بھی۔ اتنی دماغ سوزی کے بعد ہمیں یہ فرض کرلینا چاہیے کہ نریش اس فون کال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔"

"یہ میرا نہیں' آپ کا کمال ہے۔ یہاں ہر وقت آپ کے ساتھ رہ کر میں بھی بال کی کھال اتارنے کی عادی ہوتی جارہی ہوں۔ میں نے یہ ذکر اپنی تشویش سے شروع کیا تھا۔ پتا نہیں وہاں کیا حال ہے۔ ہمیں سلطان شاہ کے بارے میں بھی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔"

"این اپنی ساری خامیوں کے باوجود فرض شناس ہے۔ اس نے واپس پہنچتے ہی کراچی والوں کی خبرگیری کی ہوگی۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ مجھ سے واپسی کے لیے اصرار نہ کرتی۔ اس وقت ساری توجہ اپنی کھال بچانے پر مرکوز رکھو۔ ہم یہاں ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اعصاب کی بھیانک جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہیں بھی چوک گئے تو مارے جائیں گے اور کوئی ہمیں بچانے کے لیے آگے نہیں آئے گا۔"

وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اٹھ گئی "کبھی کبھی آپ کی باتیں مجھے لرزہ براندام کردیتی ہیں۔"

"یہ یہاں کے ٹھوس زمینی حقائق ہیں۔ ہم موت کے جبڑوں میں رہ رہے ہیں۔ بھٹکنے پر نکیلے دانتوں تلے کچلے جائیں گے۔"

"میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "وہ کسی بھی لمحے یہاں ہوگی۔"

اس وقت بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

ریناجیت رائے نے اس روز وقت کی پابندی کا ریکارڈ قائم کردیا۔ ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولنے پر اسے اپنے سامنے موجود پایا۔

دروازے پر رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ اندر آتے ہی اس کی متلاشی نظریں کمرے میں چکرانے لگیں "غزالہ کہاں ہے۔ کیا ابھی تم دونوں تیار نہیں ہو؟" اس نے اپنے ہندی لب ولہجے میں ہلکی سی حیرت سے پوچھا "میں صحیح وقت پر آئی ہوں۔"

"وہ اپنے کمرے میں تیار ہورہی ہے۔ چند منٹ بعد ہم یہاں سے چل دیں گے۔ ہمیں جانا کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

وہ کسی تعرض کے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی "اس نے اپنا پرس گود میں رکھا اور دھیرے سے بولی "آج تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلاوا ہے۔"

"تم کچھ سنجیدہ بلکہ فکرمند نظر آرہی ہو' خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"بیلا سنگھ کی ناکامی نے ہر ایک کو مشتعل کیا ہوا ہے۔ ایسے میں تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلایا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کیا وہاں کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آسکتی ہے؟" میں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بار میں خود اندھیرے میں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے حکم ملا اور میں یہاں آگئی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہاں ہمیں کس سے ملنا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرتی ہوئی گہری تشویش پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"دفتر میں آگ لگنے کے بعد آج کل نریش بابو کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔ پہلے تم اس کے پاس جاؤ گے' بعد کا مجھے پتا نہیں۔"

"تمہارا انکل بھی وہیں بیٹھتا ہوگا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"دہلی میں ان کے کئی دفتر ہیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کب کہاں بیٹھیں گے۔ ہمارے ہیڈ آفس میں بھی ان کا دفتر ہے۔"

"اگر سفر لمبا نہ ہو تو ہم کچھ وقت یہیں گزار لیں" میں نے تجویز پیش کی "ہمیں نریش سے کس وقت ملنا ہے؟"

"سفر لمبا ہے۔ کناٹ سرکل سے ہم کستور باگاندھی روڈ پر نکلیں گے پھر ذاکر حسین روڈ سے ہوتے ہوئے لودھی روڈ پر مڑیں گے۔ وہیں ہمارا ہیڈ آفس ہے۔ راستے میں ہمیں انڈیا گیٹ سے بھی گزرنا ہوگا۔ یہ سب راستے بھیڑ بھاڑ والے ہیں۔ دیر سویر ہو سکتی ہے پھر بھی تم چند منٹ لے لو۔"

"آج تم کچھ سوگوار ہو۔ مجھے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہی ہو جیسے میرا انجام برا ہونے والا ہو" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جو کچھ بھی ہے' مجھے کھل کر بتادو۔ میں حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرسکوں گا۔"

"آثار اچھے نہیں ہیں" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر میں پھر کہہ رہی ہوں کہ ابھی تک میں خود تمہارے بلاوے کے سبب سے بے خبر ہوں۔ میری بھگوان سے دعا ہے کہ تم پر کوئی برا وقت نہ آئے کیونکہ تم سے ہمدردی کرکے میں گمبھیر خطرہ مول لے بیٹھی ہوں۔ تم کو چار چوٹ کی مار پڑی تو تم کھایا پیا تک اگل دوگے۔ اس میں میرا نام بھی آئے گا" اس نے خوف زدہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موندلیں اور خاموش ہوگئی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں مگر میرے وجود میں خوف کے بجائے مزاحمت کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔ رینا نے آنکھیں کھولیں اور اپنی بات جاری رکھی "تمہارا جو ہونا ہے سو ہو کر رہے گا مگر میں بنا موت ماری جاؤں گی۔ ہم لوگوں میں غداری کی سزا بہت کٹھن ہوتی ہے۔ میری اور تمہاری فلم جل گئی۔ بیلا اپنے جوبن اور سولہ سنگھار کے ساتھ بھی تم کو نہ جھکا سکی۔ اب نریش بابو جھلایا ہوا ہے کہ تم کو کیسے قابو کرے۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اب تم سے اپنی ہار کا بدلہ لے گا۔"

وہ جو کچھ چاہتا تھا' چابک کے زور پر حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے لیے میری رضامندی ضروری تھی۔ رینا کی باتیں سنتے ہوئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ دروغ مصلحت آمیز کی طرح ضرورت پڑنے پر چاہے کچھ بھی کروں لیکن نریش کے گھناؤنے مقاصد پورے نہیں ہونے دوں گا۔ وہ بلیک میلنگ کے ایک رکیک اور گھٹیا حربے کو بلاوجہ انا کی جنگ میں تبدیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ تو ناکامی ہی اس کا مقدر ہونے والی تھی۔ اس لڑائی میں مجھے خاک ہونا منظور تھا' سپر ڈالنا گوارا نہیں تھا۔

چند منٹ بعد رینا نے بے چینی سے غزالہ کے بارے میں پوچھا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی لمحے ایک اندیشے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

رینا کو یقینی طور پر کچھ علم نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ اس کا قیاس تھا۔ اگر اس قیاس میں ذرا بھی حقیقت تھی تو غزالہ کی وجہ سے میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ درندے مجھے زیر کرنے کے لیے غزالہ کو ڈھال کے طور پر استعمال کرسکتے تھے۔ میں اس بارے میں آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ غزالہ کو اسی وقت فرار کی راہ پر لگادوں اور خود رینا کے ساتھ چل دوں مگر میں نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر اپنی جاں سوزی سے جو بساط سجائی تھی' اسے ایک جذباتی فیصلے سے تباہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حقیقت صرف نریش یا اتل بسواس کے علم میں تھی۔ رینا کے اندازے زیادہ قابل اعتبار نہیں تھے۔ اس کے اندازے پر مشتعل ہوکر ہوش کے بجائے جوش میں آجانا میرے لیے تباہ کن ہوسکتا تھا۔

میری ایک دستک پر غزالہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ دونوں عورتوں نے سرد مہری سے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر اتر کر ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلنے کے بعد مجھے راہ والوں کے بگڑے ہوئے موڈ کا اگلا ثبوت مل گیا۔

پچھلی بار اتل بسواس نے مجھے اپنے دفتر بلوانے کے لیے رینا کو ایک شاندار کار دے کر ہوٹل بھیجا تھا لیکن اس دفعہ رینا کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ وہ ہوٹل آکر خالی ہونے والی کسی ٹیکسی کے انتظار میں برآمدے کے کنارے پر رک گئی۔ رینا کو خود بھی ان تبدیلیوں کا احساس تھا۔ وہ نہ صرف خاموش تھی بلکہ مجھ سے نظریں چار کرنے سے بھی دانستہ گریز کررہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایک ٹیکسی اپنے اکلوتے سفید فام مسافر کو اتار کر جوں ہی خالی ہوئی' رینا ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ رینا نے ڈرائیور کو لودھی روڈ چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور نے میٹر گرا کر ٹیکسی آگے بڑھادی۔

"میں تم دونوں کو ایک بات بتادوں کہ آج کی ملاقات بہت اہم ہے" ٹیکسی کناٹ سرکل گھوم کر سیدھی سڑک پر آئی تو رینا نے پیچھے مڑ کر ناصحانہ لہجے میں کہا "کوئی کڑوی کسیلی بات ہوجائے تو خاموشی سے پی جانا اور... اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آج ہم برف کے بن جائیں گے" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "مگر یہ تو بتادو کہ ہمیں کہاں لے جارہی ہو۔"

"را کے ہیڈ کوارٹرز میں نریش سے ملنا ہے" میں نے غزالہ کے کان میں سرگوشی کی "آج رینا کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے۔"

ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں محتاط تھے۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ٹیکسی میں خاموشی چھاگئی۔ میں کھڑکی سے باہر اس بارونق سڑک کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔ جس پر کہیں کہیں انگریزی اور ہندی زبانوں میں استور باگاندھی مارگ لکھا ہوا تھا۔

سڑک سیدھی اور پرہجوم تھی مگر ٹریفک کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کافی دور چل کر ٹیکسی نے ایک چوراہا عبور کیا۔ اس سے آگے انڈیا گیٹ کے آثار نمایاں تھے جو بتدریج واضح ہوتے چلے گئے۔ آخر ٹیکسی انڈیا گیٹ کے قلب میں رینگنے لگی۔ اس بھیڑبھاڑ سے نکلتے ہی ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ کا آغاز ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہم دہلی گالف کورس کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ رینا کی مہربانی تھی کہ وہ ہمیں راستے میں آنے والی اہم عمارتوں اور یادگاروں وغیرہ کے بارے میں بتاتی چلی آرہی تھی۔

گالف کورس ختم ہوتے ہی ٹیکسی چوراہا گھوم کر داہنی طرف مڑگئی۔ وہ لودھی روڈ تھا۔

"بس اس اونچی بلڈنگ کے آس پاس گاڑی روک لینا" رینا نے آگے نظر آنے والی کنکریٹ اور شیشے کی ایک شاندار عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

ڈرائیور کم گو تھا۔ سرہلا کر رہ گیا اور پھر اس نے اس پرشکوہ عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی جس پر ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ کے ابھرے ہوئے جلی حروف آویزاں تھے۔ وہ بھارت میں چلنے والے ایک متوازی نظام حکومت کا اعصابی مرکز تھا۔

رینا نے میٹر کے مطابق کرایہ ادا کرکے ڈرائیور کو فارغ کردیا۔

"یہ تیرہ منزلہ عمارت اور اس کے تہ خانے' سب را کے استعمال میں ہیں" رینا نے پختہ فٹ پاتھ پر پیش قدمی کرتے ہوئے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔

"اٹل اور نریش کس منزل پر ہوتے ہیں؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"ساتویں منزل پر!" رینا نے گردن گھما کر مجھے گھورتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔ یہاں انکل کا نام ادب سے لو۔ ہمارے کسی آدمی نے ایسا ادھورا نام سن لیا تو وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔"

اٹل بسواس کا نام ادب سے لینے سے بہتر تھا کہ زبان بند کرلی جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

عمارت کے برآمدے میں دوباوردی اور تواناگن مین موجود تھے۔ شیشے کی دیوار پر سرخ حروف میں نمایاں ہدایت درج تھی کہ عمارت میں داخلے سے پہلے شناخت ناگزیر تھی۔ را کے ہیڈ کوارٹرز کا طول وعرض اور بلندی دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہاں سیکڑوں افراد کام کرتے ہوں گے مگر سخت ترین حفاظتی انتظام کی وجہ سے وہاں لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

رینا نے ازخود ایک گن مین کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور اسے ہم دونوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے مزید دو گن مین موجود تھے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی انہوں نے ہمارے کپڑوں وغیرہ پر دستی آلہ پھیر کر ہماری جامہ تلاشی لی اور یہ اطمینان کرلیا کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ اس کلیرنس کے بعد ہمیں ایک کاؤنٹر کی طرف جانا پڑا جہاں پختہ عمر کی ایک بنی سنوری خاتون کاؤنٹر پر کمپیوٹر اور دوسرے آلات سجائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رینا کا کارڈ لے کر ایک مشین میں ڈالا۔ کارڈ برآمد ہونے کے بعد اس نے کمپیوٹر پر اس کے کوائف کا اندراج شروع کردیا۔

وہاں رینا کو صرف دو باتیں بتانا پڑیں۔ اول یہ کہ وہ ساتویں منزل پر نریش شرما کے پاس جارہی تھی۔ دوئم یہ کہ ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

را کی عمارت پر باہر سے انگریزی میں لکھی ہوئی تحریریں
سایاں نظر آرہی تھیں۔ لیکن عمارت میں گھستے ہی میں نے
یکھا کہ دفاتر وغیرہ کی نشان دہی کرنے والی ساری تختیاں
صرف ہندی میں لکھی ہوئی تھیں۔ دفاتر کے اس جنگل میں
ندی سے لاعلمی کے سبب کوئی اجنبی آسانی سے کسی کو تلاش
نہیں کرسکتا تھا۔

تیر تھ رام شاہ اسپتال کے قریب واقع راکا پاکستانی ونگ
حفاظتی معاملات میں جس قدر یتیم تھا' اس کا صدر دفتر اس
سے کہیں زیادہ قابل رشک حفاظتی حصار میں گھرا ہوا تھا۔
س عمارت کے بارے میں کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جاسکتا
خاکہ مسلح نگہبانوں کی اجازت کے بغیر وہاں پر ندہ بھی پر نہیں
ر سکتا تھا۔ اس عمارت کے اس حصے میں کوئی خفیہ کارروائی
کرنے کا تصور محال تھا۔

اوپر جانے والے کشادہ زینوں کے ساتھ ہی دو لفٹیں
لی ہوئی تھیں۔ رینا ہمیں لے کر ایک خود کار لفٹ میں
ساتویں منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ تلاشی اور پھر شناخت
کے آخری مرحلے کے بعد کاؤنٹر والی خاتون نے مجھے اور غزالہ
و کلپ والے دو کارڈ دیے تھے جو ہم نے اپنے سینوں پر
ویزاں کرلیے تھے۔ وہ کارڈ بھی ہندی میں تھے۔ دہلی میں
ندی کے ساتھ نظر آنے والی دوسری بڑی زبان صرف
نگریزی تھی۔ اردو کو اس سرزمین سے شاید دیس نکالا مل چکا
ا۔

وہ عمارت رینا کے لیے بھی زیادہ مانوس نہیں تھی۔
ساتویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی ہمیں اس کمرے میں ایک
اق وچوبند گن مین کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کمرے سے مختلف
ستوں میں تین لمبی راہ داریاں نظر آرہی تھیں۔ رینا نے
ک کر ہندی میں لکھے ہوئے بورڈ کا جائزہ لیا اور پھر وسطی راہ
ری میں داخل ہونے لگی تو گن مین نے تینوں کو روک لیا۔
ں نے ایک مرتبہ پھر رینا اور غزالہ کے دستی بیگ کھول کر
اشی لی اور یوں ہم راہ داری میں داخل ہوگئے۔

یہ بہت غنیمت ہوا تھا کہ مشکل لمحات میں عابد نے خود
ی مجھ سے رابطہ کرلیا تھا اور میں نے اپنی تینوں اہم اشیا اس
کے حوالے کردی تھیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہمیں وہ چیزیں
پنے ساتھ لانا پڑجاتیں تو کڑی تلاشی کے دوران میں وہ پکڑی
تیں۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری اور نریش کی ملاقات
ھائی میں پڑجاتی اور بیم گن کی وجہ سے ہمارے خلاف ایک
اور سرگرم محاذ کھل جاتا۔

رینا کمروں میں لگی ہوئی تختیاں دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی
رہی پھر ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہم دور رک گئے۔ رینا
نے میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے نیچی آواز میں
کچھ بات کی اور اس کی ہدایت کی روشنی میں ہمیں اپنے
ساتھ لے کر ایک الگ انتظار گاہ میں چلی گئی۔

وہ عمارت زیادہ پرانی نہیں تھی مگر کمروں کی صفائی وغیرہ
دیکھ کر یہ ماننا پڑتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال کا نظام بہت موثر
تھا۔

ہم تینوں نریش سے ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھ
گئے۔ میرے لیے پاکستانی ونگ کے بعد وہ راکا دوسرا دفتر تھا۔
دونوں عمارتوں کی ساخت اور انتظام میں زمین اور آسمان کا
ایسا نمایاں فرق تھا کہ میں مرعوب ہوگیا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ
وہاں در ودیوار کے بھی کان ہوں گے۔ ہماری ہر آواز عمارت
کے کسی نگہبان کے کمرے میں سنی جارہی ہوگی اور شاید
پوشیدہ کیمروں کے ذریعے ہماری حرکات وسکنات کا بھی
مشاہدہ کیا جارہا ہوگا۔

وقت گزرتا رہا۔ جب ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے کافی دیر
ہوگئی تو میں سکوت توڑنے پر مجبور ہوگیا "ہمیں کب تک
انتظار کرنا ہوگا؟"

"میں نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی ہے۔ تمہاری وجہ
سے میں بھی بندھ گئی ہوں۔ تمہیں بلایا جائے تو میں بھی کچھ
لوگوں سے دعا سلام کرلوں" وہ بولی۔

"تم کیا اکثر یہاں آتی رہتی ہوگی؟" غزالہ نے کہا "یہ
عمارت واقعی بہت شاندار ہے۔"

رینا نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا
"بلا ضرورت کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ نیچے والوں کے پاس
میری آمد کی پیشگی اطلاع نہ ہوتی تو میں اپنے شناختی کارڈ کے
باوجود اوپر نہیں آسکتی تھی۔ میں دوسری مرتبہ یہاں آئی
ہوں۔"

"جو کچھ تم بتارہی ہو وہ خفیہ معلومات کے زمرے میں
آتا ہے" میری متحیر آواز نیچی تھی۔

"میں اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتی۔ یہ
باتیں ہر آنے جانے والے کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔"

کمرے میں ایک بار پھر سکوت پھیل گیا۔ میں محتاط تھا کہ
کہیں کوئی ممنوعہ سوال میری زبان پر نہ آجائے۔

تقریباً چالیس منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد
ایک نوجوان ماتحت نے انتظار گاہ میں آکر ہم دونوں کو
ملاقات کا مژدہ دیا۔

"کیا میری ضرورت پیش آئے گی؟" رینا نے ہمارے

Downloaded from https://paksociety.com

ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا۔

"تم سنی صاحب سے مل لو۔ ملاقات ختم ہوگی تو میں تمہیں بتادوں گا" نوجوان نے کہا اور دروازے سے نکل کر راہ داری میں ایک طرف چل پڑا۔

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں نریش سے ملاقات کے لیے اسی کمرے میں لے جایا جائے گا جہاں رینا نے ایک شخص سے ابتدائی گفتگو کی تھی لیکن نوجوان اس کمرے سے آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ رینا ہمارے پیچھے انتظار گاہ سے نکل کر دوسری طرف چل دی تھی۔

ایک بند دروازے کے سامنے وہ رک گیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اس نے وہ پٹ اندر کھول دیا۔ اس کے سر کی جنبش پر میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ غزالہ میری تقلید کررہی تھی۔

اندر گھستے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ابتدا سے توقع کررہا تھا کہ میری ملاقات نریش سے ہوگی لیکن وہاں روشن میز کے پیچھے نیم تاریکی میں انل بسواس کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ اس کے سامنے نریش بیٹھا ہوا تھا۔ انل بسواس راکی اندھیری اور پراسرار دنیا کا ایک کلیدی مہرہ تھا۔ شاید اسی لیے اسے زیادہ روشنی پسند نہیں تھی۔ اس کی میز پر تیز روشنی والا ایک بلب اس طرح روشن تھا کہ میز کی سطح پر رکھی ہوئی ہر چیز نمایاں تھی لیکن وہ روشنی پوری طرح انل بسواس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

"گڈ آفٹرنون!" میں نے لمحہ بھر کے لیے سلام اور نمستے پر غور کرنے کے بعد کہا۔

"آفٹرنون!" اس نے بزرگانہ لہجے میں جواب دیا "آؤ بیٹھ جاؤ۔"

ہم دونوں نے نریش کے مخالف سرے پر کرسیاں سنبھال لیں۔

"لڑکی! تم سلام دعا کے آداب سے شاید بالکل نابلد ہو" انل بسواس نے تیکھی اور پرشکوہ آواز میں غزالہ کو ٹوک دیا۔

"میں نے سلام کیا تھا۔ شاید آواز آپ تک نہ پہنچی ہو" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں سفید جھوٹ بولا۔ وہ نریش کے بجائے ایک مرعوب کن اور اجنبی شخص کو صدر کرسی پر براجمان پاکر کچھ پریشان ہوگئی تھی کیونکہ اس نے پہلی بار انل بسواس کو دیکھا تھا۔

انل بسواس اس وقت بھی ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ عینک کے شفاف شیشوں کے پیچھے اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں مسلسل متحرک تھیں۔ سر کے اڑے ہوئے بال اور سفید کنپٹیاں اس کے ذاتی وقار میں

"تم ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ آخر تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟"

"اسی لیے کہ میں ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہوں۔"

اضافہ کررہی تھیں۔ میں نے پہلی بار اندازہ لگالیا تھا کہ قدرت نے اسے فیاضی کے ساتھ ایسی ذاتی خوبیوں سے نوازا تھا کہ وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی اپنے مخاطب کو مسحور کرلیتا تھا۔ غزالہ یکایک اس سے سامنا ہونے پر پریشان تھی۔

"تمہیں یہاں کوئی بے آرامی تو نہیں ہوئی؟" کمرے کی فضا میں انل بسواس کی بارعب آواز گونجی۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کی عقابی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وہ تعارف کرانے کا کوئی موقع تھا نہ اس کی نوبت آئی مگر نریش اور اجنبی کے طور طریقوں سے شاید غزالہ اندازہ لگاچکی تھی کہ وہ اچانک کس کے سامنے پہنچادی گئی تھی۔ اس نے دبی دبی آواز میں کہا "میں کئی بار ذہنی تکلیف سے گزری ہوں مگر شاید یہ سب ضروری تھا۔"

"ہاں، مجھے علم ہے" اپنے سوال کا غیر متوقع بلکہ مہذب اور منہ توڑ جواب پاکر بھی انل بسواس کا موڈ خراب نہیں ہوا تھا "اعتماد کے رشتے استوار کیے جاتے ہیں تو ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہاں کچھ ایسے واقعات ہورہے ہیں کہ کچھ بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا..... تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے مظہر کی کیا بات ہوئی ہے۔"

"نہیں!" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر بے ساختہ کہا "میں نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ سمجھ میں آیا ہے کہ کسی رشتے کے بغیر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا پڑجائے تو دونوں کو الگ الگ رہنا چاہیے۔ ساتھ رہنے سے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔"

غزالہ بہت جرأت مندی کے ساتھ انل بسواس کا سامنا کررہی تھی۔ اس نے اپنا وہی موقف برقرار رکھا تھا جو اس نے نریش کو بتایا تھا۔ میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اپنی باری کے لیے میں انل بسواس کی توجہ کا منتظر تھا۔

"اب شکوک وشبہات کی دھند صاف ہوچکی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تمہارا یہ تفریحی دورہ برباد ہوا ہے۔ کل رات کے بعد ہماری طرف سے تم دونوں کو آزادی ہوگی۔ جب چاہو دہلی چھوڑ سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جاؤ یا واپسی کا سفر اختیار

Downloaded from https://paksociety.com

کرلو۔"

"میں آپ کی ممنون ہوں" غزالہ نے سر جھکا کر کہا "اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہ بہت بڑی رعایت ہے۔"

"تم برابر کے کمرے میں بیٹھو" اس نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غزالہ کو ہدایت کی "میں تمہارے دوست سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

غزالہ نے ایک انوکھی حرکت کی۔ اٹھ کر سر جھکایا اور سے آداب کہہ کر اندرونی بند دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نل بسواس کے ہونٹوں پر توصیفی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے انل بسواس کو برہم نہیں کیا تھا۔ اس سے گفتگو ختم کرکے خوشگوار فضا میں رخصت ہو رہی تھی۔

بغلی دروازہ دوبارہ بند ہوجانے کے بعد انل بسواس میری طرف متوجہ ہوگیا "اس لڑکی سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ یہ پاکستان سے تمہارے ساتھ یہاں چلی آئی مگر تم کو اس پر اتنا بھروسا نہیں ہے کہ اسے اپنے اور ہمارے متعلق کے بارے میں بتا سکو' کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"مرد کمزور ہو تو عورت حاوی رہتی ہے" میں نے فلسفہ بگھارا "یہ سعادت مند دوست ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ میں اسے خوش رکھتا ہوں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ کسی بحث میں نہیں پڑتی۔"

"وہ خوبصورت لڑکی ہے" نریش نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "تمہاری ہم خیال بن جائے تو ہم اس کے بارے میں بھی غور کرسکتے ہیں۔"

"اپنی یہ تجویز اپنے کسی اور ملاقاتی کے لیے محفوظ رکھو۔" میں نے شائستگی سے کہا "میں اسے ایسے کسی کام میں ملوث کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ بات غیر ضروری ہے" میرا ردِعمل دیکھ کر انل بسواس نے شاطرانہ انداز میں نریش سے کہا "تمہیں منظر کی نوعیت کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں نے خاصی محنت کے بعد اسے قائل کیا تھا کہ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا کام کسی سے غداری نہیں' انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔"

وہ ایک مذموم اور گھناؤنے کام کو نفیس الفاظ کے لبادے میں پیش کررہا تھا۔ میں نے اسے یہ یاد دلانے سے گریز کیا کہ اس عظیم انسانی خدمت پر آمادہ کرنے کے لیے اس نے مجھے اس ویڈیو فلم کی تشہیر کی دھمکی دی تھی جو ریتا کے ساتھ میرے کمزور ترین لمحوں کی گواہ تھی۔

وہ دونوں را کے بڑے افسر تھے اور دونوں اوّل درجے کے خبیث تھے۔ وہ بھارتی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کو ریتا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے روپ میں آبرو کی نیلام گاہ پر چڑھائے بیٹھے تھے اور غزالہ کو بھی اسی عینک سے دیکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ یہ بھول رہے تھے کہ ایک دن ان کی جواں سال لڑکیوں کے ساتھ کوئی طالع آزما افسر وہی کھیل' کھیل سکتا تھا۔

شاید میں نریش کو کوئی سخت جواب بھی دے بیٹھتا لیکن انل بسواس نے غزالہ کو اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنا کر میرا منہ بند کردیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری پیدا کی ہوئی کسی تلخی کے نتیجے میں معاملات پھر الجھ جائیں اور ہماری واپسی کا مرحلہ التوا کا شکار ہوجائے۔

"تمہیں پہلے مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی ہے" انل بسواس اس بار مجھ سے مخاطب تھا "تم کو تمہارا کام سمجھادیا گیا ہے۔ رابطے کے نمبر تمہارے پاس ہیں اور تم ہماری فیلڈ فورس کا ایک بازو بن چکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم پاکستان واپس لوٹنے کے بعد ہمارے اس اعتماد کو مجروح نہیں کروگے۔"

"مجھے معلوم ہے" میں نے سر جھکا کر معصومانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑی "میری اور ریتا کی ویڈیو خوف کی ایک تلوار بن کر مجھے ہمیشہ تمہارا تابع رکھے گی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کمزور نہیں ہے۔ تم اہم باتوں کو یاد رکھتے ہو" انل بسواس نے سپاٹ لہجے میں کہا جیسے اس نے ویڈیو فلم کی راکھ کو یکجا کرکے مجھے بلیک میل کرنے کا مواد دوبارہ تیار کرلیا ہو۔

"سر! اگر اجازت ہو تو میں مظہر خان سے اپنے دل کی ایک بات کہہ ڈالوں؟" نریش نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور کہو۔ تمہیں میں نے اسی مقصد کے لیے اس وقت اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے" انل بسواس نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تم اتنے مضبوط مرد نہیں ہو جتنا بنتے ہو!" نریش نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "مجھے تمہاری مردانگی پر بھی شک ہے۔ جو شخص بیلا جیسے حسنِ بے پروا کو مناسب انداز میں خراجِ تحسین پیش نہ کرسکے اسے مرد نہیں کہا جاسکتا۔"

"میری اور ریتا کی فلم دیکھ لو۔ تمہارا یہ شک دور ہوجائے گا" اس بار میں اپنے کاٹ دار جواب کو زبان پر نہ روک سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ کس بیلا کا ذکر ہے؟" انل بسواس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"میری ایک دوست ہے۔ جوان' بے حد حسین اور دوشِ بدن۔ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں پی کر بہک گئی تھی۔ ظہر کسی بزدل کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگ آیا۔"

"تم مجھے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو" میں نے سکون رہتے ہوئے جواب دیا "ساری غلطی تمہاری تھی۔ ں نے اسے تمہارے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف کیا تھا۔"

"مجھ پر الزام نہ لگاؤ" انل بسواس کے سامنے ذمے اری سے بچنے کے لیے نریش نے تیزی سے کہا "میں نے شاروں کنایوں میں تمہیں سب بتادیا تھا۔ میں تمہیں بیلا کے ساتھ وقت گزارنے کی ترکیبیں کاغذ پر لکھ کر نہیں دے سکتا تھا۔"

"جو وقت گزر گیا اس پر بحث کرکے اپنا وقت برباد مت کرو" انل بسواس نے ہاتھ اٹھا کر وہ بات وہیں ختم کردی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی پر شاید انل بسواس نے نریش سے بازپرس کی تھی۔ اس نے اپنے افسر کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے میری موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن میں نے کھل کر ذمے داری اسی پر ڈال دی تھی۔

"اب واپسی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انل بسواس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ابھی یہ مژدہ ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری دوست آگرہ جانے پر آمادہ ہوجائے۔ اگلے دو تین دنوں میں' میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"پاکستان میں تمہاری ضرورت ہے۔ تم کو شاید ڈینی کی موت کا صحیح اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"نریش نے اپنے پرانے دفتر میں مجھے ریکارڈ دکھا کر واقف کروایا تھا۔ میں سب سے پہلے اسی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ زندہ یا مردہ ..... کسی بھی حالت میں مطلوب ہے" انل بسواس کے چہرے پر سختی ابھر آئی "تم نے اسے تلاش کرلیا تو یہ تمہاری یادگار کامیابی ہوگی۔ تم تصور میں کرسکتے کہ بھارت سے امریکا تک میں تمہارے مرتبے و وقار میں کتنا اضافہ ہوجائے گا۔ بھاری مالی فائدہ اس کے علاوہ ہوگا۔"

"میں اس کی تلاش میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگادوں گا" ں نے منافقانہ خلوص سے جواب دیا۔

اس روز سب کچھ میری توقع کے خلاف ہورہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے را کے ہیڈ کوارٹرز کی کوئی جھلک دیکھنے کا موقع مل سکے گا لیکن اس وقت میں ایک مہمان کے طور پر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ نریش کے بجائے انل بسواس سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس ملاقات کے بارے میں میرے بہت سے تحفظات تھے اور میں ان کی پیش بندیاں کرتے کرتے ذہنی دباؤ میں آچکا تھا لیکن انل بسواس نے دوران گفتگو کوئی نازک موضوع نہیں چھیڑا تھا۔

ویرا کے فون کے بارے میں کچھ پوچھا گیا نہ ہم کو کسی جبر کا نشانہ بنایا گیا۔ سارے اندیشے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملاقات کا کیا مقصد تھا۔ اس وقت تک ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے انل بسواس نے ہمیں اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنانے اور را کے ساتھ میری وفاداری کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہمیں بلایا ہو۔

مجھے بس ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ انل بسواس کے بغلی دروازے سے گزرنے کے بعد غزالہ کو کسی ناگہانی افتاد کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ ہمارے مذاکرات کا نیم دوستانہ ماحول میرے ایسے اندیشے کی نفی کررہا تھا لیکن غزالہ کے اٹھ جانے کے بعد میں اس ملاقات کے جلد از جلد خاتمے کا خواہاں تھا۔

اس وقت میرے اور غزالہ کے ہاتھوں میں موجود دو دو زہریلی انگوٹھیاں ہمارے کل ہتھیاروں کا درجہ رکھتی تھیں۔ سرخ کیپسول والی انگوٹھی جان لیوا زہر خارج کرتی تھی اور سبز نیلے رنگ کے کیپسول میں پوشیدہ نوک کے ذریعے کسی دشمن کو فوری طور پر بے ہوش کیا جاسکتا تھا۔ میں اس بند کمرے میں اپنے دو دشمنوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں انہیں چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اس عمارت کے مضبوط حفاظتی انتظامات کو دیکھتے ہوئے' یہ بات یقینی تھی کہ میرا وہاں سے بچ نکلنا محال تھا۔

نریش میرے لیے ایک بالکل نیا نام اور کردار تھا جس سے میں دہلی پہنچنے کے بعد متعارف ہوا تھا لیکن انل بسواس کے بارے میں' میں جلال کے نظریات سے اچھی طرح واقف تھا۔ انل بسواس را کا ایک اعلیٰ دماغ اور بہترین منصوبہ ساز تھا جو پاکستان کو مسلسل نقصان پہنچا رہا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر را اور اس کی سازشی کارروائیوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ جلال کی یہی شدید خواہش میرے بھارت کے سفر کی بنیاد بنی تھی اور میں صدقِ دل سے اس کی تکمیل کا خواہاں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

انل بسواس سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویّہ بھی مجموعی طور پر بہتر رہا تھا۔ نریش نے میرے ساتھ براہِ راست زیادتیاں کی تھیں اور یہ بات طے تھی کہ اسے ان معاملات میں انل بسواس کی مکمل خوشنودی حاصل تھی پھر بھی میرے ذہن میں انل بسواس کے خلاف گہرا عناد رچا ہوا تھا۔ اگر مجھے اپنے شکار کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو میں کسی تردد کے بغیر انل بسواس کی گردن دبوچنے کو ترجیح دیتا۔

اس نے میرے اصل روپ کے بارے میں اپنی جس نفرت کا اظہار کیا تھا اس کی بنا پر اسے ٹھکانے لگانے کی میری خواہش شدید تر ہو گئی تھی۔

"میں پاکستان میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا" انل نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور گھنٹی بجادی۔

دروازے سے اس کا نوجوان ماتحت اندر آگیا۔ وہ مہذب اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا لیکن ظاہری طور پر انل بسواس کے اردلی کے کام کر رہا تھا۔

"ان دونوں کو میٹنگ روم میں پہنچادو" انل بسواس نے اس کو ہدایت دی پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا "وہاں رینا کی آمد کا انتظار کرنا۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے جانا مشکل ہو گا۔"

میں اٹھ گیا۔ انل بسواس اور پھر نریش نے مجھ سے پرتپاک انداز میں مصافحے کیے اور میں اردلی سے پہلے بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس چھوٹے کمرے میں غزالہ ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کمرے سے نکاس کے لیے انل بسواس کا کمرا دوبارہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دوسری طرف ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر ہم راہ داری میں نکلے تو میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ راہ داری میں کھلنے والا دروازہ باہر سے بالکل سپاٹ تھا۔ اس پر کوئی لیور یا دستہ نہیں تھا۔ شاید اسے صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ راہ داری کی سمت سے وہ دروازہ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

انتظار گاہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں بٹھا کر وہ نوجوان لوٹ گیا۔ رینا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس عمارت میں ہم کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے اس لیے خاموشی سے رینا کا انتظار کرتے رہے۔ کنکریٹ کی راہ داری میں قدموں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ لوگ آتے جاتے رہے لیکن رینا نہ آئی۔

"یہ کہاں رہ گئی" ڈھائی بجے غزالہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑائی "ایسا تو نہیں کہ ہمیں بھول کر کسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"

"وہ ایسی غیر ذمے دار نہیں ہو سکتی۔ اسے معلوم ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ لوٹنا ہے" میں نے غزالہ کو تسلی دی مگر میں خود پریشان تھا کہ وہ کہاں غائب تھی۔ انل بسواس سے بہ مشکل دس منٹ کی ملاقات کے لیے ہمیں ہوٹل سے نکلے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں مضطربانہ انداز میں سگریٹ سلگا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

اس عمارت میں بلکہ اس فلور پر بھی دفاتر کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا مگر ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ دفاتر کی آوازیں در و دیوار تک محدود تھیں۔ اسی طرح غیر ضروری طور پر راہ داری میں گھومنے والے بھی نایاب تھے۔ اچانک کوئی اپنے ہاتھ میں کوئی کاغذ یا فائل تھامے کسی دروازے سے برآمد ہوتا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا کسی دوسرے دروازے کے پیچھے غائب ہو جاتا۔

وہ تماشا دیکھتے دیکھتے میں جلد ہی تھک گیا۔ میں نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں رینا سب سے پہلے گئی تھی۔ وہ دروازہ مقفل تھا۔ مجھے یاد آیا کہ رات کے دفاتر صبح سات بجے کھلنے کے بعد شاید دو بجے بند ہو جاتے تھے۔ لوگ چلے گئے تھے اور ہم دونوں احمقوں کی طرح رینا کی واپسی کے منتظر تھے۔

میں جھلا کر مڑا ہی تھا کہ وہ دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی واپسی میں تاخیر پر کسی برہمی کا اظہار کرتا' وہ خود معذرت کرنے لگی کہ پرانے ساتھیوں سے باتوں میں اسے وقت کا احساس نہیں رہا۔ جس کے لیے وہ شرمندہ تھی۔

اس کی آواز سن کر غزالہ بھی کمرے سے نکل آئی اور ہم تینوں واپس چل دیے۔

"اس وقت تم کن ساتھیوں سے بات کر رہی تھیں۔" میں نے منہ بنا کر پوچھا "میرا خیال ہے کہ دو بجے یہاں چھٹی ہو چکی ہے۔"

"یہاں کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔ دن رات لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا "یہاں رات ہوتی ہے تو امریکا میں دن نکل رہا ہوتا ہے۔ دنیا سے رابطے میں رہنے کے لیے ہیڈ آفس دن رات کام کرتا ہے۔ علاقائی شعبوں میں ایک مقررہ وقت پر چھٹی ہو جاتی ہے۔"

"اگر تمہارے ساتھ کی مجبوری نہ ہوتی تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر نکل گیا ہوتا۔"

"ناممکن تھا۔ جو جس کے ساتھ آتا ہے اسی کے ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

واپس جاتا ہے۔ یہ یہاں کا حفاظتی پروٹوکول ہے۔" وہ بولی۔

"یہاں ایسے ملاقاتی بھی آتے ہوں گے جن کے ساتھ را کا کوئی آدمی نہیں ہوتا۔ ان کا کیا بنتا ہے؟" غزالہ نے اس کی تاویل پر اعتراض جڑ دیا۔

"ان کے لیے پہلے سے نیچے ہدایات دی جاتی ہیں۔ واپسی پر ان کا میزبان خود نیچے آکر انہیں کلیر کراتا ہے۔"

"کیا تمہیں یہ طریقہ تکلیف دہ اور غیر ضروری محسوس نہیں ہوتا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"شاید تھوڑا سا تکلیف دہ ہے مگر انتہائی ضروری ہے۔ اس عمارت میں آنے اور یہاں سے جانے والے ہر فرد کے لیے را کا کوئی نہ کوئی افسر یا اہلکار ذمے دار ہوتا ہے۔ اتنی احتیاط نہ کی جائے تو دشمنوں کا کوئی بھی ایجنٹ ملاقاتی بن کر اندر گھسے اور من مانی تخریب کاری کر کے خاموشی سے نکل جائے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔" وہ فخریہ لب و لہجے میں را کی حفاظتی پالیسی کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ مثبت باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔

"یہ بندوبست را کے دوسرے دفاتر میں کیوں نہیں ہے۔" میں نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پاکستان ونگ میں کچھ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا تم کو معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس نے محتاط الفاظ میں کہا "اب وہاں بھی لڑی نگرانی ہو رہی ہے۔"

ہم را کے دفتر آئے تو رینا خاموش اور شرمسار تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس وقت خاصی بے چین نظر آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جیسے وہ کچھ بتانا چاہ رہی ہو لیکن نہ بتا پا رہی ہو۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ عمارت سے باہر نکل کر ہم آزادی سے بات کر سکتے تھے۔

آتے ہوئے اس عمارت میں غیر معمولی رونق تھی نہ ہی کسی ویرانی کا احساس ہوا۔ سب کچھ جوں کا توں تھا۔ بنانے گراؤنڈ فلور کے کمپیوٹر پر مہمانوں سمیت اپنی واپسی کا اندراج کرایا اور ہم خنک عمارت سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچ گئے۔

"معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی نئی یا چونکانے والی بات ہمارے علم میں آئی ہے۔" فٹ پاتھ پر پہنچ کر میں نے نپی تلی انداز میں تبصرہ کیا۔

اس نے بے اختیار میری پسلیوں میں اپنی کہنی ماری "ابھی چپ رہو۔ تم چار بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں جاؤ گے۔ ہم انڈیا گیٹ پر اتر کر کہیں بیٹھیں گے تو یہ باتیں ہوں گی۔" اس کی بے چین آنکھیں کسی خالی ٹیکسی کے انتظار میں چکرا رہی تھیں۔

نریش کی ہدایت پر ہمیں بارہ بجے اپنے ہوٹل سے باہر ہانکا گیا تھا۔ رینا چار بجے کے بعد واپسی کی خبر سنا رہی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ را والے ہماری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ہمارے دونوں کمروں میں گھسے ہوئے تھے۔ انہیں ایک مرتبہ پھر کسی مشتبہ سراغ کی تلاش تھی۔

واپسی کے لیے رینا نے مختلف راستہ اختیار کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس علاقے میں جا بجا غیر ملکی مشن اور بین الاقوامی اداروں کے دفاتر قائم تھے۔ میرے استفسار پر رینا نے بتایا کہ وہ دہلی کا لودھی اسٹیٹ کا علاقہ تھا جسے اپنی سیاسی اور سفارتی اہمیت کی بنا پر دہلی کا قلب کہا جا سکتا تھا۔

لودھی اسٹیٹ میں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عالی شان عمارتوں کے سائے سے گزرتی ہوئی ٹیکسی نے کچھ دیر بعد ہمیں انڈیا گیٹ کے علاقے میں اتار دیا۔

"ہاں۔ تم کیا بتا رہی تھیں؟" غزالہ نے ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی رینا سے سوال داغ دیا۔

رینا نے اسے گھور کر کہا "صبر سے کام لو۔ بات لمبی ہے۔ کہیں سبزے پر بیٹھ کر کی جائے گی۔"

وہ ایک وسیع علاقہ تھا جو سرسبز قطعات، عمارات اور یادگاروں سے بھرا ہوا تھا۔ رینا ہمیں امر جیوتی نامی جنگی یادگار کے سائے میں پھیلے ہوئے وسیع سبزہ زار میں لے گئی جہاں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر کوئی گوشہ عافیت تلاش کر سکتے تھے۔

انل بسوا اس سے ملاقات کے چکر میں ہم تینوں کا دوپہر کا کھانا گول ہو چکا تھا۔ باقاعدہ لنچ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ غزالہ نے راہ میں آنے والی دکانوں اور ٹھیلوں سے کچھ نمکین اور چٹپٹی چیزیں خرید لیں جو ہماری آتشِ شکم سرد کر سکتی تھیں۔

"تم میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ تم چاٹ کھانے کے ساتھ بات بھی کر سکتی ہو۔" ایک صاف ستھرے کونے میں بیٹھنے کے بعد بھی جب رینا نے زبان نہیں کھولی تو مجھے اس کی بے پروائی پر غصہ آنے لگا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ آج کی ملاقات کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے۔" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔

"تمہارے انکل نے ہمیں یہ بتانے کے لیے بلوایا تھا کہ کل ہماری نظر بندی کی آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ہم آزاد ہوں گے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں بلانے کا یہ سبب بھی ہو مگر اتنی سی بات فون پر بتائی جا سکتی تھی۔"

"منہ کھول کر بات کرو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"کچھ وقت ہوٹل سے لودھی اسٹیٹ پہنچنے میں برباد ہوا پھر چالیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ ڈھائی بجے سے پہلے دوبارہ تم سے نہ ملوں۔ اب بتایا گیا ہے کہ تم دونوں کو چار بجے کے بعد ہوٹل پہنچنا چاہیے۔ ان باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"ہمیں چار گھنٹے تک ہوٹل سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "شاید ہمارے کمروں کی تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"وہ بھرا پرا مکان نہیں، ہوٹل کا کمرا ہے اس کی تلاشی کے لیے پندرہ بیس منٹ کافی ہیں۔"

"اوہ! تو کیا ان کمروں کو بگ کیا جا رہا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم واقعی شیطانی دماغ کے مالک ہو۔" رینا تھکے ہوئے انداز میں ہنس دی "میں نے ہیڈ کوارٹرز میں اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ مجھے تجسس تھا کہ تم دونوں کو دیر تک کیوں روکا جا رہا ہے۔ اب اس کمرے میں بہت محتاط رہنا۔ وہاں مائیکرو فونز کے ساتھ کیمرے بھی لگائے جا رہے ہیں۔"

"کیمرے!" غزالہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "ہم وہاں بم تو نہیں بنا رہے جو کیمروں کی ضرورت ہو۔"

"تھوڑی دیر کے لیے تم چپ رہو۔" میں نے غزالہ کو خاموش کر دیا "یہ سنگین معاملہ ہے۔ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم بات کی تہ تک نہیں پہنچے۔" رینا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بیلا سنگھ ناکام ہو چکی ہے مگر را کو تمہارے خلاف کچھ مضبوط مواد درکار ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ تیاریاں تمہاری اور غزالہ کی ویڈیو فلم کے لیے ہیں۔ تم دونوں جہاں بے تکلف ہونے کی کوشش کرو گے، خودکار کیمرے چل پڑیں گے۔"

"سور کے بچے!" میں مٹھیاں بھینچ کر غرایا "اب وہ اتنی پست سطح پر آ گئے ہیں۔"

"یہ ان کی ضرورت ہے۔ شاید تم دونوں کو آزادی کی خبر اسی نیت سے دی گئی ہے۔ تم دونوں دہلی میں اپنی آخری دو راتوں کو یادگار انداز میں منانا چاہو گے اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ اب وہ کمرا تمہارے لیے قید خانہ بن جائے گا۔"

رینا کی بتائی ہوئی تفصیل سمجھ میں آتے ہی غزالہ کا چہرہ فق ہو گیا "کیا انہوں نے دونوں کمروں میں کیمرے لگائے ہیں؟"

"اس وقت یہ کام جاری ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ انہوں نے ایک کمرا منتخب کیا ہے یا دونوں کمروں میں کام ہو رہا ہے۔"

"وہ ہمارے سانسوں کی آوازیں ریکارڈ کر لیں گے، تصویریں بنا لیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ابھی ہوٹل پہنچتے ہی کمرے بدلوا لوں گا بلکہ ہوٹل ہی تبدیل کر لوں گا۔ وہ کہاں تک میرا پیچھا کریں گے۔" میں نے غصے سے بپھر کر کہا۔

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" رینا نے گھبرا کر میری آستین تھام لی "ابھی تک انہیں مجھ پر شبہ نہیں ہوا کہ میں نے بیلا سنگھ کے بارے میں تمہیں پہلے سے خبردار کر دیا تھا۔ تم نے آج کمرے تبدیل کیے تو ہر بات ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ میں برباد ہو جاؤں گی۔ میرے ساتھ تم بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔"

"تم چاہتی ہو کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے ان کے جال میں پھنس جائیں!" غزالہ نے نرمی سے پوچھا۔

"میں تمہیں پھنسوانا نہیں چاہتی۔ تم دونوں میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دو راتیں ان ہی کمروں میں گزار لو۔ ایک دوسرے سے دور رہو۔ فون پر بھی محتاط رہو۔ میں تم سے نہیں ملوں گی۔ تم کوئی غلط قدم اٹھائے بغیر ان کے نئے منصوبے کو ناکام بنا سکتے ہو۔"

اس وقت طبیعت کے اچانک ابال نے شاید میرے ذہن کو ماؤف کر دیا تھا کہ ایک سامنے کی بات میرے دماغ میں نہ آ سکی۔ رینا کی رائے صائب تھی۔ ہمیں کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرنے یا کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تقریباً چالیس گھنٹوں کی احتیاط کے بعد ہم انہیں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی نیک نیتی تھی تو اگلی رات کے بعد ہمیں آزادانہ نقل و حرکت کی چھوٹ مل جانی چاہیے تھی۔

خرابی یہ تھی کہ ان کا تعلق را سے تھا۔ ان کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ رینا خود اس اندیشے کا اظہار کر چکی تھی کہ انہوں نے ہمیں دو راتوں کے لیے اچھے مواد میں لانے کے لیے وہ مفروضہ خوش خبری سنائی تھی۔ میں نے رینا کی متبادل تجویز پر چند ثانیوں تک غور کیا اور اس کے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

میرا دل ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ بری لڑکی بہت نیک جذبے سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی جبکہ میں نے اس پر کوئی بڑا احسان نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف اتنا وعدہ کیا تھا کہ میں رامی کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں مجھے اس سے پتا چلا تھا.... تاکہ اس کی ملازمت پر کوئی آنچ نہ آئے اور وہ اپنی بیمار ماں کے علاج کے لیے روزگار سے لگی رہے۔

وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن اس نے رینا کے دل کے نہاں خانوں کو کچھ اس طرح چھیڑا تھا کہ اس کے بعد سے وہ مسلسل میرے کام آ رہی تھی۔ میں یہ سوچ کر لرز اٹھا تھا کہ را والے میری بے خبری میں میری اور غزالہ کی خلوت کی فلم بندی کی تیاری کر چکے تھے۔ رینا کام نہ آتی تو میرے لیے را کے کھودے ہوئے اس گندے اور گہرے گڑھے سے بچنا محال تھا۔

رینا کی تجویز متبادل نہیں تھی۔ وہ میری نجات کا واحد راستہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں بھارت میں رہتے ہوئے، را کے کسی خارش زدہ کتے سے بھی ظلی محاذ آرائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے اس کے اثرات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

اگلے چالیس گھنٹوں کے لیے ہمیں سب کچھ بھول کر یہ یاد رکھنا تھا کہ میرا نام مظہر خان تھا اور وہ غزالہ تھی۔ ہماری زبانوں پر آئی بی، اول خان، ویرا اور ڈینی جیسے ممنوعہ نام نہیں آنے چاہیے تھے۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس سے میں نے روانگی سے پہلے نجات حاصل کر لی تھی۔ فون کے استعمال میں سخت احتیاط ضروری تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے ہمارے معمولات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

اہم ترین نقصان یہ تھا کہ آئی بی کے تینوں آدمیوں سے میرا ہر قسم کا رابطہ منقطع ہو جاتا۔ وہ لوگ نئے حالات سے بے خبر تھے۔ ان کو یہ بتانا ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں کیونکہ کمرے میں ابھرنے والی ہر بات سنی یا ریکارڈ کی جا رہی ہو گی۔

اس چکر میں مجھے انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا کام ادھورا رہتا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنی جان پر کھیل کر ہر کام کر سکتا تھا لیکن دہلی کے پُر پیچ اور اجنبی راستوں کو جاننا میرے لیے ناممکن تھا۔ شہر میں اپنے کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے کسی رہنما کی ضرورت تھی۔ ایسا آدمی آئی بی کا کوئی رکن ہی ہو سکتا تھا۔

اندازہ

ایک نہایت وہمی مریض دوڑتا اور ہانپتا کانپتا ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا اور بولا "ڈاکٹر صاحب! مجھے جگر کی ایک مہلک بیماری لاحق ہو گئی ہے...." اس نے بیماری کا نام بتایا۔

ڈاکٹر صاحب منہ بنا کر بولے "کیا بے وقوفی کی بات ہے ...! تمہیں بھلا ٹیسٹ وغیرہ کے بغیر کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ بیماری ہے.... کیونکہ اس میں نہ تو درد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے۔"

"انہی باتوں سے تو میں نے اندازہ لگایا ہے" مریض بولا۔

"اب یہی کیا جائے گا۔" میں نے نرمی سے رینا کو جواب دیا "تم غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھو۔ میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔" رینا نے پریشان ہو کر پوچھا پھر مدد کے لیے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"اب میں ہوٹل کے فون سے بے فکر ہو کر بات نہیں کر سکتا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا "بس ایک دو فون کر کے آتا ہوں۔"

غزالہ بھانپ گئی کہ میں کسے فون کرنے جا رہا تھا۔ اس نے رینا سے سفارش کی "انہیں جانے دو۔ یہ تمہاری بات مان چکے ہیں۔ کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

میں ایک طرف ہو لیا جہاں دور سے ایک فون بوتھ لگا ہوا نظر آ رہا تھا۔

قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ وہ کارڈ فون تھا۔ آس پاس ایسی کوئی دکان نہیں تھی جہاں سے فون استعمال کرنے کے لیے کارڈ خریدا جاتا۔ مجھے خاصی دور پیدل چلنا پڑا۔ کارڈ خریدنے کے بعد مجھے قریبی فٹ پاتھ پر بھی ایک بوتھ نظر آیا لیکن اس کے قریب لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میں سرلا کے فون پر کسی آئی بی ایجنٹ سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں کارڈ جیب میں ڈال کر پہلے بوتھ کی طرف لوٹنے لگا۔

وہاں میدان صاف تھا۔ میں نے سلاٹ میں کارڈ لگا کر

Downloaded from https://paksociety.com

سرلا کا نمبر ملالیا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا سنیل تھا۔

"گوپال کہاں ہے۔ مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "ہمارے ہوٹل کے کمرے خطرناک ہوگئے ہیں۔ ہمیں وہاں سے ہٹا کر بگ اور کیمرے لگائے جارہے ہیں۔ اب کوئی مجھ سے وہاں رابطہ نہیں کرے گا۔ میں اس وقت ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔"

"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہوٹل کے قرب وجوار میں موجود ہو۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"تلاش کرو اور اسے اسی نمبر پر رہنے کے لیے کہہ دو۔ میں رات سے پہلے دوبارہ فون کروں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے میں من وعن اس تک پہنچادوں گا۔"

"سب سے پہلے مجھے بنگو کے رابطے درکار ہیں۔ وہ کہاں اور کیسے قابو میں آئے گا۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

"یہ اسی سے معلوم ہوسکے گا۔" سنیل کی آواز سے شرمندگی کا اظہار ہورہا تھا۔

"میں کسی وجہ سے دوبارہ فون نہ کرسکوں تو اسے یہ ضرور بتادینا کہ وہ کل رات گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ایک گاڑی کے ساتھ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود رہے اور ہمارا انتظار کرے۔ وہاں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ اسے خود ہمیں پہچاننا ہوگا۔"

"میں اسے بتادوں گا۔ کیا تم نے یہاں سے نکل جانے کا کوئی منصوبہ بنالیا ہے؟" وہ میرا پیغام سن کر شاید پریشان ہوگیا تھا۔

"ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ جو ضروری باتیں یاد آرہی ہیں وہ دہرا رہا ہوں۔ ہر بات بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"

"تم دو منٹ بعد دوبارہ فون کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" سنیل کی آواز پرجوش ہوگئی۔

وہ فون پر اپریٹس کا نام نہیں لینا چاہ رہا تھا مگر میں سمجھ گیا کہ شہر کی سڑکوں سے آرک کی گاڑیاں ہٹائے جانے کے بعد انہیں رابطوں کی آزادی میسر آگئی تھی۔ وہ لاسلکی رابطے کے ذریعے ذرا سی دیر میں پتا چلا سکتا تھا کہ گوپال اس وقت کہاں تھا۔

میں فون بند کرکے بوتھ سے باہر آگیا اور سگریٹ سلگا کر چہل قدمی کے انداز میں ایک طرف ہولیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کئی باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہورہی تھیں جن کے تجزیے کے لیے گوپال سے رابطہ ضروری تھا۔

پندرہ بیس قدم دور جانے کے بعد میں واپس ہولیا۔ اپریٹس پر گوپال کا پتا لگانے کے لیے چند لمحے کافی تھے۔ بوتھ کے قریب میں نے ادھ جلی سگریٹ زمین پر پھینک کر مسل دی اور اندر داخل ہوکر دوبارہ سنیل کا نمبر ملالیا۔

"وہ دوپہر سے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس وقت وار میموریل کے ویران گوشے میں بینچ پر بیٹھا ہوا ہے اور تم کو دیکھ رہا ہے۔ بوتھ سے نکل کر تم نے سگریٹ سلگائی تھی اور ٹہلنے لگے تھے۔"

"ویل ڈن۔ اگر اس سے رابطے میں دقت نہیں ہورہی تو اسے میری طرف بھیج دو۔ میں اس کا منتظر ہوں۔"

فون بند کرکے میں باہر نکلا تو میری متجسس نظریں دور دور تک دوڑ رہی تھیں پھر میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سرسبز میدان کے ایک دور افتادہ گوشے سے فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ یوں اپنے چہرے کے قریب اٹھایا ہوا تھا جیسے کسی جیمز ٹرانزسٹر سے کان لگا کر خبریں یا کنٹری سننے کی کوشش کررہا ہو۔ میں نے انگڑائی لینے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کا اشارہ دیا۔ گوپال کے ہاتھ فوراً پہلوؤں پر جھول گئے۔

ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے درمیان میں یکجا ہوگئے۔ دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے کھلے پارک میں دھوپ کی تیزی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ لوگوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سایہ دار جگہوں پر کہیں کہیں لوگ بیٹھے سستا رہے تھے جن میں بعض سفید فام سیاح تھے۔

"تم ان کے ہیڈ کوارٹرز کس لیے گئے تھے؟" قریب آتے ہی عابد نے حیرت سے پوچھا "میرا دم نکل گیا تھا۔ تم پونے تین گھنٹے بعد وہاں سے نکلے تھے۔"

"ہمیں لے جایا گیا تھا۔ کل ہماری قید کی آخری رات ہے۔ اگلی صبح ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔"

شاید سنیل نے اسے ہوٹل کی گڑبڑ کے بارے میں بتادیا تھا۔ اس کا اگلا سوال اسی بارے میں تھا۔ میں نے اختصار سے اسے سب بتادیا۔

"تم سی ایس ڈی مجھے دے چکے ہو۔ ہوٹل میں فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" باتوں کے دوران وہ مجھے اسی محفوظ گوشے کی

Downloaded from https://paksociety.com

ف لے جارہا تھا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ مجھے بھی پورے
ان میں وہ سایہ دار جگہ زیادہ موزوں نظر آرہی تھی۔
"مہلت پوری ہوتے ہی انل کو مارنا اور یہاں سے نکل
۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ مجھے پروا نہیں
ں۔"
"ہوٹل میں ایسی سخت نگرانی کا بندوبست ہورہا ہے تو وہ
ل کے باہر بھی تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم ان
۔"
میں تلخی سے ہنس پڑا اور اس کی بات کاٹ کر بولا "وہ جو
ہ چاہتے ہیں' انہیں میرے کمرے یا بستر سے مل سکتا ہے۔
وہ پیچھا نہیں کریں گے۔ اس وقت کوئی میرے تعاقب
ں لگا ہوا ہوتا تو تم شاید بھول کر بھی میرے قریب نہ
تے۔"
"ہاں!" اس نے اعتراف کیا "کسی نے تم تینوں کا پیچھا
ں کیا۔ میرا خیال تھا کہ تم واپس ہوٹل جاؤ گے۔ یہاں
تے میں کیوں اتر گئے۔"
"یہاں اترنے کے بعد ہی یکایک میری معلومات میں
افہ ہوا ہے۔ رینا مجھے ہیڈ کوارٹرز میں کچھ بتا سکتی تھی نہ
تے میں بات کرنے کا موقع تھا۔"
"اوہ! تو یہ تازہ ترین معلومات ہیں جو تم تک پہنچی
۔" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سمیٹ
کہا۔
"یہ مجبوری بھی تھی کہ اسے ہم کو چار بجے تک ہوٹل
دور رکھنا ہے۔ میں کل رات ہی انل پر وار کرنا چاہتا
!"
"کل کے بجائے پرسوں پر رکھو۔" اس نے مشورہ دیا
ں کی نیت جو بھی ہو۔ تم کو دیا ہوا وقت سکون سے پورا کرنا
یے۔ تم نے اپنی واپسی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"
"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ انل پر کہاں وار کیا جائے
"
"رات کے وقت اسے گھر ہی گھیرا جاسکتا ہے۔ قرول
کے علاقے میں تم اس کا گھر پہلے ہی دیکھ آئے تھے۔"
وہ واقعی آئی بی کا ذہین آدمی تھا۔ میں نے کہا "میں نے
ضرور دیکھا تھا مگر میں اپنے طور پر دوبارہ وہاں پہنچ سکتا
ں نہ وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی محفوظ راستہ اختیار کرسکتا
۔ اس رہنمائی کا فریضہ تم کو انجام دینا ہوگا۔"
"وہ سب ہوجائے گا۔" عابد کے مختصر سے بے پروایانہ
ب نے مجھے حیران کردیا۔ وہ لوگ بھارت میں کسی بھی غیر

عادت

ایک دعوت میں ایک ٹی وی اناؤنسر کو آخر میں
مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تو
اس نے یوں خطاب کیا۔
"خواتین وحضرات! کھانا خانساماں اور نوکروں
کے تعاون سے پیش کیا گیا.... مین اسپانسر تھے اہل
خانہ خورشید صاحب.... ان کے ساتھ دیگر اشتراک
میں شامل تھیں ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادیاں
.... اب ضیافت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔ امید ہے
اگلے ماہ پھر اسی وقت' اسی جگہ ملاقات ہوگی.... تب
تک کے لیے خدا حافظ۔"

ضروری تصادم سے بچ کر صرف اپنا کام پورا کرنے کی پالیسی پر
سختی سے کاربند تھے۔ اس میں غیر ضروری تشدد یا دہشت
گردی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے دونوں
ساتھیوں کے ہمراہ را کے پاکستان ونگ میں جو کچھ کیا وہ بھی
اسی پالیسی کے مطابق تھا۔ ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کے
حصول کا ہدف دیا گیا تھا۔ ناگر نے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے
کی کوشش کی اور عابد نے اس موذی رکاوٹ کو دور کرنے میں
پوری مستعدی سے میرا ساتھ دیا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا
وہ شماد تیں مٹانے اور چوری کو چھپانے کے لیے ضروری تھا۔
نریش کے دفتر میں بھڑکنے والی آگ کے شعلے سب کچھ نگل
گئے تھے۔ راوالوں کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ ان کے ہاتھ سے
کیا کچھ نکل گیا تھا۔
اگر عابد' انل بساس کے قتل میں میرا ساتھ دینے کے
لیے آمادہ تھا تو وہ بھی اس کا ہدف رہا ہوگا۔ ایسا ہونا بعید از
قیاس نہیں تھا کیونکہ انل بساس کو ٹھکانے لگانے کی تجویز
نے سب سے پہلے جلال کے ذہن میں جنم لیا تھا اور اس کا
شمار آئی بی کے بڑوں میں ہوتا تھا۔
"تم یہ بتاؤ کہ اس واقعے کے بعد تم کہاں پناہ لو گے۔"
عابد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"پناہ لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم رات کی

Downloaded from https://paksociety.com

پروازپر امرتسر کے لیے میرا اور غزالہ کا ٹکٹ تیار رکھو گے۔ ہم قرول باغ سے سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائیں گے۔"

"امرتسر سے آگے کا سفر خطرناک ہوسکتا ہے۔ انہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ وہ اٹاری پر تمہیں پکڑلیں۔"

"ہم جس طرح آئے تھے اسی طرح رات کے اندھیرے میں سرحد پار نکل جائیں گے۔ اس کام میں بنگو ہماری مدد کرے گا۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "تم نے پہلے ہی سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم انل کے قتل کے بعد چند گھنٹوں میں سرحد پار کرلیتے ہو تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔"

"یہ کام تمہارے مشورے کے مطابق پرسوں کرلیا جائے گا لیکن تم کل رات ہوٹل کی پارکنگ میں مجھ سے ضرور ملو گے تاکہ باقی تفصیلات طے کی جاسکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ راضی ہوگیا "میں اس کے گھر کا قریب سے جائزہ بھی لے لوں گا۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اس موذی کے سوا کسی اور کو خراش بھی نہ آئے۔ اس کے گناہوں کی سزا اس کے گھر والوں کو نہیں ملنی چاہیے۔"

"اس معاملے میں میں تم سے زیادہ نرم دل ہوں۔" میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا پھر رینا اور غزالہ کی طرف ہولیا۔

میں نے ان سے ٹیلی فون کال کے بہانے کافی وقت لے لیا تھا۔

میں عابد سے ملاقات کرکے واپس لوٹا تو وہ دونوں اپنی شکم پری سے فارغ ہوچکی تھیں اور باتوں میں مصروف تھیں۔ انہیں سرے سے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ میں کتنی دیر کے بعد فون کرکے واپس لوٹا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی رینا نے پوچھا "تم فون کر آئے؟"

"ایک جگہ بات ہوگئی۔ دوسرا موجود نہیں تھا۔" میں نے منہ لٹکا کر کہا "اس کے لیے از سرِنو کوشش کرنی پڑے گی۔"

"تمہارا کمرا خطرناک ہوگیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ تم دن رات اسی میں قید رہو۔ دن کا وقت باہر کی فضا میں گھوم پھر کر گزارو اور رات گئے سونے کے لیے اس کمرے میں پہنچ جاؤ۔ کسی سے بات کرنے کے لیے ہوٹل میں اور اس سے باہر جگہ جگہ پبلک فون بوتھ موجود ہیں۔ تمہارے دو دن ایسے گزر جائیں گے کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" رینا نے اپنی دانست میں مجھے اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔

"اب یہی کرنا ہوگا۔ چار بج رہے ہیں۔ کیوں نہ واپسی کی فکر کی جائے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

رینا نے اپنی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہاں سے ہم دونوں کو ہوٹل جانا تھا۔ رینا نے پوری ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں چار بجے تک ہوٹل سے باہر روک لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چاہے تو ہمارے ساتھ ہوٹل جانے کے بجائے وہیں سے اپنی راہ ہولے لیکن وہ اپنی ڈیوٹی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہم تینوں سرسبز میدان سے قریبی سڑک تک آئے اور ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہوکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔

"میں کل کسی وقت تم سے ملنے آؤں گی۔ تم ہوٹل میں کب مل سکتے ہو؟" راستے میں رینا نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "کل کیا کام ہے تمہیں؟"

"کام کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ معمول میں کوئی فرق آئے۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بار تم سے مل چکی ہوں۔ کل ہمیں مل بیٹھنے کا آخری موقع ملے گا۔ اس کے بعد پتا نہیں کہ تم کہاں ہوگے۔ ہماری شاید اگلی ملاقات ہی نہ ہو۔"

"شام کو چار سے چھ بجے کے درمیان میں ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے کردیا۔

"اور ہاں!" رینا کو اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "یہ یاد رکھنا کہ تم نے آج کی ملاقات میں ہونے والی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔ سارا وقت ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہمارے درمیان رسمی شناسائی کے حوالے سے یہ بات بہت ضروری ہے۔"

"تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی اہم ثابت ہوسکتی ہیں۔"

ایک مرتبہ پھر ٹیکسی میں خاموشی چھاگئی۔ وہ مشینی سواری ہمیں تیزی کے ساتھ دہلی کے کناٹ پلیس کی طرف لیے جارہی تھی جہاں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے دو کمروں میں رہائش والوں نے ہمارے لیے نئے چوہے دان تیار کیے ہوئے تھے

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

لاہور میں جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی لگن میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر نقب ان لوگوں کے استحصال میں اضافہ کررہا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ پر مامور ہونے کے بعد ان لوگوں نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیے جاں بازوں کی ایک ایسی پُراسرار فارمیشن کا مقابی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی روبی ابھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ وہ میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فوٹا ہی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمرک بیبل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پُراسرار ہلاکت کے بعد آمرک بیبل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی برباد یوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے انعقاد ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کو کامیابی سے ہم کنار ہوتا دیکھ کر ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی ہی میں ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی داؤ پیچ اجاگر ہوئے۔ اس کا کارندہ ھرنا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار یوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد لطریف بھی اندرون ملک اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ سست کا یکیاں اٹکا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد لطریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مادھوتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں نزدیک کے ساحلی شہر میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بساوا سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود ہیمر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ شک گزرا تھا' اس لیے وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی دہلی پہنچ گی

رینا ہمیں ٹیکسی سے ہوٹل کے برآمدے میں اتار کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ اپنے بڑوں کی ہدایت کے مطابق اس نے ہمیں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سے را کے صدر دفتر پہنچایا۔ ہماری طے شدہ ملاقات جلد ختم ہوجانے کے باوجود ڈھائی بجے تک ہمیں وہاں اپنے انتظار میں روکے رکھا۔ وہاں سے نکلی تو چار بجے تک ہمیں انڈیا گیٹ کی "سیر" کراتی رہی۔ اس نے ہر کام دیے ہوئے شیڈول کے مطابق سرانجام دیا تھا۔

رینا اجیت رائے بھارتی سیکرٹ سروس کی ایک خوبرو کارکن تھی مگر میں نے اپنے ایک فیصلے سے اس کی ہمدردیاں جیت لی تھیں۔ بھارت کی دشمن سرزمین پر اس وقت وہ ہماری سب سے بڑی ہمدرد اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔

میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا چاہتا تھا۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور را کے درمیان قریبی رابطوں کے بارے میں رینا نے کسی قسم کی تصدیق کی تھی۔ یوں رینا کی ملازمت اور مستقبل پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ مجھ سے محض اسی تعاون کی خواہاں رہی تھی۔

وہ مطلب پورا ہوجانے کے بعد رینا کو مجھ سے مزید کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ اگلی رات گزرنے کے بعد ہمیں را والوں کی طرف سے آزادی کی خوش خبری سنادی گئی تھی۔ وہ چاہتی تو ہمارے سامنے اپنی زبان بند رکھتی' ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور چار بجے کے بعد ہمیں ہوٹل پہنچادیتی۔ اس پر ہمارا کوئی اخلاقی زور تھا نہ ہمیں شبہ تھا کہ وہ ہم سے کوئی بات چھپا رہی تھی۔ ہم آسانی کے ساتھ بھارتی سیکرٹ سروس والوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے۔

مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے رینا کے ساتھ جس انداز میں ہمدردی اور یک جہتی کا اظہار کیا تھا' وہ براہِ راست اس کے دل پر اثر انداز ہوا تھا۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں اور پابندیوں سے تجاوز کرکے مسلسل ہماری مدد کرتی چلی آرہی تھی۔ اگر وہ ہمیں نہ بتاتی کہ ہمیں اپنے کمروں سے دور رکھ کر وہاں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون نصب کیے جارہے ہیں تو ہمارے فرشتوں کو بھی اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہوٹل کا برآمدہ طے کرتے ہوئے وہ خیال میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ ہم آزاد اور کھلی فضا کو خیرباد کہہ کر ایک ایسے قید خانے کی طرف پیش قدمی کرنے پر مجبور کردیے گئے تھے جہاں ہماری ہر حرکت اور آواز دشمنوں کی دسترس میں تھی۔

"مجھے کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت ہورہی ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی دھیمی اور تشویش زدہ آواز آئی۔

"مگر یہ مجبوری ہے۔ اگلے اڑتیس' چالیس گھنٹوں تک ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"گونگا اور بہرا بن کر رہنا میرے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہمیں رینا سے زیادہ خود کو بچانا ہے۔ انہیں یہ بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو ان کی سازش کا علم ہوچکا ہے' ہمیں آپس میں معمول کے مطابق بولنا چالنا ہوگا تاکہ وہ اطمینان سے بیٹھے ہمارے کمزور لمحوں کا انتظار کرتے رہیں۔"

"ہم کیا باتیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "اس وقت ہمارے ذہنوں میں جو کچھ موجود ہے' اس کا زبان پر آنا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اس وقت میں گفتگو کے موضوعات کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے لگا ہوا وال کلاک شام کے ساڑھے چار بجانے والا تھا۔ ہمارے کمروں کی چابیاں کی بورڈ پر موجود تھیں۔ را والوں نے اپنے مقررہ وقت میں کام پورا کرکے چابیاں ہوٹل کے عملے کو لوٹادی تھیں۔

دونوں چابیاں لے کر ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

غزالہ کے لیے ہوٹل میں لیا ہوا اضافی کمرا ابتدا سے ہی ہمارے کسی خاص مصرف میں نہیں تھا۔ اس نے اپنی چابی بیگ میں ڈال لی۔ اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے اپنے دروازے کا قفل کھولا تو ہر نشیب و فراز پر غور کرلینے کے باوجود میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ دشمن کے نصب کیے ہوئے خفیہ کیمروں کی زد میں شب و روز گزارنے کا تصور کسی بھی طرح امید افزا نہیں تھا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر چوکنا ہوگیا تھا۔ کمرے میں ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ موجود تھی۔ بستر پر نئی اور بے داغ چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے روم سروس کے عملے نے اپنے معمول کے مطابق پوری چابک دستی اور مہارت سے کمرے کی صفائی اور تزئین کی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

کہیں بھی کسی افراتفری یا تلاشی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ را والوں نے ہماری غیر حاضری میں صرف آلات کی تنصیب کا کام نہیں کیا ہوگا بلکہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے کمرے کی بھرپور تلاشی بھی لی ہوگی۔ وہ لوگ آخری لمحے تک ہر پہلو کو پرکھنے کے عادی تھے۔ نریش شرما نے غزالہ سے پتے کی بات کہی تھی کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ شاید ان کی حکمتِ عملی کا بنیادی پتھر وہی نکتہ تھا جس پر عمل کرکے وہ کامیابیاں حاصل کرتے تھے۔

رینا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' اس سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے اپنی پیشہ ور طوائف کی ناکامی کے بعد میری اور غزالہ کی خلوت کی مصروفیات کی فلم بندی کا تہیہ کرچکے تھے۔ ان کے نصب کیے ہوئے کیمرے بہت زیادہ حساس اور خود کار ضرور ہوسکتے تھے لیکن ان کا دائرہ پورے کمرے پر محیط نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا کے ساتھ ہونے والے پہلے رنگین و سنگین تجربے کے بعد مجھے اس کی زبانی معلوم ہوچکا تھا کہ خفیہ کیمرے بستر کے مخصوص حصوں پر مرکوز کیے گئے تھے اور رینا نے اپنی ہر بے اعتدالی کے باوجود مجھے بستر کے ان حصوں تک محدود رکھنے کی کامیاب کوششیں کی تھیں۔

را والوں کو رینا کے کمرے میں وہ رقت پیش آسکتی تھی تو میرے کمرے کی صورتِ حال بھی مختلف نہیں ہوسکتی تھی۔ بستر پر پہنچنے کے بعد ہی ہم دونوں ان کے لگائے ہوئے کیمروں کی زد میں آسکتے تھے۔ میں نے کمرے میں گھستے ہی دہری اور شاہانہ مسہری کے اوپر' فالس سیلنگ کی طرف دیکھا اور اس میں مجھے آسانی کے ساتھ وہ دو چھوٹے سوراخ نظر آگئے جو پہلے وہاں موجود نہیں تھے۔

کمرے کی چھت سے نیچے لگے ہوئے بڑے بڑے آرائشی ٹائلوں کے درمیان ایسی نفاست سے وہ سوراخ کیے گئے تھے کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دونوں سوراخوں میں کیمروں کے عدسوں کی چمک مفقود تھی۔ ان لوگوں نے کنکریٹ کی چھت اور فالس سیلنگ کے درمیان خلا کی تاریکی میں اپنے خود کار کیمرے اس طرح چھپائے تھے کہ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی ان کے عدسوں سے منعکس نہیں ہوسکتی تھی۔

ایسے نازک کام میں را والوں سے کسی اناڑی پن کی توقع عبث تھی۔ کیمرے پوری احتیاط اور مہارت سے چھپائے گئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں جدید انفراریڈ کیمرے رہے ہوں گے جو موہوم سی روشنی میں بھی واضح فلم بندی کرلیتے ہیں۔ ایسے کیمروں کی کارکردگی' تاریکی میں انسانی آنکھ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کمرے کی روشنیاں گل کرکے ہم بھی ان کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے رک کر اپنا وہ جائزہ مکمل کیا اور پھر تھکے ہارے انداز میں' جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوگیا۔

غزالہ سنبھل کر ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

مسہری پر میں کیمروں کی زد میں تھا۔ میں نے پہلو بدلتے ہوئے فالس سیلنگ کے دونوں خوف آور سوراخوں پر نظر ڈالی لیکن منقش اور سفید ٹائلوں میں بنے ہوئے سوراخوں کے پار پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" میں نے انڈین سیکرٹ سروس والوں کو سنانے کے لیے کسل مندانہ آواز میں غزالہ سے کہا "یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں لودھی اسٹیٹ سے پیدل چلتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"شاید آپ کے ذہن پر بوجھ ہے۔ ذہن بوجھل ہو تو بدن بھی تکان کا شکار ہونے لگتا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"را والوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بار بار میری طلبی کیوں ہو رہی ہے۔"

"یہ آپ کے اور ان کے معاملات ہیں' جن سے میں پوری طرح باخبر نہیں ہوں.... بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم میرے ساتھ نہ آئی ہوتیں تو کچھ بھی نہ ہوتا۔" میں نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"آج آپ پریشان ہیں لیکن کل خوش ہوں گے کہ نریش سے دوستی آپ کے دن پھیر دے گی۔" غزالہ کی آواز میں مصنوعی طنز ابھر آیا۔

غزالہ کو وہ جواب برجستہ اور برمحل سوجھا تھا۔ مجھے را والوں کو گمراہ کرنے کا ایک نادر موقع مل گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم کو معلوم ہے کہ را والے میری طرف متوجہ ہوچکے ہیں لیکن خرابی یہ ہے کہ نریش بار بار تیور بدل رہا ہے۔ کبھی وہ میرا ہمدرد اور دوست نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی دلائی ہوئی امیدوں میں میرے لیے سہانے مستقبل کا پیغام ہوتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ سفاک دشمن کا بھیانک روپ دھار لیتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ وہ رہ رہ کر میری طرف سے بدگمانی کا شکار کیوں ہو رہا ہے۔ آج اس نے مجھے آزادی کی نوید سنائی ہے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کی رات گزرنے سے پہلے حالات کیا کروٹ لیں گے۔ میں اپنی دنیا میں مگن رہنے والا ایک عام سا آدمی ہوں جسے تمہاری زلفوں کے گھنیرے سائے میں آسودگی ملتی ہے مگر نریش مجھ پر شبہ کرتا ہے جیسے میں کوئی تخریب کار یا دہشت گرد ہوں۔ وہ مجھ سے ایسے لہجے میں پوچھ گچھ کرتا ہے کہ میری روح کانپ اٹھتی ہے۔"

"شاید اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ وہ اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہے۔" غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا "پچھلے کئی دن سے یہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ راکے ایک دفتر میں آگ لگی' ان کا ایک بڑا افسر وہاں جل کر مر گیا پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک امریکی عہدے دار مار ڈالا گیا۔ نریش سرکاری افسر ہے۔ وہ دباؤ میں آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذمے داروں کا کھوج لگانا اس کے فرائض میں شامل ہو۔"

"اب بات چھڑ ہی گئی ہے تو تم یہ بتاؤ کہ اس نے مجھے اپنا ٹارگٹ کیوں بنایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سیدھی سے بات ہے۔ دہلی میں تم غیر ملکی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پاکستانی ہو۔۔۔۔"

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "اس وقت دہلی میں ہزاروں غیر ملکی اور سیکڑوں پاکستانی موجود ہوں گے۔ وہ ان سب کو بھول کر بار بار مجھے کیوں تنگ کرنے لگتا ہے۔ اس ایک نکتے نے میرا سکون غارت کیا ہوا ہے۔"

"وہ آپ کو ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی دوسرے پاکستانیوں سے بھی پوچھ گچھ کر رہے ہوں۔ آپ اس سے رابطے میں ہیں اس لیے وہ آپ کو خود ٹٹول رہا ہے۔ اگر وہ آپ کے دن پھیرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے آپ کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کا حق حاصل ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تمہاری برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"مجھ سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ رینا ہمارے ساتھ تھی اس لیے میں نے آپ سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ورنہ میں حیران تھی کہ آج مجھے کیوں بلایا گیا تھا۔ میں نے سارا وقت آپ کے انتظار میں اخبار بینی کرتے ہوئے گزارا۔ مجھ سے کسی نے سلام دعا تک نہیں کی۔"

"اٹل بسواس بہت گھاگ اور تجربے کار آدمی ہے۔ وہ تم کو دیکھنا اور پرکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے تم سے چند باتیں کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا کسی اور کو تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس نے میرے بارے میں اپنا اطمینان کر لیا' ہمیں کل رات آزادی کے بارے میں بتا دیا' آپ سے کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"شاید میں ابھی تک ڈیپریشن کے غلبے سے نہیں نکل سکا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "نریش نے مجھے پچھلی بار اس قدر دہشت زدہ کیا تھا کہ میں ابھی تک ہر بات کو اسی تسلسل سے دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ کے اس ڈیپریشن نے سب کچھ خراب کر دیا ہے۔ ہم یہاں تفریح کے لیے آئے تھے لیکن اب کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہتے ہیں۔ بستر پر بھی میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ بیزاری سے کروٹ بدل لیتے ہیں۔"

"میں خود بھی اپنی اس حالت سے خوف زدہ ہوں۔" میں نے اعتراف کرنے کے انداز میں جواب دیا "میرے جذبات سرد ہو چکے ہیں اور ذہن کسی تفریح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی ایک واقعہ انسان کو اس طرح منجمد اور بے حس کر سکتا ہے۔"

"جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اسے ایک خواب سمجھ کر بھولنے کی کوشش کریں۔ ہم دہلی میں دو تین راتوں کے مہمان ہیں۔ ہمیں یہ وقت خوش گوار انداز میں گزارنا چاہیے۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں انڈین سیکرٹ سروس کے ان روپوش کارندوں کے لیے امید کا پیغام پوشیدہ تھا جو ہماری مسہری پر لگے ہوئے پوشیدہ کیمروں سے کام لینے پر مامور تھے۔ میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میں خود بھی اس ٹرانس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ دعا کرو کہ یہ جمود ٹوٹ جائے۔"

جب تک ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں نہیں پہنچے تھے' پریشان تھے کہ صوت و صورت کو چرا لینے والے خفیہ آلات کی موجودگی میں ہم کیا کر سکیں گے لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میرا مقصد واضح تھا اور غزالہ بھی اتنی کند ذہن نہیں تھی کہ اس مقصد کے حصول میں میرا ساتھ دینے کی کوشش میں ناکام رہتی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

میں نے جوتے اتار دیے۔ کچھ دیر بعد غزالہ بھی بستر پر آ گئی۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اس کٹھن مرحلے پر انڈین

Downloaded from https://paksociety.com

سیکرٹ سروس کے کارندوں کو چڑانے اور سلگانے کی ایک بے داغ راہ نکال لی تھی۔

ان لوگوں کے لیے ہم دونوں میاں بیوی نہیں' ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ صحت و جوانی اور آشنائی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے کی فسوں خیز خلوت بھی میسر تھی مگر ہم نے درمیان میں مناسب فاصلہ برقرار رکھا تھا اور گفتگو کا موضوع میرے ڈیپریشن کے گرد گھوم رہا تھا۔

غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں خاموشی سے تازہ حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

اٹل بسواس اور نریش شرما سے کئی ملاقاتیں ہونے کے بعد' را کے دفتر میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ شکوک و شبہات سے دھندلائی ہوئی فضا میں مجھے گھیرنے کے دوران میں انڈین سیکرٹ سروس کے ذمے دار اہل کاروں کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ مظہر خان کے بہروپ میں ڈینی ان کے روبہ رو موجود تھا۔ انہیں مظہر خان کی اصلیت پر شاید شک ہوا ہو اور انہوں نے اپنے طور طریقوں سے اس کی تصدیق کر لی ہو لیکن بھول کر بھی ان کا ذہن میرے اصل نام کی طرف نہیں گیا تھا۔

محتاط انداز میں میرے ساتھ مراسم بڑھاتے ہوئے انہوں نے دہلی اور قرب و جوار کے علاقوں میں اپنے اس گمنام دشمن کی تلاش جاری رکھی تھی جو ناگر کے قتل' را کے دفتر میں آتش زنی اور جان اسمتھ کے خون کا ذمے دار تھا۔

ان وارداتوں کے بارے میں' میں نے رینا سے بھی کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ را کے بڑے عہدے دار کیا سوچ رہے تھے لیکن مقامی اخبارات میں آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جان کے پراسرار قتل اور را کے دفتر میں آگ لگنے کے واقعات کے بارے میں الگ الگ تفتیش کی جا رہی تھی۔ بظاہر وہ دونوں واقعات بے ربط تھے۔ ان میں کسی مشترکہ ہاتھ کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

اگر انہیں کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ڈینی کسی بدلے ہوئے روپ میں ان کی سرحدوں میں گھس آنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو پھر وہ دو ہی نہیں' دہلی میں رونما ہونے والے سارے تخریبی اور مجرمانہ واقعات میری ذات سے منسوب کر دیتے۔

وہ دہلی میں ڈینی کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ اٹل بسواس اور نریش شرما اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو بروئے کار لا کر یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ میں پرانی گاڑیوں کا ایک عیاش طبع پاکستانی کاروباری تھا جو کھل کر رنگ رلیاں منانے کے لیے اپنی داشتہ کے ساتھ دہلی آیا ہوا تھا۔

اپنی دانست میں انہوں نے پچیس ہزار روپے ماہانہ کے عوض مجھے خرید لیا تھا۔ مخبری اور جاسوسی کے ایسے معاملات میں عموماً سرمایہ ہی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ ضمیر فروش مخبر اپنی قیمت پر خریداروں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ خریدار مل جاتا ہے تو ذرا سے مول تول کے بعد کہیں نہ کہیں بات طے ہو جاتی ہے۔ کھرے کاموں کے برعکس ان کھوٹے کاموں میں زبان پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ دونوں فریق یہ جانتے ہیں کہ طے شدہ امور سے انحراف کی صورت میں کسی کو کوئی فیض حاصل نہیں ہو سکے گا۔ مخبر کو مقررہ معاوضہ نہ ملا تو وہ دشمن کے لیے جوابی مخبری شروع کر دے گا۔ مخبر نے غداری کی تو اس کے خریدار ہر قیمت پر اس تک پہنچ کر اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ یہ خوف تلوار بن کر ان کے سروں پر لٹکتا رہتا ہے اور اس کے سائے میں دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں۔

مگر میرے بارے میں را کا رویہ کچھ زیادہ ہی مختلف تھا۔ شاید انہوں نے میری زبان پر اعتبار تو کر لیا تھا مگر وہ میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد تیار کر کے مجھے بہت زیادہ بے دست و پا کر دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

نریش شرما نے میری اور رینا کی بہکی ہوئی خلوت کی ویڈیو فلم بنا کر اپنے اس مقصد میں عملی طور پر کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اپنے دفتر کی آگ میں وہ فلم گنوا دینے کے بعد اس نے مجھے بیلا سنگھ کے ذریعے دوبارہ پھانسنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے کسی مرحلے پر یہ اعتراف نہیں کیا کہ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی مگر اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے اس کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔

مجھے اور غزالہ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوٹل سے ہٹانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہمارے دونوں کمروں میں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون لگوا دیے تھے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں اس شدت سے مجھے بلیک میل کرنے کا خواہاں تھا۔

اس کا وہ اضطراب کسی غیر معمولی نکتے کی نشاندہی کر رہا تھا جو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

میں اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کی زد میں بے فکری سے اپنی مسہری پر دراز تھا۔ میں نے اپنی ساری توجہ اسی ایک نکتے پر مرکوز کر دی۔

دوسری سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد مجھے یوں

Downloaded from https://paksociety.com

محسوس ہوا جیسے میرے ذہن کے بعض دریچے یکایک کھل گئے ہوں۔

وہ میرے اوپر اپنی گرفت کو ہر اعتبار سے مضبوط اور فول پروف بنانے کا آرزو مند تھا تاکہ میرے انحراف کا کوئی بعید از قیاس امکان بھی باقی نہ رہے۔ ایسی گرفت کی خواہش اس بات کی غماز تھی کہ اس کی نظروں میں میری بہت زیادہ اہمیت تھی۔ را کے لیے ایک اجنبی بلکہ پاکستانی کی ایسی اہمیت اسی وقت ہو سکتی تھی جب اسے کوئی بڑا کام سونپنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہو۔

ایک بڑے کام کا ذکر اتنل بسواس اور نریش شرما کر چکے تھے۔ وہ ڈیٹی کی تلاش میں میری مدد کے خواہاں تھے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جو صیغہ راز میں رہا ہو۔ امریکا' بھارت اور پاکستان میں خفیہ ریاستی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ دونوں ممالک مجھے اپنا بڑا دشمن قرار دے کر ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لیے نریش شرما مجھے گھیرنے کی خصوصی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کام کسی خوف ناک تخریبی نوعیت کا ہو سکتا تھا جسے سرانجام دینا بھارتی ایجنٹوں کے بس سے باہر ہو۔ اس کی انجام دہی کے لیے را کو کسی زر خرید پاکستانی مخبر کی تلاش تھی جو ہر قیمت پر اپنے آقاؤں کے حکم کی بجاآوری کے لیے مجبور ہو۔

یہ را والوں کی کھلی بدقسمتی تھی کہ ایسے کسی نامعلوم مگر نازک اور اہم کام کے لیے قرعہ فال میرے نام نکلا تھا۔ بیس پر بس نہیں ہوئی تھی۔ مزید طرّہ یہ تھا کہ مجھے بھارت میں رہنا اجیت رائے جیسی لڑکی مل گئی تھی جو ہر قیمت پر میرا ساتھ دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میری اور غزالہ کی وہ گفتگو جاری رہی جو را کے کارندے ریکارڈ کر رہے تھے۔ غزالہ بڑی شدّومد کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ مجھے اپنے ڈیپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ہوٹل کے کمرے سے باہر گزارنا چاہیے جہاں قدم قدم پر انسان کا دل موہ لینے والی رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بحث برائے بحث تھی جس میں جیت غزالہ کی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے مسہری چھوڑ کر باہر نکلنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مجھے امید تھی کہ ہمارے کمرے میں ایک زبردست جال بچھانے کے بعد را کے ایجنٹ اپنی کامیابی کی امید میں بیٹھے رہیں گے اور دہلی کے بازاروں میں ہمارا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

باہر شام کا دھندلکا پھیل چلا تھا۔ ہوٹل میں ڈوبتے اندھیروں کے ساتھ زندگی کی رعنائیاں طلوع ہو رہی تھیں۔ روشنیاں اور بیش قیمت فانوس جگمگا اٹھے تھے لیکن ہوٹل کی اس کائنات میں سارا حسن صرف وجودِ زن سے تھا۔ ہمارے گردوپیش میں پھیلے ہوئے ماحول میں سے صنفِ نازک کو منہا کرنے کے بعد جو تصویر عجیب ویرانی سی دیکھ رہی تھی جس میں کوئی کیف تھا نہ کوئی رنگ۔

ہمارے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ ہمیں اپنے کمرے سے دور رہ کر صرف اور صرف اپنا وقت استعمال کرنا تھا۔ ہم نے مست خرامی کے انداز میں ہوٹل کے بار' ریستوران' بال روم اور ٹی شاپ کا ایک چکر لگایا پھر ایک طرف سے باہر نکلتے چلے گئے۔

دہلی کی وہ شام خاصی خوش گوار تھی۔ کناٹ پلیس روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دکانوں اور گزرگاہوں پر گھومتے کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ انسانوں کے اس سمندر میں رنگ رنگ اور بھانت بھانت کے لوگ تھے جو بے پروائی سے اپنی اپنی بولیاں بولتے گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں یورپ کے سفید فام بھی تھے اور کوچین ومدورائے کے گہری گندمی چہروں والے لوگ بھی نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں بے اختیار ایک خواہش ابھری کہ میں اس شخص کا ٹھکانا دیکھوں جو جامع مسجد کے علاقے میں ٹرانس میٹر استعمال کرتے ہوئے' آرک والوں کی مدد سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ہمارا اس ٹھکانے تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میرے قدم غیر ارادی طور پر اس شمالی راستے کی طرف بڑھ گئے جو رام لیلا گراؤنڈ سے ہوتا ہوا جامع مسجد کی طرف جاتا تھا۔

پرانی دہلی کی گنجان آبادیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد جامع مسجد کے نواح میں پہنچ گئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے اقتدار کی وہ پُرعظمت نشانی زمانے کے سرد وگرم کے باوجود اسی شان سے سربلند تھی۔ جذباتی غلبے کے عالم میں ہمارے قدم اٹھتے رہے لیکن جب ہم مسجد کے ملحق علاقوں میں پہنچے تو مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر میری نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

اپنی وضع قطع اور لباس سے مسلمان الگ پہچانے جارہے تھے۔ ہر طرف رونق اور گہما گہمی تھی مگر بیشتر چہروں پر عسرت وتنگ دستی کی نشانیاں ثبت تھیں۔ تھیلوں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں سے تنگ اور خستہ حال مکانوں تک ایک ہی کہانی نظر آرہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

شاید وہیں کے کسی تنگ مکان کے فراخ دل مکینوں کی پناہ سے آرک والوں نے اس شخص کو پکڑا تھا جو ٹرانس میٹر استعمال کر رہا تھا۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک اسی علاقے میں گھومتے رہے۔ اسی دوران میں موقع پا کر میں نے غزالہ کو ایک ہوٹل میں بٹھایا اور خود ایک قریبی پبلک بوتھ پر جا پہنچا جہاں سے میں غزالہ پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ کوئی ایمرجنسی نہ ہوئی تو اول خان اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوگا۔ میں نے کارڈلگا کر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر مجھے اول خان کی پُرسکون ہیلو سنائی دی جو یکایک ہیجان آمیز ہو گئی "ہیلو... یہ... یہ تم بول رہی ہو! کہاں ہو؟" شاید فون پر انٹرنیشنل کال ملنے کی مخصوص بیپ نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس کا دھیان براہِ راست میری طرف گیا تھا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ابھی تو صرف تمہارے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں کہاں بولا تھا..."

"تت... تم کہاں ہو...؟ خیریت سے ہو نا؟" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"میں وہیں ہوں۔ سب کچھ ٹھیک رہا تو شاید پرسوں لوٹ آؤں۔ اس گدھی سے کہہ دینا کہ اب مجھے فون کرنے کی حماقت نہ کرے۔"

"اس نے سنگین غلطی کی تھی اور پھر خود ہی سہم گئی۔ وہ ابھی تک پہلے پڑاؤ پر ہے۔" اول خان مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا رہا تھا "اس کے لائے ہوئے تحفوں نے ہر ایک کو حیران کر دیا ہے۔ وہاں اس کی زبردست آؤ بھگت ہو رہی ہے۔"

"زندگی رہی تو اب ملاقات ہی ہوگی۔" میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

ویرا نے میری کے نام سے مجھے فون کر کے واقعی سنگین حماقت کی تھی۔ اسے ایسی غلطی کے ارادے سے روکنا ضروری تھا۔ میں نے دہلی کی سیر کے دوران میں موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا ورنہ ہوٹل سے ایسے کسی رابطے کا تصور ہی محال تھا۔

مزید کچھ وقت اس علاقے میں گزار کر ہم واپس ہو لیے۔ کھیلوں اور پھیری والوں کی مخصوص صدائیں دور تک ہمارا پیچھا کرتی رہیں۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ جان بوجھ کر اس علاقے میں آئے تھے۔" واپسی میں غزالہ نے کہا۔

"دہلی میں کچھ دن گزار لینے کے بعد اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند گنے چنے راستوں کو سمجھ سکوں پھر بھی قرول باغ میں انل کے گھر تک پہنچنا میرے بس سے باہر ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"ہماری یہ سیر اس مجاہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے تھی جو اس علاقے میں آرک والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ شاید اس کی گرفتاری کے بعد ہی آرک والوں نے اپنی اسکیننگ ویپنز دہلی کی سڑکوں سے ہٹائی ہیں۔"

"واقعات کی کڑیاں بھی خوب ملتی ہیں۔" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "آرک کی گاڑیاں گشت پر رہتیں تو گوپال آپ سے اپریٹس پر رابطہ نہ کرتا۔ رابطہ ہوتے ہی آپ نے اسے بروقت بلا لیا ورنہ اس بار سی ایس ڈی وغیرہ ضرور را کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگ جاتی۔"

"اور ہماری کھالوں میں بھس بھر دیا گیا ہوتا۔" میں نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "بعض اوقات چھوٹے چھوٹے واقعات بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے کو علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کے عتاب کا فیض کس پہنچا ہے۔"

"بھارت کو اپنی طاقت اور تنظیم پر گھمنڈ ہے۔ آپ نے ان کے گھر میں گھس کر را اور دوسرے نشانوں پر جو چوٹ لگائی ہے اس پر وہ بلبلا اٹھے ہیں۔ دم کچلے ہوئے خوں خوار کتے کی طرح ہر ایک کو بھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ ان کا زخم تازہ ہے مگر انتقام لینے کے لیے کوئی ہدف سامنے نہیں ہے۔ اگر وہ بے چارہ نہ پکڑا جاتا تو یہ کھسیانی بلی ابھی تک کھمبا نوچ رہی ہوتی۔"

"اب تک انہوں نے اپنے تشدد سے اسے زندہ درگور کر دیا ہوگا۔ نریش کے دفتر کی آگ را کے ہر افسر کے سینے میں بھڑک رہی ہوگی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "کرتا کوئی اور ہے اس کا نتیجہ کسی اور کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

"کیا اس سے آپ کے کاموں کا اخلاقی جواز کمزور نہیں ہو جاتا؟" غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا "کام کرنے اور نتیجہ بھگتنے والوں کا تعلق ایک ہی فریق سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے مشن کے حصول کے لیے ہر ایک کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ تم یہ دیکھو کہ میں نے اپنے لیے کچھ

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے میدان میں اترا ہوا ہوں جو پکڑا گیا وہ بھی ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار تھا مگر اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر تھا اس لیے پکڑا گیا۔"

"یہاں ان واقعات کو دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے۔" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"اپنے سیکیورٹی ٹیٹ ورک کی ناکامی پر وہ کس طرح پردہ ڈال سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا "ہم اپنے ہدف کے حصول کے لیے کوششیں کررہے تھے اور وہ اپنے فرض سے غافل تھے۔ گرین کوبرا اور دوسرا ریکارڈ اڑا لینے کے بعد اپنی کارروائی کی پردہ پوشی کے لیے دفتر کو آگ لگانا ہماری ضرورت بلکہ مجبوری تھی۔ ناگر نے ایک ذمے دار افسر کے بجائے کسی آوارہ سانڈ کی سی حرکت کی اور درمیان میں کود پڑا۔ وہ نہ مارا جاتا تو ہم مرتے۔ یہ کسی بھی طرح دہشت گردی نہیں تھی۔ مار کھانے والے یہی کہتے رہیں گے جو وہ کہہ رہے ہیں۔"

غزالہ نے دہلی کی سڑکوں پر راستہ طے کرتے ہوئے جان بوجھ کر کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ امریکی سفارتی افسروں کی بھیڑ میں چھپا ہوا 'سی آئی اے کا وہ خونی بھیڑیا کس قدر موذی اور خون آشام درندہ تھا جو کراچی میں بیٹھ کر پورے جنوبی ایشیا کے گلے میں امریکی غلامی کا طوق پہنانے کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

"حیرت ہے کہ سرکاری طور پر ابھی تک کسی نے کھل کر پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی۔" راہ گیروں کی بھیڑ سے نکل آنے کے بعد غزالہ نے کہا۔

"ثبوت کے بغیر وہ کسی کا نام نہیں لیں گے کیونکہ اس طرح خود ان کی تحقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوگا کہ پاکستانی دہشت گرد دہلی آئے۔ را کے دفتر کی تلاشی لے کر آگ لگائی اور لوٹ گئے مگر را والے ان کی پونچھ کا بال بھی نہیں پکڑ سکے تو انہیں کس لیے پالا جارہا ہے۔"

جب سے ہم نے اپنے دشمنوں کے خلاف کامیاب کارروائیاں کی تھیں' ہم دونوں کو آپس میں کھل کر تبادلہ خیال کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے تک غزالہ آس پاس کا میدان صاف پاکر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ خدشے اور تحفظات باقی تھے جو میں نے دلائل کی مدد سے دور کردیے۔ جب ہم ہوٹل کی حدود میں داخل ہوئے تو پچھلے واقعات کے بارے میں دونوں کی تشنگی دور ہوچکی تھی۔

رات گہری ہورہی تھی۔ ہوٹل میں زندگی کی حرار آفریں رونقیں عروج پر تھیں۔ ہم دونوں نے وہ پوری شا پیدل چلتے چلتے گزاری تھی۔ غزالہ کے ایما پر ہم کچھ دیر لیے ہوٹل کی لابی میں ٹک گئے اور اس نے ویٹر کو چائے آرڈر دے دیا۔

مجھے اور غزالہ کو ہوٹل کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے ہم نے لابی کا ایک ایسا گوشہ منتخب کیا تھا جہاں زیادہ روشنیاں نہیں تھیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم آنے جانے والوں کی نظروں سے محفوظ تھے مگر خود ان کا جائزہ لے سکتے تھے۔

بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی اچانک میری نظر سنیل پڑی۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں لابی سے گزر رہا تھا۔ اس کا بتارہا تھا کہ وہ اسی وقت ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور بے فکری سے ایک طرف چلا جارہا تھا۔ اسی وقت ویٹر نے چائے کے برتن ہمارے سامنے سجادیے۔

سنیل کی نگاہوں میں تجسس یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں تھا' اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیں یا کسی اور کو تلاش کررہا تھا۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے لابی میں نمودار ہوا اور سیدھا چلتا ہوا ایک طرف غائب ہوگیا۔

"یہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" غزالہ نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"ہم یہاں ہیں اس لیے وہ بھی یہاں نظر آرہا ہے۔ اسے اندازہ ہے کہ ہم یہیں کہیں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس نے کسی بھی قسم کے رابطے کے فقدان کی وجہ سے دانستہ اپنی رونمائی کرائی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آئی بی والے ہمارا اتنا زیادہ خیال رکھ رہے ہیں۔"

"پھر تو ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی وہ ہمارے پیچھے رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"اس کے نمودار ہونے کے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے اس کے خیال کی تائید کی۔

"حیرت ہے' میرے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلا کہ کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں بھی بے خبر رہا۔ ہم وقت گزاری کے لیے آئے تھے۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا اس لیے میں نے آگے پیچھے کوئی پروا نہیں کی۔"

"یہ نہ کہیں۔" غزالہ نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "اگر ابھی کوئی آکر پوچھے کہ آپ نے پبلک بوتھ سے کس فون کیا تھا تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"کوئی بھی بہانہ کیا جاسکتا ہے۔ راستے میں اچانک مجھے فون کرنے کا خیال آگیا تھا۔"

میں نے روا روی میں غزالہ کی بات اڑادی مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آئندہ مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اگر سنیل ہماری بے خبری میں ہمارا پیچھا کرسکتا تھا تو را کا کوئی ایجنٹ بھی کامیابی سے ہمارا تعاقب کرسکتا تھا۔ ہمیں اپنا اگلا دن بھی دہلی میں گزارنا تھا۔ اس دوران میں میری کوئی بھی غفلت میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ ہم کو ہر صورت میں را کے بھیڑیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنا تھا۔

چائے ختم کرکے ہم نے لابی چھوڑ دی اور اپنے کمرے کی طرف ہولیے۔

دہلی کی جامع مسجد کے علاقے کی سیر کے دوران میں ہم شکم سیر ہوچکے تھے۔ کھانے کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ غزالہ نے نیچی آواز کے ساتھ ٹیلی ویژن آن کردیا اور لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی ویژن کی نشریات میں پچھلے واقعات کی گہری بازگشت موجود تھی۔ خبروں میں تصدیق کردی گئی تھی کہ رنگے ہاتھوں پکڑا جانے والا شخص بھارتی شہریت کا جھوٹا دعوے دار تھا۔ تفصیلی بازپرس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی تھی کہ ماضی میں وہ بھارت کے کسی شہر میں نہیں رہا تھا۔ اس کے بچپن اور لڑکپن کے شناسا نہیں تھے۔ وہ سختی سے اپنے بیان پر اڑا ہوا تھا مگر بھارتی حکام اپنے طور پر اس کی صحیح شہریت کا سراغ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔

ہماری مسہری کے اوپر، فالس سیلنگ کے دونوں شگافوں کے پیچھے چھپے ہوئے کیمرے شاید بیدار تھے اور ہم سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد وقت گزارنے کے لیے ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی ویژن بند کیا، غزالہ نے کمرے کی روشنیاں گل کردیں۔ وہ شہر کی سیر میں شاید زیادہ تھک گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئی لیکن میں مضطربانہ انداز میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ میرے لیے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ پوشیدہ کیمروں کے ذریعے را کے ایجنٹ ہماری خلوت میں دخل انداز ہوچکے تھے۔

نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ شاید یہ محاورہ درست نہ ہو لیکن شدید اضطراری کیفیت کے باوجود رات کے آخری لمحات میں میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو غزالہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوسکتی تھی مگر اس وقت میری ذہنی کیفیت نہ جانے کیا تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ غزالہ تیار ہوکر سکون سے ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ اسے خبر تک نہیں ہوئی کہ میں جاگ چکا تھا۔ اسے اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہم دونوں میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے ذریعے میں پچھلی شام کو ہی پاکستان والوں کو پیغام دے چکا تھا کہ وہ مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔ آئی بی والے پل پل کی صورتِ حال سے باخبر تھے۔ وہ مجھے فون کرنے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ میری دانست میں وہ کال نریش یا رینا کی ہوسکتی تھی۔

اپنے اس مفروضے کے ساتھ میں نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر نے لائن پر نریش کی موجودگی کی خبر سنائی اور میری رضا پاتے ہی لائن ملادی۔

"میرا خیال تھا کہ تم سو رہے ہوگے مگر تمہاری آواز بہت تر و تازہ ہے۔" میری آواز سنتے ہی نریش فون پر چہکا۔

میرے لیے اس کی خوش دلی حیران کن تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے کیمروں کے بندوبست کی ناکامی پر جھلایا ہوا ہوگا۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "گیارہ بجنے والے ہیں۔ میں کافی دیر پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت ناشتا کررہا تھا۔"

"ویری گڈ! یہ بتاؤ کہ اب تمہارے ڈپریشن کا کیا حال ہے؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"کل میں نے خاصا وقت شہر میں گزارا۔ اس سے موڈ تبدیل ہوا ہے مگر ایک تشویش اپنی جگہ برقرار ہے۔ شاید ایک آدھ دن میں وہ بھی دور ہوجائے گی۔" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر فی البدیہہ ایک شوشا چھوڑ دیا۔

وہ مجھ سے براہِ راست یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ میں پچھلی رات غزالہ سے دور کیوں رہا تھا مگر اس نے میری توقع کے مطابق میری بات پکڑلی اور رازدارانہ آواز میں پوچھا "خیریت تو ہے؟ تشویش کس بارے میں ہے تم کو؟"

"کوئی نفسیاتی گرہ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے بھی اپنی آواز دھیمی کرلی جیسے نریش مجھے غزالہ سے زیادہ عزیز اور قابلِ اعتماد محسوس ہوتا ہو۔ "میری گرل فرینڈ مجھ سے شاکی ہوگئی ہے۔ ہم یہاں ہنسنے کھیلنے کے لیے آئے تھے مگر اب

Downloaded from https://paksociety.com

طبیعت اس کی طرف راغب نہیں ہو رہی۔"

میں نے اسے وہی بتایا تھا جو وہ میری اور غزالہ کی ریکارڈ کی ہوئی گفتگو کی صورت میں شاید پہلے ہی سن چکا تھا۔ ریسیور پر ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "تم بہت ڈرپوک آدمی ہو۔ یہ کمزوری قابلِ رحم ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں ایک نفسیاتی سے ملوا سکتا ہوں۔ اس کے پاس دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اس کے نادر نسخوں سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔"

انڈین سیکرٹ سروس کا وہ ذمے دار افسر اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے آمادہ تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہا "آج یہاں ہماری آخری رات ہے۔ میں جلد از جلد پاکستان جا کر ہی..."

"پاکستان جانے کی تمہیں کیا جلدی ہے؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے نریش کی اضطراری آواز سنائی دی "دو چار دن میں تم بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔"

"تم سے پیشگی تنخواہ لے لینے کے بعد میرے سر پر تمہارے کام کا بوجھ سوار ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے گھر اور ماحول میں لوٹ کر مجھے کسی علاج معالجے کی ضرورت نہ رہے۔ میں خود ٹھیک ہو جاؤں۔ سچ پوچھو تو اب یہاں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"

"میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔" نریش کا لہجہ خشک اور مایوسانہ ہو گیا۔ "تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم دہلی کے بارے میں خراب تاثرات لے کر نہ جاؤ۔ یہ مہمان نوازوں کا شہر ہے۔ میرا کام دو چار دن بعد بھی شروع ہو سکتا ہے۔"

"نہیں نریش!" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کوئی مرض نہیں، نفسیاتی گرہ ہے۔ جو تمہاری بدسلوکی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میں جب بھی تمہارا سامنا کرتا ہوں میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہے۔ ذہن پر عجیب اور بے نام خوف سوار ہو جاتا ہے۔ اس ماحول سے نکلتے ہی میں سدھر جاؤں گا۔ میرا یہاں سے لوٹ جانا ہی میرے اور تمہارے مفاد میں ہے۔"

میرے اس جواب میں خاصی تلخی موجود تھی جو نریش کی بڑائی کے اظہار میں شاید معدوم ہو گئی تھی۔ اس کی آواز یکایک پُرغرور ہو گئی۔ "مظہر! تم بلاوجہ مجھے بدنام کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ دلی کے تیسرے درجے کے چور اور اچکے بھی اس سے زیادہ ذہنی اور جسمانی تشدد سہتے کھیلتے سہہ لیتے ہیں۔ تم تو ذرا سی پوچھ گچھ میں ہی پینڈے کے بل بیٹھ گئے۔"

"تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔" میں نے نرم آواز میں اعتراف کیا "چور اور اچکے ہر بات اور مار سہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ڈھیٹ ہو چکے ہوتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں ایک عزت دار کاروباری آدمی ہوں۔ وہ میری زندگی کا پہلا تلخ تجربہ تھا جو میرے دماغ کی نسوں میں بیٹھ چکا ہے۔"

شاید میری کہی ہوئی بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی بوجھل آواز آئی۔ "یہ سچ تمہیں انکل انل کے سامنے اگلنا چاہیے تھا۔ وہاں تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ میری بات کو الزام بنا کر جھٹلایا۔ اب مان لو کہ تم نے بیلا سنگھ کو میرے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف نہیں کیا تھا بلکہ تم اس کا کچھ بگاڑنے کے قابل ہی نہیں تھے۔"

"اس وقت مجھے خود اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ اپنی ساتھی کے شکوے کے بعد میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم چاہو تو میں یہ بات تمہارے انکل کے سامنے بھی دہرا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے دوست کی بیٹی والے قصے سے اس کا بھی کوئی تعلق ہے۔"

"انکل کا اس معاملے سے کیا واسطہ!" اس کی جھلّائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی "میں تمہیں یہ جتا رہا تھا کہ وہاں تم نے جھٹ اپنی اور رینا کی فلم کا طعنہ دیا تھا۔ اب کچھ اور سنا رہے ہو۔"

اسے سٹاگانایا مشتعل کرنا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ میں نے جھٹ ہتھیار ڈال دیے۔ "اس وقت میں غلطی پر تھا۔ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ تم جس طرح چاہو میں اپنی تضاد بیانی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ویڈیو آج بھی ہمارے قبضے میں ہے۔"

"یہ بات میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔" میں نے جلدی سے کہا "پتا نہیں تم بار بار اس کا حوالہ کیوں دیتے ہو۔"

"ایک عزت دار کاروباری آدمی کو اس کے کمزور لمحوں کا احوال بار بار یاد دلانے سے اس کا حافظہ مضبوط رہتا ہے۔ تم نے ہم سے کیے ہوئے معاہدے سے ذرا بھی منہ پھیرا تو کراچی کی ہر ویڈیو شاپ سے دس دس روپے کرائے پر تمہاری یہ فلم دستیاب ہو گی۔"

"یہ بات بھی تم پہلے بتا چکے ہو اور میں اسے ذہن نشین کر چکا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے سمجھوتا کیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ہمارے معاملات اس حد تک نہ پہنچے ہوتے جہاں آج نظر آرہے ہیں۔" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بعض باتوں کا بار بار دہرانا اچھا ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ طنز میں لتھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت خبیث اور بدفطرت آدمی تھا۔ اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے بلیک میلنگ پر تلا ہوا تھا اور پھر بلیک میل کرنے کے لیے بار بار ایک ایسی فلم کا حوالہ دے رہا تھا جو ناگر کی ہڈیوں کے ساتھ نریش ہی کے دفتر میں جل کر خاک ہوچکی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ میں اسے فلم کے انجام کے بارے میں اپنی معلومات کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ مجھ سے حقیقت چھپا کر مسلسل جھوٹ بولے جارہا تھا۔

مجھے یکایک احساس ہوا کہ مجھ سے تازہ ترین گفتگو کے بعد وہ جھوٹ اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ جب تک اسے یہ امید تھی کہ وہ جلی ہوئی فلم کا کوئی متبادل حاصل کرلے گا' وہ پر امید تھا۔ میرے اوپر بیلا سنگھ کا وار ناکام ہونے کے بعد وہ جھلا کر پھٹ پڑا تھا مگر پھر اس کے شیطانی دماغ نے میرے کمرے میں خفیہ کیمرے نصب کرنے کی راہ نکال لی اور میرے ساتھ اس کا رویہ خوشگوار ہوگیا۔

اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کے سائے میں ہم نے عافیت کی ایک رات گزار لی تھی۔ کام کوئی مواد نہ ملنے پر شاید اس نے متجسس ہوکر مجھے فون کیا اور اس بار میں نے اس کے گھناؤنے کھیل کی طوالت ختم کرنے کے لیے اسے ایک بالکل نئی کہانی سنا ڈالی جس کی روشنی میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے وہ کہانی مایوس کن ثابت ہوئی تھی۔

ایسی صورت میں وہ جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ رینا اجیت رائے کے روپ میں اس نے میری طرف پہلا تیر چلایا تھا ٹھیک نشانے پر لگا تھا مگر اس کے دفتر میں لگنے والی آگ نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔

میرے خلاف اس کے پاس ایسا کوئی مواد نہیں رہا تھا جس کے سہارے مجھے بلیک میل کیا جاسکے۔ اپنی تیسری کوشش کی طرف سے ناامید ہونے کے بعد اس کے سامنے وہی ایک راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ جھوٹ پر جم جائے اور مجھے پہلی فلم کی دھونس دیتا رہے۔

"تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا دل خوش کررہے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ مجھے اپنی کمزور پوزیشن کا اندازہ ہے۔"

"آج دہلی میں تم اپنی آخری رات گزارنے کے پابند ہو۔ کل صبح تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو واپس لوٹ جاؤ۔" میرے عاجزانہ جواب سے تسکین پاتے ہی اس نے وہ بات کہہ ڈالی جس کا میں دیر سے منتظر تھا۔

انل بسواس نے پچھلے دن را کے صدر دفتر میں غزالہ سے وہی بات کہی تھی مگر مجھے بھروسا نہیں تھا کہ وہ لوگ آخر تک اپنے اس فیصلے پر قائم رہیں گے۔ نریش نے میری طرف سے ناامید ہونے کے بعد وہ بات دہرائی تھی تو اس میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور تھا۔

"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا اور تمہارے انکل کا شکر گزار ہوں۔ شاید ہم کل کا دن شاپنگ میں گزاریں گے۔ پرسوں میں تمہارے مشن کی تکمیل کے لیے دہلی سے روانہ ہوجاؤں گا۔ ڈینی میرا سب سے پہلا ہدف ہوگا۔" آخری فقرے کا اضافہ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

"کاش تم اس عفریت کو اپنے کسی جال میں پھانس سکو!" دکھتی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی وہ حسرت بھرے لہجے میں بول اٹھا "تم سوچ نہیں سکتے کہ یہ کام کرکے تم اپنے لیے کیا مقام پیدا کروگے۔"

آزادی کا مژدہ سنا کر پہلے اس نے مجھے خوش کیا تھا۔ ڈینی کو گرانے کا عہد دہرا کر میں نے اسے خوش کردیا۔ یوں تلخیوں سے گزرنے والی ہماری وہ گفتگو ایک بہتر انجام کے ساتھ ختم ہوگئی۔

اس کال پر غزالہ کی خاموشی خطرناک ثابت ہوتی کیونکہ ہمارے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز کہیں سنی اور ریکارڈ کی جارہی تھی۔ غزالہ کو اس نازک صورتِ حال کا مکمل ادراک تھا۔ میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو غزالہ نے بے ساختہ پوچھا "کیا نریش سے بات ہورہی تھی؟"

"بہت صحیح اندازہ لگالیا تم نے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا میں نے اس کا نام لیا تھا؟"

"نام بھی لیا تھا مگر میں نے آپ کے بعض جواب سنے ہیں۔ کیا اب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہورہا ہے؟"

"مسئلہ کوئی نہیں ہے۔ وہ میرے ڈپریشن کی طرف سے فکر مند تھا۔ ساتھ ہی یاد دلا رہا تھا کہ پاکستان لوٹنے کے بعد میں اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو فراموش نہ کروں۔ مجھے بار بار کی یہ تکرار اچھی نہیں لگتی۔ اس پر ذرا سی بحث ہوگئی تھی۔"

"را والوں سے آپ کے کیا وعدے ہوئے ہیں؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی سے پوچھا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا۔

"کوئی وعدے نہیں ہوئے۔" میں نے سنبھالا لے کر اسے جواب دیا "یہ مردانہ باتیں ہیں۔ تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں خود بھی آپ سے کچھ نہیں پوچھتی۔ اس وقت آپ کی یک طرفہ باتیں سنی ہیں تو دل میں تجسس جاگ اٹھا۔ رانا کا قصہ شروع سے چل رہا ہے لیکن میں نے اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔"

"یہ بھارت کی باتیں ہیں۔ انہیں تم ہمیں بھول جاؤ گی۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تم نے کسی کے بھی سامنے رانا کا نام لیا تو یہ سمجھ لینا کہ میرے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔"

"یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے صرف اپنی اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ اس سے آگے آپ کیا کرتے ہیں' اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

ناشتے کے بعد ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ ساری گفتگو راوالوں کو سنانے کے لیے تھی جو ہمارے کمرے میں مائیکرو فون لگا کر کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ یہ بات ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں ہوٹل کے کمروں میں اپنا کم سے کم وقت گزارنا تھا۔ اس لیے غزالہ نے تجویز پیش کی کہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں تاکہ اگلے دن کے لیے خریداری کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور میں فوری طور پر رضامند ہو گیا۔

دہلی میں ہم دونوں کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا جسے دکھانے کے لیے ہمیں زیادہ تیاری یا خوش پوشی کے کسی نفیس مظاہرے کی ضرورت ہوتی۔ ہم ذرا سی دیر میں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ایک مرتبہ پھر کناٹ پلیس کے علاقے نے ہمارے قدم روک لیے۔ شہر میں سیر و تفریح کے متعدد مراکز موجود تھے جن کی اپنی اپنی خوبیاں تھیں مگر کناٹ پلیس کی بات ہی اور تھی۔ وہاں سے بارہا گزرنے کے باوجود میں اس پر شکوہ علاقے میں ہر مرتبہ ایک نئی کشش محسوس کرتا تھا جو دوسرے علاقوں میں مفقود تھی۔

خریداری کا ذکر ایک بہانہ تھا ورنہ ہمیں اس روز بھی باہر کوئی کام نہیں تھا۔ ہم کافی دیر تک کناٹ پلیس کی دائرہ در دائرہ عمارتوں کی اونچی اونچی راہداریوں' پر شوکت برآمدوں اور شان دار دکانوں میں گھومتے رہے۔ اس دوران میں غزالہ تھوڑی بہت خریداری بھی کرتی رہی۔ میں نے اس بات پر کڑی نگاہ رکھی تھی کہ وہ کوئی بھاری چیز نہ خریدنے پائے۔ زیادہ بھاری ساز و سامان ہماری واپسی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔

کناٹ پلیس سے جامع مسجد ایک سمت میں تھی تو قرول باغ کا علاقہ دوسری طرف تھا۔ میں نے سوچا کہ اگلی رات ہمیں اپنے بڑے شکار کے لیے اس طرف جانا تھا۔ کیوں نہ اسی وقت وہاں کا ایک چکر لگالیا جائے۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ میں اس آبادی میں انل بسواس کا بڑا گھر پہچاننے میں کامیاب ہو جاؤں جو سنیل ایک بار مجھے دکھا چکا تھا۔

سنیل کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق نریش شرما بھی اسی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا گھر چھوٹا تھا جبکہ انل بسواس کو اپنے بڑے عہدے کی بنا پر ایک وسیع کوٹھی ملی ہوئی تھی جہاں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔

"ہمیں اسی طرف چلنا چاہیے۔" میری تجویز سن کر غزالہ خوش ہو گئی "یہاں ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہو سکے تو ہمیں ان دونوں کے گھروں میں گھس کر مواقع کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے۔"

"ایسا کوئی خیال دل میں نہ لانا۔ اب وہ ہم دونوں کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کے گھروں میں گھسے تو اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر تو ہمیں ادھر کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے اتفاق سے ہمیں قرول باغ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ ہمارے کل کے مشن کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ ایک وسیع رہائشی علاقہ ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی کے گھر نہیں پہنچ سکتے۔ بس ذرا اس علاقے سے آشنائی ہو جائے گی۔ شہر میں لوگ بھانت بھانت کے حلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ہم بھی بڑے چشموں والے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے خرید لیتے ہیں۔ سرسری نظر میں ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پہچان سکے گا۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔

"ادھر نہیں۔ یہ کل والا راستہ ہے جو جامع مسجد کی طرف جاتا ہے۔ آج ہمیں اس طرف جانا ہے۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ گھما دیا۔

کناٹ پلیس سے نکل کر ہم اندر ہی اندر پہاڑ گنج کے گنجان اور بارونق علاقے میں اتر گئے۔ پہاڑ گنج کو دہلی میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم شہر کے اس حصے سے اتنا قریب رہ رہے تھے۔

مجھے یاد تھا کہ جب میں آئی بی والوں سے اپنی پہلی ملاقات کے لیے حضرت باقی باللہ کے مزار پر گیا تھا تو نئی دہلی کا ریلوے اسٹیشن میرے داہنے ہاتھ پر پڑا تھا۔ وہاں سے

Downloaded from https://paksociety.com

گزرتے ہوئے رکشا والے نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا تھا کہ سڑک کے بائیں طرف پہاڑ گنج کا علاقہ تھا۔

پہاڑ گنج میں دہلی کی قدیم اور جدید تہذیب کے شاہکار یکجا نظر آتے ہیں۔ عمارتوں سے انسانوں تک میں یہ خوشگوار اور انفرادی تضاد نظر آتا ہے۔ کسی گائیڈ کی مدد کے بغیر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہاں کھڑی ہوئی عمارتیں کس دور کی عکاسی کررہی ہیں۔

پہاڑ گنج سے نکلتے ہی ہمیں ایک دکان کے نام کے نیچے انگریزی میں جھنڈے والا ان لکھا ہوا نظر آیا۔ وہ شاید اس آبادی کا نام تھا۔ اس سے آگے قرول باغ کا زندگی سے معمور رہائشی علاقہ واقع تھا۔

اپنی اس طویل پیدل مہم میں ہم جھنڈے والا ان سے سیدھے بندھو گپتا روڈ پر جانکلے۔ ہمارا مقصد قرول باغ کی سڑکیں ناپنا نہیں تھا۔ میں اس علاقے کا نقادانہ سروے کرنا چاہ رہا تھا۔ دہلی پبلک لائبریری سے آگے نکلتے ہی میں بائیں طرف مڑگیا۔

ہم نے باتیں کرتے ہوئے اور راستے میں نظر آنے والے ہر قابل ذکر مقام میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے اپنا وہ سفر خراماں خراماں طے کیا تھا اس لیے ہمیں ہوٹل سے وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی ورنہ میرے اندازے کے مطابق وہ مسافت ڈھائی تین کلو میٹر سے زیادہ نہیں تھی۔ پیدل وہاں تک پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ ہمارے بدترین دشمن ہمارے پڑوس ہی میں رہ رہے تھے۔

ہم نے راستے میں بڑے ہیٹ اور دھوپ کے سستے چشمے خرید لیے تھے۔ دہلی کی تپتی ہوئی گرمی میں وہ چیزیں ذرا بھی اجنبی نہیں تھیں۔

بازاروں کی حد تک ہر بات ٹھیک تھی۔ کسی نے ہمیں ٹوکا نہ کچھ کہا لیکن قرول باغ میں گھسنے کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ متوسط طبقے کے مکانوں کے باہر موجود لوگ دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور دبی آوازوں میں آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔

"آپ ان باتوں پر دھیان نہ دیں۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "یہ بہت اچھی بات ہے کہ دلی کے باسی ابھی اس معاشرتی بیگانگی کے شکار نہیں ہوئے ہیں جو کراچی میں عام نظر آتی ہے۔ انہیں تجسس ہے کہ ان کے علاقے میں کون آیا ہے اور کس تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کراچی میں چور اور ڈاکو تک دندناتے ہوئے آتے ہیں اور اپنا شکار کھیل کر لوٹ جاتے ہیں۔ جس پر وہ ناگہانی افتاد ٹوٹتی ہے وہی اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ دوسرے معصوم تماشائی بنے رہتے ہیں اور کبھی زبانی ہمدردی سے آگے نہیں بڑھتے۔"

"اس وقت کسی معاشرتی اسکالر کی طرح تقریر کررہی ہو۔"

"تیز مشاہدہ رکھنے والا ہر حساس آدمی اپنے ماحول کا اسکالر ہوتا ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں کہہ رہی تھی "ہمیں اپنے علاقے میں دیکھ کر ان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی اور یہ بے حس بنے بیٹھے رہتے تو مجھے صدمہ ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم یہاں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کریں تو تھوڑی دیر میں اپنے دونوں حریفوں کے دروازوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم یہاں اس مقصد سے نہیں آئے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ شوخی سے ہنس پڑی "میرا بھی یہ ارادہ نہیں ہے۔ میں ایک مثال دے رہی تھی۔"

کسی بھی آبادی میں نو وارد افراد کا تجسس اور ان کا متلاشی انداز مقامیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ ہم تیسری گلی سے گزر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے کئی نوعمر اور ادھیڑ عمر افراد کی نظریں ہمارے اوپر مرکوز ہوچکی تھیں۔

میں نے بھی دور سے ان کے تیور بھانپ لیے اور اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس ٹولی کو یکسر نظرانداز کرکے تیزی سے آگے نکلتا چلا جاؤں گا۔

"تم بھی ان کی طرف نہ دیکھنا۔" میں نے غزالہ کو خبردار کیا "یہ بھیڑ گلے پڑسکتی ہے۔"

"نہیں دیکھوں گی مگر مجھے ان کی نظروں میں ہمدردانہ تشویش نظر آرہی ہے۔"

"بک بک مت کرو۔ ہمارے لیے صرف دو بھارتی ہمدرد کافی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں تلخی سے کہا۔

ہم نے اپنی گردنیں سیدھی کیں اور تیز تیز قدموں سے ان کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کئی ہم سے مخاطب ہونے کے متمنی تھے مگر ہماری توجہ نہ پاکر ان کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

لیکن ان میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ وہ ہمارے پیچھے لپکتا ہوا چند لمحوں میں ہمارے ساتھ ہولیا۔

"بھیا! پردیسی لگتے ہو' کس کا گھر ڈھونڈ رہے ہو؟" اس نے کھیسیں پھیلا کر بہت نرمی سے پوچھا۔

میں نے دھوپ کے چشمے کے تاریک شیشوں کی اوٹ سے اسے گھورا۔ وہ ایک سادہ لوح آدمی تھا۔ اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اطمینان سے کہا "ہم بھگت سنگھ کا گھر ڈھونڈ رہے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے چہرے پر ناچنے والی مسرت دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ مسرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا "وہ تو پیچھے والی گلی میں رہتے ہیں۔ ریلوائی میں منشی کا کام کرتے ہیں۔ آؤ میں تمہیں ان کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت گھر پر ان کے بال بچے ہوں گے۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے شام ڈھلے واپس آتے ہیں۔"

اس نے ایک ہی سانس میں معلومات کا دریا بہا دیا تھا جو میرے لیے سود مند ثابت ہوا۔ میں نے تحمل اور سنجیدگی سے کہا "ہمارے بھگت سنگھ تیل کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا ریلوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔"

وہ بے چارہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے جوابی وار میں اسے چت کر دیا تھا۔

چند ثانیوں تک اپنا سر کھجانے کے بعد اس نے پوچھا "ان کے مکان کا نمبر کیا ہے؟"

"نمبر نہیں معلوم مگر گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد اس کا گھر تلاش کر لیں گے۔"

"آگے جا کر تم الٹے ہاتھ پر مڑو گے تو وہاں پیپل کے نیچے شطرنج کی بازی چل رہی ہوگی۔ وہ لوگ سب کو جانتے ہیں۔ تمہیں دوسرے بھگت سنگھ کے گھر بھیج دیں گے۔ کوئی بھی بچہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

اس سے گلو خلاصی کی امید ہوتے ہی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا' اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

غزالہ اس صورت حال سے خاصی محظوظ ہوئی تھی۔ چند قدم دور نکل آنے کے بعد بولی "شطرنج بازوں کے گھیرے میں پھنس گئے تو وہ آپ کو بھگت سنگھ نامی کسی تیل فروش تک پہنچائے بغیر ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ ہولیا یہاں کا جائزہ' میری مانیں تو اسی وقت یہاں سے نکل جائیں۔ زبردستی ہمدردیاں لوٹنے والے لوگ کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔"

"آثار یہی بتا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے آبادی کے قلب میں گھسنے کے بجائے وہاں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

وہاں سے زبردستی نکل بھاگنے کا بنیادی سبب یہ خوف تھا کہ ہمارا کوئی خود ساختہ ہمدرد ہمیں ہمارے مطلوبہ گھر تک پہنچانے کے لیے ہمارے گلے پڑ جاتا تو ہم مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ ہم جن گھروں کا جائزہ لینے کی نیت سے قرول باغ کے علاقے میں آئے تھے' ان کے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔

اس کے ساتھ میرے ذہن پر ایک اور فکر بھی سوار تھی۔ پچھلے دن طے ہونے والے پروگرام کے مطابق رینا اجیت رائے کو چار اور چھ بجے کے درمیان ہم سے آخری ملاقات کے لیے آنا تھا۔

رینا کی دلیل یہ تھی کہ وہ پہلے بھی مجھ سے ملتی رہی تھی۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری دن اس معمول کا اعادہ ضروری تھا تاکہ اس کے بڑوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔

نریش شرما کے آدمیوں نے میرے کمرے کو جس انداز میں میرے لیے مخدوش بنا دیا تھا وہ رینا سے پوشیدہ نہیں تھا بلکہ وہ خبراسی کے ذریعے میرے علم میں آئی تھی۔ رینا اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیتی تو ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے کمروں سے ہٹانے کے بعد راہ والوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے۔

رینا اپنی پوزیشن کو شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے آ رہی تھی۔ اس کے لیے میرا کمرا ہی سب سے بہتر تھا جہاں کسی جانے والی ہر بات کہیں نہ کہیں سنی جا رہی تھی۔ مجھ سے مخصوص نکات پر بات کر کے وہ اپنے دامن سے رہے سہے شبہات کے داغ بھی آسانی سے دھو سکتی تھی۔ میں رینا کی اس ترجیح میں دخل انداز ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اس وقت رینا کا تحفظ ہمارے اپنے تحفظ کے لیے ضروری تھا۔ نریش شرما کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ ہماری اس لڑکی سے کوئی ملی بھگت تھی تو وہ بہت آسانی سے وہ اسباب سمجھ سکتا تھا جن کی بنا پر میں اس کے بچھائے ہوئے ہر جال سے بچتا رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں صرف رینا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی راکی بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اپنی خوب صورتی اور خوش کلامی کی وجہ سے راکے عیاش طبع افسروں میں بھی بہت مقبول تھی۔ اعلیٰ افسران سے اپنے قریبی مراسم کی وجہ سے وہ تقریباً ہر اہم بات سے باخبر رہتی تھی۔ اس میں شاید اس کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا تھا ورنہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں طے کی جانے والی ہر اہم بات اس لڑکی کے علم میں آتی چلی جائے۔ وہ میری ہمدرد بن چکی تھی اس لیے اپنی تنظیم میں رہتے ہوئے ہر وقت ایسی باتوں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی تھی جو کسی بھی طرح میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ وہ اس بدا کتفا نہیں کرتی رہی تھی۔ ہر جتن کر کے مجھے خطرے سے قبل از

Downloaded from https://paksociety.com

وقت آگاہ بھی کردیتی ہے۔

را کی صفوں میں جوان' خوب رو اور سج دھج کی لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ وطن کی سلامتی کے لیے اپنی آبرو لٹا دینے کے پر فریب نعرے کے ذریعے انڈین سیکرٹ سروس نے معاشی بدحالیوں میں گھری ہوئی ایسی لڑکیوں کی ایک پوری فوج پالی ہوئی تھی۔ ان میں سے بیلا سنگھ کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ کسی بھی اوباش صفت مرد کو رینا اور بیلا میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو وہ رینا اجیت رائے پر دوسری نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر بیلا سنگھ کے قدموں میں سر جھکا دیتا۔

اپنی بے شرمی اور آوارہ مزاجی سے قطع نظر' بیلا سنگھ واقعی غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

مگر یہ رینا اجیت رائے کی یا پھر میری خوش قسمتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس کی طوائفوں کے اسکواڈ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے نریش شرما کو بیلا سنگھ اور دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں رینا اجیت رائے زیادہ مرغوب تھی۔ شراب کے بعد اسے جب بھی شباب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی' وہ رینا کو اپنی خلوت میں بلا لیتا تھا۔

رینا درونِ پردہ میری خیر خواہ تھی۔ نریش شرما عملی طور پر میرا سب سے بڑا حریف تھا۔ میرے بارے میں اٹل بسواس کے ہر منصوبے کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا' اس لیے میرے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہوتا تھا۔

اس وقت تک رینا اور نریش کی حد سے بڑھی ہوئی' ہوس ناک دوستی میرے لیے سود مند ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ رینا اپنی آخری ملاقات میں مجھے کچھ نہ کچھ نیا مواد ضرور فراہم کرے گی۔

کچھ دیر تک قرول باغ کی گلیوں اور آبادی میں بھٹکنے کے بعد ہم ایک مصروف سڑک پر نکل آنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس دوران میں' میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس خوش حال اور آباد علاقے میں بڑے مکانوں پر بھی کہیں مسلح گارڈ نظر نہیں آئے تھے۔ چھوٹے گھر عام طور پر تنخواہ دار دربانوں کی ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ قرول باغ کے کشادہ گھروں کے پھاٹکوں پر کہیں کہیں ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ چوکیدار ضرور نظر آئے جن کا کام شاید صرف اتنا تھا کہ مکینوں اور ان کے مہمانوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لیے بڑے پھاٹک کھول کر بند کر سکیں۔

اس زمانے میں شہری آبادیوں میں انفرادی تشدد اور دہشت گردی کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ دنیا کے بڑے اور گنجان آباد شہروں کی بات تو ایک طرف' کراچی جیسے شہر میں معمول شہری خود کو اپنے گھروں میں محفوظ تصور نہیں کرتے تھے۔ ہر آن کسی چور' ڈاکو' قاتل یا اغوا کر کے اٹھا لے جانے والوں کی مداخلت کا خطرہ ان کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹکتا رہتا تھا۔

ان خطروں سے بچاؤ کے لیے گھروں پر مسلح حفاظتی گارڈ مامور کیے جانے لگے تھے۔ اس رجحان کا جہاں فائدہ تھا وہاں ایک بڑا نقصان بھی تھا کہ ایسے گارڈ اپنے آقاؤں کی ثروت اور تمول کا نشان سمجھے جانے لگے تھے۔ کسی بھی گھر پر مسلح گارڈ کا اشتہاری وجود دیکھ کر سماج دشمن عناصر فوری طور پر سمجھ لیتے تھے کہ اسامی ٹگڑی ہے۔ مکین اپنی چار دیواری میں محفوظ رہتے تھے مگر اس سے باہر نکلتے ہی ان کے لیے دوسرے خطرات شروع ہو جاتے تھے۔

میرے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ دہلی یا کم از کم قرول باغ کے معززین کے گھروں میں مسلح گارڈ رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ شاید وہی ایک مشاہدہ میری اس کوچہ نوردی کا حاصل تھا۔

انڈین سیکرٹ سروس والوں کو ہمارے کمروں میں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ مجھے اور غزالہ کو یہ فکر نہیں تھی کہ ہم وہاں سے زیادہ دیر غائب رہے تو وہ کمرے میں کوئی زیادہ گڑبڑ کر دیں گے۔

سی ایس ڈی' بیم گن اور اپریٹس کا کمرے میں وجود نہیں تھا۔ وہ تینوں خطرناک چیزیں میں پہلے ہی سیٹل کے حوالے کر چکا تھا۔

واپسی میں ہم پہاڑ گنج کے ایک صاف ستھرے اور مختصر سے نہاری ہوٹل میں بیٹھ گئے جہاں چبوترے میں گڑی ہوئی جناتی دیگ پر ایک باریش نوجوان آستینیں چڑھائے بیٹھا ہوا تھا اور ہوٹل سے باہر تک کی فضا نہاری کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

عمدہ نہاری کے لیے بچھیا کا گوشت لازمی خیال کیا جاتا ہے جبکہ بھارت میں آباد ہندو اکثریت گائے کو اپنی ماتا مان کر پوجتی ہے۔ عقائد کے اس سنگین تضاد کی وجہ سے بھارت میں گائے کے ذبیحے پر پابندی چلی آ رہی ہے مگر سنا یہی جاتا کہ ذائقے اور چٹخارے کے شوقین مسلمان ہر خطرہ مول لے کر چوری چھپے اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ دہلی کے مسلمان محلوں میں پوشیدہ طور پر گائے کا ذبیحہ ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں سارا گوشت گھروں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور کہیں گئو ماتا کی ہتیا کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

میں نے فرض کر لیا کہ اس نہاری ہوٹل کے مالکان بھی اپنی نہاری کا خام مال ایسے کسی ذریعے سے حاصل کرتے ہوں گے۔

Downloaded from https://paksociety.com

نہاری واقعی بہت لذیذ تھی جس میں چٹپٹے مسالے استعمال کیے گئے تھے۔

"دہلی آکر ہم نہاری نہ کھاتے تو اپنے ساتھ بڑا ظلم کرتے" شکم سیر ہونے کے بعد غزالہ نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جو نعمت جس کے لیے لکھ دی گئی ہے وہ اس سے ضرور فیض یاب ہوتا ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

میری کوشش تھی کہ ہم رینا سے طے کیے ہوئے وقت سے پہلے ہوٹل پہنچ جائیں لیکن پیدل چلنے کے خبط میں ہمیں ذرا سی دیر ہوگئی۔ چار بجے ہم کاؤنٹر سے چابی لے رہے تھے تو ہمارے لیے کوئی پیغام تھا نہ رینا کا دور دور تک کوئی سراغ نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں چابی لے کر سیدھے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

"آپ کی چہیتی ابھی تک نہیں آئی۔ آپ بلاوجہ اس کی پریشانی کی طرف سے فکرمند تھے" راستے میں غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"اس نے چار بجے کا نہیں، چار اور چھ بجے کے درمیان کا وقت دیا تھا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر رات کو گوپال بھی آئے گا" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "آپ کو اس سے بہت کچھ طے کرنا ہے۔"

دراصل گوپال ہی اس دن کا اہم ترین ملاقاتی تھا کیونکہ مجھے اس سے مل کر انل بسواس کے خاتمے کے منصوبے کی جزئیات طے کرنا تھیں اور پھر اسی کو دہلی سے ہماری روانگی کا بندوبست کرنا تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا۔

ساڑھے چار بجے رینا اجیت رائے نے لابی کے انٹرکام سے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں اسے فوری طور پر اوپر بلا لیا۔

"اب میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟" غزالہ نے رینا کی آمد کی خبر سن کر سوال کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اب اس کے رویّے میں بہت سنجیدگی آگئی ہے" میں نے کہا۔

"پھر بھی وہ آپ سے بے تکلف ہے۔ میں بیٹھی رہی تو وہ آپ سے کھل کر بات نہیں کرسکے گی۔"

غزالہ کا نکتہ وزنی تھا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی بیٹھی رہو۔ وہ آئے تو اس سے مل کر چلی جانا۔"

ذرا سی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی اور میری اجازت پاکر رینا کمرے میں آگئی۔ اپنے معمول کے مطابق

زندگی روگاں کے لیے ایک زندہ گزیدگی خوں رنگ سرگزشت

ان کے لیے جن کے سینے دھواں دیتے ہیں
آنسوؤں آہوں امنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت اثر حیرت انگیز ناقابلِ فراموش
ہالیہ زلفاں کی آپ بیتی جگ بیتی
اس جوان رعنا سے زندگی کا رویہ مختلف تھا

دل فگاروں کے لیے سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
بازی گر
وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے * ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

6 حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
یہ رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمایئے
اس دلچسپ داستان کے 6 حصے شائع ہو چکے ہیں

کتابیات پبلی کیشنز
رمضان چیمبرز ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے گہرا اور شوخ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کا لباس بھی صنف مخالف کے لیے خاصا پرکشش تھا کیونکہ اس میں سے رینا کے بدن کے بعض حصے جھلک رہے تھے۔

اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور بے تکلفی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

غزالہ نے خوش خلقی سے اس کی مزاج پرسی کی اور پھر معذرت کر کے کمرے سے چلی گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تم ٹھیک چار بجے یہاں پہنچ جاؤ گی۔ میں دہلی میں آوارہ گردی کا پروگرام مختصر کر کے ٹھیک وقت پر واپس لوٹ آیا تھا۔"

"مجھے بریفنگ لینے میں دیر ہو گئی" اس نے منی بار کی طرف جاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"کیسی بریفنگ!" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ میں پریشان ہو گیا تھا کہ اس نے کمرے میں چھپے ہوئے آلات کی موجودگی سے واقف ہونے کے باوجود ایک ممنوع موضوع پر بات چھیڑ دی تھی۔ اگر اسے میرے بارے میں کوئی بریفنگ دی گئی تھی۔ تو اسے باہر جانے کے بعد اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

"نریش جی کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ تمہارے ساتھ سر کھپاتے۔ میں بہت سی باتوں سے واقف ہوں۔ جو رہ گئی تھیں وہ مجھے بتا دی گئی ہیں" اس نے چھوٹے سے ریفریجریٹر کے پاس کھڑے کھڑے اپنے لیے ڈرائی جن کا ایک گلاس تیار کرتے ہوئے جواب دیا "دہلی سے جانے سے پہلے تمہارا پورے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ تم پاکستان لوٹنے کے بعد یکسوئی سے اپنا کام سرانجام دے سکو۔"

"کل تمہارے انکل اور نریش کی بریفنگ کے بعد بھی یہ ضرورت باقی تھی۔"

وہ اپنا گلاس لے کر دوبارہ صوفے پر لوٹ آئی "بات ہو گی تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔"

"پھر تم کس انتظار میں ہو؟ بلاوجہ تجسس پھیلانے کے بجائے براہ راست شروع ہو جاؤ۔"

"اف!" وہ منہ بنا کر تیکھی چتون کے ساتھ بولی "تم تو ہونٹ بھی تر نہیں کرنے دو گے۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور گلاس ہاتھ میں تھامے دوبارہ صوفے سے اٹھ گئی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ مار کر میری پشت پر ایک ہلکی سی چٹکی لی اور ڈھٹائی سے میری مسہری پر نیم دراز ہو گئی۔

"کچھ تھکی ہاری معلوم ہو رہی ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "شاید بریفنگ نے تمہارے ننھے سے دماغ پر زیادہ اثر ڈالا ہے۔"

"کوئی سہولت میسر ہو اور آدمی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو ناشکرا کہلاتا ہے۔ تمہاری پہنچ جا چکی ہے۔ میری مانو تو تم بھی یہیں مسہری پر آ جاؤ۔" مسہری پر وہ خفیہ کیمروں کی زد میں آئی ہوئی تھی جبکہ میں اس رینج سے باہر تھا۔ وہ اپنے مکالموں سے انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں کو سنا رہی تھی کہ اس نے الوداعی ملاقات میں مجھے ایک مرتبہ پھر اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں تمہارے نریش نے میرے دماغ کی کون سی کل مروڑی ہے کہ اب زندگی کی ہر رنگینی سے دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"

"یہ نئی خبر ہے" وہ تعجب آمیز آواز میں بولی "میں پہلی بار تم سے ملی تھی تو تمہارا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تم جیسا بھوکا درندہ میرے معاملے میں اتنا سرد کیسے ہو گیا؟"

"ہونے والی بات کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ باتیں نریش کو معلوم ہیں۔ اپنی نئی کمزوری کی وجہ سے مجھے نریش کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اس سے پوچھو گی تو وہ تمہیں ہر بات بتا دے گا۔"

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نریش نے تمہارے دماغ کی کوئی کل مروڑی ہے۔ کیا اس نے تمہیں مجھ سے دور رہنے کی ہدایت دی ہے" اس نے چونک کر اشتیاہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ یہ پیچیدہ کہانی ہے۔ اس نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ بس تم اسی سے بات کر لینا۔ اس وقت میں تمہاری زبان سے کوئی بریفنگ سننے کا منتظر ہوں۔ تم باتوں کے دوران بھی شراب نوشی کا شغل جاری رکھ سکتی ہو۔"

اس نے ڈرائی جن اور ٹانک واٹر کے محلول کا گلاس اپنے نرم و نازک اور آتشیں لبوں سے ہٹایا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی "بات ذرا کچھ زیادہ لمبی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔"

"تم کہیں سے بھی شروع کرو۔ ساری کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر مجھ سے پوچھا "تم جان اسمتھ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"کون جان اسمتھ!" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا "یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"

"یہ وہی امریکی ہے جو ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں مردہ پایا گیا تھا۔" رینا نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اوہ!" میں نے ایسی صداکاری کی جیسے رینا کی زبان سے حوالہ سنتے ہی مجھے ہر بات یاد آگئی ہو "جو کچھ اخبارات میں آیا ہے' وہی میرے علم میں بھی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہتی ہوں" رینا نے اصرار کیا۔ اس نے بستر پر اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

"وہ ایک امریکی سفارتی افسر تھا جو تعطیلات پر دہلی آیا ہوا تھا۔ یہاں اسے مار دیا گیا مگر اس سے میری بریفنگ کا کیا تعلق ہے" میں نے اس کے اصرار پر اپنے وجود میں بے چینی اور اضطراب کی ایک گہری لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ایسا نہیں تھا" رینا کے اگلے فقرے نے میرے ذہن میں بڑھتا ہوا دباؤ کم کر دیا۔ وہ بتا رہی تھی "جان امریکا کی ڈپلومیٹک کور کا رکن ضرور ہے مگر اس کا اصل تعلق امریکی سی آئی اے سے ہے۔ ان لوگوں کو امریکا سے باہر اپنا کام کرنے کے لیے اکثر ایسی سفارتی آڑ کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"یہ گہرے راز کی باتیں ہیں' تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم لوگوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہو" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں! تمہارے لیے یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اعتماد پیدا ہو سکے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نرلیش یا انکل کے لیے کام نہیں کرو گے۔ تم دنیا کی بڑی اور مضبوط ترین قوموں کے مشن کو آگے بڑھاؤ گے' جن میں امریکا سرفہرست ہے اور..."

"مگر امریکا کا ایک بڑا افسر تمہارے شہر میں بہت بے بسی کی موت مارا جا چکا ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس کے انجام سے حوصلے کے بجائے عبرت حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ پاکستانی ایجنٹوں کی کھلی دہشت گردی تھی۔ ان کو..." میں نے ایک مرتبہ پھر معصومانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "کیا اب ہمارے پاکستانی قاتل پکڑے گئے؟"

"وہ پکڑے نہیں گئے کیونکہ دہشت گرد کی کوئی شناخت نہیں ہوتی' وہ کھل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ سایوں کی طرح خاموشی سے نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کاری وار کر کے دوبارہ اپنے بلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کے لیے جس سفاکانہ خوں ریزی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ہر مہذب طاقت گریز کرتی ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ را کے دفتر میں آتش زنی اور جان کے قتل میں پاکستانی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ بھارت کی سرزمین پر کوئی اور قوت اتنی دیدہ دلیری سے سازشیں نہیں کر سکتی۔"

وہ اداکاری کو بھول کر یکایک جذباتی ہو گئی تھی۔ ایک بھارتی اور وہ بھی را کی ایجنٹ ہونے کے ناتے' اسے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے گفتگو کو مخصوص دائرے میں محدود رکھنے کے لیے جلدی سے کہا "تم امریکا کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے جا رہی تھیں۔"

"جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی سے نمٹنے کے ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔" اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لینے کے بعد کہنا شروع کیا "پاکستانی خفیہ ایجنسیاں بہت خطرناک اور طاقت ور ہیں۔ ان کی درپردہ

امریکہ میں

پاکستانی/ ہندوستانی' سی ڈیز' آڈیو' وڈیو کیسٹ' رسالے

اخبارات اور کتابوں کے سب سے بڑے تقسیم کار

منصور بک شاپ

جیکسن ہائٹس نیویارک ✲ رابطے کیلئے 718-4469554

Downloaded from https://paksociety.com

حمایت سے کچھ لوگ جان اسمتھ کے خون کے پیاسے ہوگئے اور اس نے خطرے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کراچی سے عارضی پسپائی اختیار کی۔ بظاہر وہ چند روز کی چھٹیاں گزارنے کے لیے دبئی کی محفوظ فضاؤں میں آیا تھا اس لیے مقامی حکام نے اس کی حفاظت کے لیے کوئی غیر معمولی بندوبست نہیں کیا۔ یہ سنگین چوک تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ اسے زہر دے کر مار دیا گیا۔"

وہ بات اخباروں میں نہیں آئی تھی۔ اس کی زبان سے زہر کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں مزید جاننے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ میں نے پوچھا "کیا اسے کھانے میں زہر دیا گیا تھا؟"

"یہ تفتیش ہو رہی ہے۔ اس کے معدے کی آلائش میں انتہائی سریع الاثر زہر پایا گیا ہے جو صرف خیبر کے پہاڑوں میں پائے جانے والے سانپ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ خیبر کا سانپ ہوٹل کے کمرے میں گھس گیا ہو۔ سمراٹ کے عملے نے کمرے کا کونا کونا چھان لیا۔ وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ وہ خطرناک زہر کسی بیرونی طریقے سے اس کے بدن میں اتارا گیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔"

"کیا یہ سب بھی تمہاری تازہ بریفنگ میں بتایا گیا تھا؟" میں نے نیک نیتی سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ قدرے چڑ گئی اور تیزی سے بولی "احمقانہ باتیں مت کرو۔ اہم واقعات سے ہم لوگ اپنے طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بریفنگ کچھ اور تھی۔ تم بار بار دخل اندازی کرکے مجھے اس موضوع سے ہٹا رہے ہو۔"

"سوری رینا! میں کوشش کروں گا کہ اب کوئی غیر متعلقہ سوال نہ کروں۔"

"میں تمہیں جان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس وقت وہ پاکستان کے خلاف سب سے مضبوط مہرہ تھا جو ہماری فیصلہ کن چال سے پہلے پٹ گیا مگر جلد ہی کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ اس نے پورے خلوص سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ پاکستان دنیا بھر میں ریاستی دہشت گردی کا سرخیل ہے۔ آئی ایس آئی کے ذریعے وہ لوگ منتخب دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتے ہیں' انہیں پالتے ہیں' وسائل کی ایسی بھرمار کرتے ہیں کہ جلد ہی وہ خود کفیل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو پڑوسی ملکوں میں ہانک دیا جاتا ہے۔ بھارت' کشمیر اور افغانستان ان کی توجہ کے خاص ملک ہیں۔"

"اب تم صرف پاکستان کی بات کر رہی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی کا تذکرہ کیا تھا" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں اسی طرف آرہی تھی۔ پاکستان کی ان کامیابیوں سے دنیا میں دوسرے دہشت گردوں کو تقویت مل رہی ہے۔ افغانستان میں جہاد کا نعرہ لگا کر روسیوں کو بری طرح مار آگیا۔ مجاہدوں کو برداشت کرنا اور ان کو مالی اور فوجی امداد فراہم کرنا امریکا کی مجبوری بن چکا تھا۔ روس افغانستان میں خاک چاٹ کر اپنے زخموں کو سہلاتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس جنگ کے بھاری معاشی بوجھ اور سیاسی بحران نے روس کا تیا پانچا کر دیا۔ آج افغانستان کی سرزمین پر روسی اور امریکی ہتھیاروں سے لیس' دنیا کا سب سے بڑا اسلامی لشکر موجود ہے جو ہر وقت جہاد کے جوش میں کھویا رہتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں الجھی ہوئی اور ناقابل فہم ہیں" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہاری سمجھ میں آجائے گا" اس نے مجھے تسلی دی اور اپنی بات جاری رکھی "ایک طرف عالم اسلام کی طرف سے جہاد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلم دنیا کے پڑوسی ممالک بھیانک دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے اور امریکا نے حالات کے رخ کو بھانپ کر اس ابہام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جان اسی منصوبے پر کام کر رہا تھا۔"

"تم نے بہت بے رحمی سے جہاد اور دہشت گردی کو یکجا کردیا" میں نے احتجاج کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو۔ تمہیں میری بات بری لگے گی۔ میں ہندو ہوں' میں تمہارے دھرم کو نہیں مانتی اس لیے جہاد کو بھی نہیں مانتی۔ یہ بتاؤ کہ جہاد کے نام پر پاکستان سے ہتھیار اور گولا بارود لے کر کشمیر پر چڑھائی کرنے والوں کو میں کیا نام دوں؟ انہیں دہشت گرد نہیں تو کیا کہوں؟"

"یہ دوسروں کے مذہب پر کھلا حملہ ہے۔ تم جہاد کی روح کو سمجھے بغیر ایسی باتیں کر رہی ہو۔"

"مظہر! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اس لیے ہندو ہوں۔ مجھے جہاد کی روح کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ کچھ لوگ مرنے مارنے کا ارادہ کرکے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور ان کے حریفوں پر موت راج کرنے لگتی ہے۔ یہ میری نہیں' ساری غیر مسلم دنیا کی سوچ ہے۔ تم مجھ سے بحث کرسکتے ہو۔ شاید مجھے قائل یا خاموش بھی کردو لیکن امریکا اور پوری دنیا کو کون سمجھائے گا؟ میں تم سے صرف اپنی نہیں' امریکا اور اس کے سارے حلیفوں کی بات کر رہی ہوں۔"

کوئی سخت بات کہہ کر اسے بھڑکانا مناسب نہیں تھا۔ وہ عالمی فتنوں کی بات کر رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں چھپے ہوئے زہر کو اپنے بڑوں کی ہدایت پر میرے سامنے اگل رہی تھی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ خاموش رہ کر اس کی ہر بات سنتا

Downloaded from https://paksociety.com

رہوں اور اعتراض کرکے اسے ناراض نہ کروں تاکہ کسی بڑی اور ہولناک عالمی سازش کا تانابانا میرے سامنے آسکے۔ میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا جسے گنوانا مناسب نہیں تھا۔

"اپنے مذہب سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے" میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "یہ سب باتیں میری برداشت سے باہر ہیں لیکن تم مجھے دوسروں کی سوچ کے بارے میں بتا رہی ہو تو میں ہر بات سننے پر مجبور ہوں' تم اپنی بات جاری رکھ سکتی ہو۔"

"امریکا دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ ملک ہے" اپنے مشروب کا ایک بڑا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ بولنے لگی "ان کا ملک دو طرف سے وسیع سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ ان کو بجا طور پر یہ زعم ہے کہ باہر سے کوئی ان پر حملہ آور نہیں ہو سکتا مگر وہ اپنے ہم مذہبوں کے لیے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کی طرف سے سخت فکر مند ہیں۔ انہیں مستقبل کا نقشہ بھیانک نظر آرہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان جہادی قوتوں کو کھلی چھوٹ دی گئی تو مستقبل میں دنیا اسلامی غلبے میں آجائے گی۔"

"یہ ان کا گمان ہے۔ وہ بھول گئے کہ خلیج کی جنگ میں سب سے پہلے دو مسلمان ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔"

"وہ ایک واقعہ تھا۔ دوسرے واقعات میں تسلسل ہے۔ یورپ میں بحران چل رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلم باغی سر اٹھا رہے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی' بارود کے ڈھیر پر جی رہے ہیں۔ آئے دن فلسطینی مجاہد ان کے فوجیوں کو مارتے رہتے ہیں۔ کشمیر میں سب سے برا حال ہے جہاں غیر مسلم اپنی زمین پر اجنبی بنا دیے گئے ہیں۔ امریکا بہت غور اور تشویش سے یہ سب دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عالمی پیمانے پر جہادی قوتوں کی سرکوبی کا وقت آپہنچا ہے۔"

"تو کیا امریکا مجاہدوں کے خلاف کسی بڑی جنگ کی تیاری کر رہا ہے؟"

"یہ نکتہ امکانات سے خارج نہیں ہے۔ پہلے مرحلے میں جہادی قوتوں کے خلاف فضا سازگار کی جا رہی ہے۔ بعض دہشت گردوں کو بیانات کے ذریعے مجاہدوں کا ساتھی قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف معروف مجاہد رہنماؤں پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے ذریعے انہیں اور ان کے اقدامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"یعنی امریکی عالمی پیمانے پر برین واشنگ کا عمل کر رہے ہیں؟"

"تم چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔ امریکی اپنی دانست میں دنیا کو نئے عالمی خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔"

"اس سے تلخیاں بڑھانے کے سوا اور کیا مقصد حاصل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ہوم ورک ہے۔ دنیا میں روزِ اول سے دہشت گردیاں ہوتی آئی ہیں۔ جب تک کاروبارِ حیات جاری ہے' یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ ایک مرتبہ رائے عامہ سازگار ہوگئی اور امریکیوں کو عالمی حمایت ملنے کا یقین ہوگیا تو یہ دہشت گردی کے کسی بھی بڑے واقعے کو بنیاد بنا کر ان دہشت گردوں کے خلاف بھرپور محاذ کھول دیں گے جن کا یہ من مانا امیج بنا رہے ہیں۔"

"امریکا کا مخالف کیمپ بھی نادان نہیں ہے جو ان چالوں کو نہ سمجھ سکے۔"

"سمجھتے رہیں۔ ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔ عالمی میڈیا پر یہودی قابض ہیں۔ وہ اسرائیلی مفادات کی وجہ سے امریکا کے ساتھ ہیں۔ وہ مخالفانہ آوازوں کو سختی سے دبا دیں گے پھر وہی ہوگا جو امریکا چاہتا ہے۔"

"ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہو کر کوئی امریکا کے خلاف بھی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"انہیں یقین ہے کہ امریکا کی سرزمین ایسے ہر خطرے سے محفوظ ہے پھر بھی اگر ایسا ہو ہی گیا تو وہ کرۂ ارض پر جہادی قوتوں کا آخری دن ہوگا۔ امریکا ان کے خلاف میدانِ عمل میں کود پڑے گا۔ وہ دوسروں کے خلاف ہونے والی کسی بڑی دہشت گردی پر جہادی قوتوں کو للکارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے اپنے اوپر کوئی قیامت گزر گئی تو وہ جوشِ انتقام میں پاگل ہو کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"وہ دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کر کے غلطی کر رہے ہیں۔ انہیں جہاد سے خوف کیوں ہے؟"

"یہ سبق شاید انہوں نے تاریخ سے سیکھا ہے۔ آج کے خلائی اور مواصلاتی دور میں دنیا کا ہر غیر مسلم' مجاہدوں

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

سے خوف زدہ ہے کیونکہ جہاد کا فلسفہ ہی عجیب وغریب ہے۔ تم مسلمان اپنے اللہ کی راہ میں لڑ کر زندہ رہو تو غازی ہوتے ہو' لڑتے لڑتے مرجاؤ تو شہید کے رتبے پر امر ہوجاتے ہو۔ یہ فلسفہ ہر مجاہد کو زندگی اور موت سے بے پروا بنادیتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے جانیں قربان کرنے کا ایسا درس دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا۔"

"تم مجھے یہ بتا کر دہشت زدہ کرنا چاہ رہی ہو کہ امریکا مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر لڑائی کی تیاری کررہا ہے' کیونکہ وہ مجاہدین سے خائف ہے۔"

اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "شاید اگلی لڑائی قرونِ وسطیٰ کی صلیبی جنگوں کو بھی مات کردے گی۔"

اور اس منصوبے میں بھارت بھی شریک ہے؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ہم شریک نہ ہوتے تو مجھے یہ سب معلوم نہیں ہوسکتا تھا" اس کا جواب بہت سیدھا سا تھا۔

"اس جنگ جوئی سے بھارت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"پوری بات اوپر والوں کو معلوم ہوگی مگر ایک نتیجہ بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ ہمارے گرد دوستوں کی بھیڑ ہے۔ پڑوسیوں میں پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کی ساری ایٹمی سرگرمیاں پراسرار اور ہمارے خلاف ہیں۔ جب جنگ کا بگل بجے گا تو پاکستان بھی اس کی زد میں آئے گا۔ یہ مسلمان ملک ہے۔ کشمیر کے نام پر دل کھول کر مجاہدوں' بانیوں اور دہشت گردوں کی بھاری امداد کرتا رہتا ہے۔ اس کا سر کچلے بغیر جہاد کے فلسفے سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی جس دن پاکستان کا وجود ختم ہوا' پورے علاقے میں سکون ہوجائے گا پھر اس علاقے میں صرف بھارت کے نام کا ڈنکا بجے گا۔"

"علاقے میں اپنی بالادستی کے لیے تم ایک عالمی سازش کا ایندھن بننا گوارا کرلوگی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دوست! یہ مجبوری ہے۔ جب دشمن سیدھے راستے سے قابو میں نہ آئے تو اس کی پیٹھ میں چھری گھونپ دو۔ ہم کب تک اپنے سپاہیوں کی لاشیں اٹھاتے رہیں گے۔"

"یہ راز کی باتیں ہیں۔ تم نے میرے سامنے کیوں اگل دیں۔"

"یہ راز کی باتیں نہیں ہیں۔ دہلی اور کول کتا کی سڑکوں پر ٹہلنے والے بھی جانتے ہیں کہ اب ہم دل وجان سے امریکا کے پیچھے ہیں۔ ہر بھارتی جانتا ہے کہ امریکا کی مدد کے بغیر ہم پاکستان کے بھیجے ہوئے نام نہاد مجاہدوں کا صفایا نہیں کرسکتے۔ جہاں دو چار پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے ہیں' وہاں یہی سب باتیں ہوتی ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں سب کچھ ہے مگر انہیں یہ پتا نہیں کہ اس پر عمل کیسے ہوسکے گا۔ میں نے تمہیں صرف یہی ایک بات بتائی ہے۔"

"تمہیں یہ اندیشہ نہیں کہ میں یہاں سے لوٹ کر یہ کہانی کسی اور کو سنادوں گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "ضرور سنا دینا۔ لوگ فکشن کو شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ سب اسے تمہاری ذہنی اختراع قرار دیں گے۔ کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ شاید پاکستانی کچھ اور سوچتے ہوں کیونکہ وہ مسلمان اور جہاد کے حامی ہیں۔ یہاں بھارت میں لوگ دونوں سے چڑتے ہیں اور آپس میں وہی باتیں کرتے ہیں جو امریکا طے کرچکا ہے۔"

"تم نے اپنے قیمتی وقت کا ایک قابلِ ذکر حصہ بریفنگ دینے میں صرف کیا۔" میں نے ہلکے سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا واقعی نریش نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ یہ سب باتیں مجھے بتادی جائیں۔" اس سے یہ سوال کرتے ہوئے میں واقعی حیران تھا۔

"ہاں۔" اس نے گلاس سے گھونٹ لے کر میرے سوال کا جواب دیا۔

"اس طرح وہ کیا مقصد حاصل کرنے کی توقع کررہا ہے؟"

"ہمارے نیٹ ورک میں تمہارے اعتماد کو بڑھانا تاکہ تم ہم سے مخلص ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکو۔"

"اس یقین دہانی کے لیے کیا میری اور تمہاری وہ ویڈیو فلم کافی نہیں ہے جو اس کے قبضے میں ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر پوچھا۔

"شاید میں نے کبھی تمہیں بتایا ہو کہ ہماری صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں جو دل وجان سے کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ انکل کسی سے زبردستی کام لینے کے قائل نہیں ہیں۔ کام سے اکتائے ہوئے ایجنٹ کو وہ گھر بھیجنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے۔"

"اس موقع پر یہ بات دہرا کر تم مجھے کیا جتانے کی کوشش کررہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تک تمہارے دماغ پر ویڈیو فلم کا دباؤ ہے۔" اس نے دعوت انگیز اور شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اب تمہیں پتا چلا ہے کہ تم خوش قسمتی سے ایسے نیٹ ورک کا حصہ بن گئے ہو جسے امریکا جیسی منظم سپرپاور کی سرپرستی حاصل ہے تو تم دباؤ سے آزاد ہوکر نئی لگن سے کام کرو گے۔ انکل ایسے کارکنوں سے محبت کرتے ہیں۔"

"تم جیسی کارکنوں سے انکل کیا' ہر ایک محبت کرسکتا ہے۔ اتنے ذرا سے کام کے لیے عالمی سیاست کو گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" مجھے اندازہ تھا کہ میرے ان الفاظ

Downloaded from https://paksociety.com

میں سرکشی کی بو موجود تھی مگر میں نے بلا جھجک وہ بات کہہ ڈالی۔ میری وہ ہلکی پھلکی سرکشی گفتگو سننے والوں کے لیے طمانیت کا باعث ہوتی کہ میں اپنی آوازوں کے پیچھے ان کی خفیہ سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

پتھر ہوگئے ہو مگر باتیں اب بھی رنگین ہیں۔" رینا نے اپنا گلاس خالی کرکے ہلکی سی انگڑائی لی۔

"میں خود اپنے جمود سے اکتا گیا ہوں۔ اپنے رنگ میں زندگی کا مزہ لوٹنا چاہتا ہوں مگر نریش کی خوف ناک آنکھیں میرے جذبات پر ناگ بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"کیا نریش نے تم کو کچھ کہا ہے؟" رینا نے چونک کر پوچھا۔

"تم باخبر رہتی ہو تو تمہیں اس تشدد کا بھی علم ہونا چاہیے جس سے مجھے گزرنا پڑا تھا۔" میں نے پچھتاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے معلوم ہے۔ مردانہ کھیل میں مردوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"بس اسی نے میرا بیڑا غرق کیا ہوا ہے۔" میں نے اکتا کر کہا پھر فوراً ہی پوچھا "ہمارے ساتھ باہر چلو گی؟"

"آج دہلی میں تمہارا آخری دن ہے۔ تم چاہو گے تو ضرور باہر چلوں گی۔"

"پھر میں غزالہ کو بلائے لیتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے نے میرے بگ کیے ہوئے کمرے میں بیٹھ کر جو طویل گفتگو کی تھی اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوگیا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی سے میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اسے مخصوص پیغام کے تحت میرے پاس بھیجا گیا تھا۔

میری دہلی سے روانگی سے ایک دن پہلے سامنے آنے والی وہ قلابازی میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔ میں رینا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکلنے کے بعد ہی اس بارے میں کھل کر کوئی بات کر سکتا تھا۔

○☆○

وہ دن کا وقت تھا مگر کمرے میں دن کے اجالے کی بھرپور رسائی نہیں تھی۔

غزالہ نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو کھڑکیوں کے دبیز پردے سے چھن کر اندر آنے والی ناکافی روشنی میں اسے کسی خطرے کا ادراک نہیں ہوسکا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر باتھ روم کا بند دروازہ تھا۔ اس گزرگاہ نے مختصر سی راہ داری کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ جوں ہی آگے بڑھی تو اس کی نظر ایک خبیث انسانی چہرے پر پڑی۔ وہ شخص اپنے سر کو دونوں ہتھیلیوں میں لٹکائے مسہری پر اس طرح دراز تھا کہ اس کا چہرہ داخلی راستے کی طرف تھا۔ وہ ہونٹوں پر گندی مسکراہٹ لیے اپنی چمک دار نگاہوں سے غزالہ کو تکے جا رہا تھا۔

غزالہ کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس نے الٹے قدموں لوٹ جانا چاہا لیکن مسہری پر لیٹے ہوئے شخص نے اس کے خیالات بھانپ کر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ اندر آجاؤ۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔"

غزالہ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس تنومند اور دراز قامت شخص کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ نے اسے گھور کر دیکھا اور غراتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور میرے بند کمرے میں کیسے گھسے ہو؟"

"رام قسم' ناراض ہو کر تو اور زیادہ زوردار لگ رہی ہو۔" وہ لوفرانہ انداز میں بولا "اندازہ لگاؤ کہ ہم کون ہوسکتے ہیں۔"

اس کے تیور گندے تھے۔ غزالہ کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ لفنگا اس کے سامنے تھا' دروازہ اس کی پشت پر تھا۔ وہ پلٹ کر دوڑ لگاتی تب بھی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ وہ لوفر لپک کر دروازہ کھولنے سے پہلے اسے دبوچ لیتا اور وہ اس کی بری گرفت میں پھنس جاتی' اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ اس کا اجنبی سے دور اور ہوشیار رہنا ہی اس کے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔

"تم ایک خبیث اور غلیظ آدمی ہو۔" غزالہ نے غصے کی زیادتی سے اپنے نچلے ہونٹ کا ایک گوشہ چباتے ہوئے جواب دیا "ایک عورت کے کمرے میں چور کی طرح گھسنے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہوسکتا جس طرح آئے ہو' اسی طرح کان دبا کر نکل جاؤ ورنہ میں ہوٹل والوں کو بلاتی ہوں۔"

"چلے جائیں گے مگر پہلے ہمارا دل تو ٹھنڈا کردو۔ دو روز سے تمہیں دور ہی دور سے دیکھ رہے ہیں اور ہاں! شور شرابا نہ کرنا۔ لوگ آئیں گے تو بلاوجہ تمہارا تماشا بن جائے گا۔ سیر سپاٹے کے لیے دیس بدیس میں اکیلی نکلنے والی لڑکیوں کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ میں اکیلی نہیں ہوں۔" غزالہ غصے سے اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اجنبی نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ تمہارا ایک یار بھی ہے۔ وہ اپنی لونڈیا کے ساتھ مزے اڑا رہا ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ موج کرو۔ ہم تو اسی لیے آئے تھے کہ اپنے ساتھ کچھ تمہارا

Downloaded from https://paksociety.com

بھی دل خوش کردیں گے۔ آؤ! آرام سے یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سہلا کر مسہری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

غزالہ کا ذہن اس وقت بھی بہت تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ کمرے میں پیش قدمی کرنے کے بعد آسانی سے نکل بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ فون دسترس سے باہر تھا۔ شور مچاتی تو آس پاس کے کمروں میں رہنے والے ضرور متوجہ ہوتے لیکن سب سے پہلے ہوٹل کا عملہ اندر آتا اور وہ لوگ ہوٹل کو کسی بدنامی سے بچانے کے لیے وہ معاملہ کمرے میں ہی رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ عورت ذات تھی۔ اس وقت سنگین خطرے میں گھر گئی تھی۔

اس وقت تک غزالہ یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی کہ اس کے کمرے میں گھس آنے والا شخص کون تھا۔ اس کے آنے کا مقصد اس کی نگاہوں اور باتوں سے سامنے آچکا تھا۔ غزالہ کو ویرا کی زبانی یہ معلوم تھا کہ مغرب کے آزاد معاشرے میں یہ ہوتا رہتا تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والی اکیلی خواتین کے دروازوں پر رات گئے مدہوش اور بدنیت مرد دستک دیتے ہیں۔ دروازہ کھلنے پر ذرا سا بھی حوصلہ افزا جواب ملے تو وہ خوشامدانہ انداز میں' ہزار معذرتوں کے ساتھ کچھ ایسی کہانیاں تراشتے ہیں کہ عزت و آبرو کو سب کچھ نہ سمجھنے والی خواتین اپنے وقت کو "بہتر" انداز میں گزارنے کے لیے انہیں اندر بلانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ باکردار مغربی عورتیں اول تو رات گئے اپنا دروازہ ہی نہیں کھولتیں۔ یہ غلطی کر بھی ڈالیں تو اجنبی چہرے کو اپنے رد بہ رو پاکر کرختی سے جھڑک دیتی ہیں۔

معاً غزالہ کو انڈین سیکرٹ سروس یاد آگئی۔ وہ لوگ مسلسل میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ صبح میں نے فون پر نریش شرما کو ایک کہانی سنا کر بالواسطہ طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا پیچھا ترک کردے کیونکہ پتھروں سے جتنا بھی سر پھوڑ لیا جائے' تیل برآمد نہیں ہوتا۔

وہ مجھ سے مایوس ہوچکے تھے۔ اس شام رینا میرے پاس آنے والی تھی۔ شاید نریش کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ رینا کی موجودگی میں غزالہ کمرا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں لگ گئے۔ ادھر رینا میرے کمرے میں پہنچی اور ادھر ایک بدمعاش غزالہ کے خالی کمرے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں کیمرے نصب تھے اور ان کا رخ مسہری کی طرف مرکوز تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہوتا کیمروں کی زد سے محفوظ نہ رہ پاتا۔

اس شخص کی پوری کوشش تھی کہ وہ غزالہ کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانس لے۔ را کے دوسرے ایجنٹوں کے برعکس وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے اس کی کوششیں کراہیت آمیز حد تک بھونڈی اور بازاری تھیں۔ شاید را والوں نے معاوضہ دے کر عارضی طور پر اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ دہلی کا کوئی بازاری غنڈا سہی لیکن را والوں کی پشت پناہی کی وجہ سے اس وقت شیر بنا ہوا تھا۔ غزالہ دیکھ چکی تھی کہ اس فائیو اسٹار ہوٹل کی انتظامیہ را کے اختیارات کے سامنے بے بس تھی۔ وہ ہوٹل کے عملے کو بلانے میں کامیاب ہوجاتی تو ان سے کسی منصفانہ ہمدردی کی کوئی امید نہیں تھی۔ شاید غزالہ کو ہی شرمسار ہونا پڑتا۔ اس نے بہت سرعت سے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طور پر اس بدمعاش سے نمٹنے کی کوشش کرے گی۔

"تم میرے کمرے سے جاتے ہو یا میں تمہارا کوئی اور بندوبست کروں۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"ایک بار میرے قریب آجاؤ پھر میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔" اس نے فضا میں دونوں ہاتھ پھیلا کر فلمی انداز میں کہا۔

اسی لمحے غزالہ کے پیروں میں گویا اسپرنگ لگ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے فضا میں اڑتی ہوئی اپنے شکار پر جا پڑی۔ اس کے دونوں پیر پوری قوت سے اس غنڈے کے سینے پر پڑے تھے۔ وہ ایک دلی دلی غراہٹ کے ساتھ قالین پر دور جا گرا اور غزالہ دوسری طرف نکل گئی۔

غزالہ مارشل آرٹس میں کامل مہارت رکھتی تھی لیکن اسے اپنے جوہر آزمائے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے کمرے میں زیادہ دیر تک دھما چوکڑی جاری رہی تو کوئی نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوجائے گا۔

اپنے قدموں پر توازن درست کرتے ہی وہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف پلٹ پڑی۔ اس لمحے جو کچھ ہوا بہت تیزی سے ہوا اس لیے غزالہ کو اپنی انگلی میں موجود وہ انگوٹھی استعمال کرنے کا خیال نہیں آیا جو اس کے شکار کو چشم زدن میں بے ہوش کرسکتی تھی۔ اس نے غضب ناک انداز میں اپنی داہنی ہتھیلی پوری طرح کھول کر فضا میں بلند کی' اس کا شکار سنبھل کر قالین سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ غزالہ نے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر اس پر دوسرا وار کردیا۔

ندیدے بدمعاش کی کنپٹی پر غزالہ کی نرم و نازک ہتھیلی کی کھڑی ضرب اس قدر شدید تھی کہ وہ اٹھنے سے پہلے ایک ہچکی لے کر فرش پر دوبارہ ڈھیر ہوگیا۔

ہچکی کے ساتھ اس کے معدے سے کسی دیسی شراب کا تیز اور ناقابل برداشت بھپکا برآمد ہوا جس نے کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا مکدر کردی۔

غزالہ نے ہچکی کی سی سرعت سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اسے ڈر تھا کہ کہیں غصے کی وجہ سے اس کی ضرب شدید نہ ہوگئی ہو۔ اس نے جھک کر بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کی نبض دیکھی جو چل رہی تھی اور پھر اسے ٹھوکر مار کر مسہری پر آگئی۔

وہ ایک سنگین اور اہم واقعہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کو کمرے میں لگے ہوئے حساس مائیکروفونز کے ذریعے یہ علم ہوچکا ہوگا کہ ان کا بھیجا ہوا بدمعاش اپنے مقصد کے حصول میں بُری طرح ناکام ہوچکا تھا۔ اس کی مدد کے لیے کسی بھی لمحے راہ والے دروازے پر دستک دے سکتے تھے۔

غزالہ کے لیے وہ مرحلہ جاں گسل تھا۔ اس نے ہمت اور حوصلے سے کام لے کر اپنے ایک موذی دشمن کو زیر کرلیا تھا لیکن اس کے اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ وہ ایک دشمن ملک میں درندہ صفت دشمنوں میں گھری ہوئی تھی جو میرے اور اس کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس عافیت کے کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور سہارے کی ضرورت تھی جس کے لیے اس کے ذہن میں صرف میرا نام گونج رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ میں نے محض انسانی ہمدردی کے جذبے کا بھرپور اظہار کرکے را کی صفوں میں رینا کو اپنا مطیع بنالیا تھا۔ غزالہ کے کڑے وقت میں' میں رینا سے اپنی آخری ملاقات میں مصروف تھا جس میں بہت سی اہم باتیں میرے علم میں آنے کا امکان تھا۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد ہم کبھی ان معلومات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ خلوت میں ہونے والی میری اور رینا کی ملاقات سے ملک کا مفاد وابستہ تھا جب کہ دوسری طرف غزالہ کی ذات خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

وہ سوچتی رہی۔ اس کے لیے کوئی ایک فیصلہ کرنا محال ہورہا تھا۔ آخر اس نے تن بہ تقدیر ہوکر سینے پر پتھر رکھ لیا۔ ملک کے سامنے فرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ مرجاتی تو پاکستان کی کوئی بھی بیٹی اس کی جگہ لے سکتی تھی لیکن پاکستان کے کسی نقصان کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔ اگر ملک کو کسی قربانی کی ضرورت تھی تو وہ اپنا لہو دینے کے لیے تیار تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ انٹرکام کے ذریعے بھی میری اور رینا کی گفتگو میں مخل نہیں ہوگی۔

دہلی کے خبیث غنڈے کا بھاری وجود کسی بے جان لاش کی طرح کمرے کے قالین پر پڑا ہوا تھا۔ کسی غیر ضروری ناگہانی آفت سے بچنے کے لیے اس کا وہاں سے ہٹایا جانا ضروری تھا۔ غزالہ کے بدن میں بجلی سی سرایت کرگئی۔

اس کے سامان میں کوئی قابلِ ذکر چیز موجود نہیں تھی۔

اس نے دراز وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس وقت اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہر چیز کو الٹ پلٹ رہی تھی۔ آخر کار اسے کاٹن ٹیپ کا وہ مضبوط رول مل گیا جو ہوٹل والوں نے اپنے مہمانوں کی ازار بند وغیرہ کی ضروریات کے لیے کپڑوں کی الماری کے ایک خانے میں رکھا ہوا تھا۔

وقت کی رفتار یک بیک سست ہوگئی تھی۔ غزالہ کو ایک ایک لمحہ صدیوں سے زیادہ بھاری محسوس ہورہا تھا۔ اس نے کاٹن ٹیپ کی مدد سے بے نام بدمعاش کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لے جاکر جکڑ دیے پھر بے ہوش قیدی کے پیر بھی ملا کر تختی سے باندھ دیے تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی آزادی کے ساتھ نقل و حرکت نہ کرسکے۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے اپنی کارگزاری کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر اس بندھے ہوئے نیم مردہ کو باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا۔

اس وقت غزالہ نے بے مثال استقامت سے کام لیا۔ ایک طرف اسے را کے مددگاروں کی دخل اندازی کا دھڑکا لگا ہوا تھا دوسری طرف وہ خود اعصابی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس کے لیے قیدی کے بھاری وجود کو گھسیٹنا دشوار ہورہا تھا۔ اسے باتھ روم میں پہنچانے تک اس کا سانس بری طرح پھول گیا اور وہ ہانپنے لگی۔

بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں بند کرکے وہ ریفریجریٹر کی طرف آئی اور ٹھنڈے پانی کے دو گلاس غٹاغٹ چڑھا گئی۔ پانی پینے سے ذرا سا سکون ملا تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندا۔ وہ اپنے تھیلے سے روئی کا پیکٹ لے کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسی۔

اس نے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں روئی کا آدھے سے زیادہ پیکٹ قیدی کے حلق تک ٹھونس دیا اور دوبارہ باتھ روم سے نکل آئی۔

وہ مشینی اور غیر ارادی طور پر وہ سب کرتی چلی آرہی تھی۔ اس نے قیدی کو اس بری طرح بے بس کردیا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اپنی نجات کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ میرے فارغ ہونے کے بعد بھی اس سے کیسے چھٹکارا پایا جائے گا۔

اپنے کمرے میں کچھ دیر تک ٹہلنے کے بعد وہ تھک کر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کے کان انٹرکام کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اسے پوری امید تھی کہ رینا سے مذاکرات ختم ہوتے ہی میں اس سے رابطہ کروں گا اور اس کی مشکل آسان ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

اسے اپنا قیدی گلے کی ہڈی بنتا نظر آرہا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ کمرے سے نکال کر ہوٹل کی راہ داری میں ڈالا

Downloaded from https://paksociety.com

جاسکتا تھا۔ اس کام کے لیے میدان صاف ہونا ضروری تھا۔ رات گئے ہوٹل کے عملے اور مہمانوں کی بے خبری میں وہ کام کیا جاسکتا تھا لیکن اصل خطرہ را کے ایجنٹوں کی طرف سے تھا۔ انہوں نے غزالہ کی تذلیل کے لیے اپنے کرائے کا آدمی اندر بھیجا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک وہ ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کے کمرے سے غافل نہیں ہوسکتے تھے۔ جوں ہی وہ کسی کو بھاری انسانی وجود کے ساتھ غزالہ کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھتے' اچانک سامنے آکر ہم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرلیتے۔ غزالہ کو میری آمد کے بعد بھی وہ مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

وقت سسک سسک کر گزرتا رہا۔ غزالہ ہولناک اندیشوں کی دلدل میں ڈوبتی اور ابھرتی رہی۔ اپنی توہین اور اجنبی کے جارحانہ تیوروں پر مشتعل ہوکر غزالہ ایک انتہائی قدم اٹھاچکی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا جارہا تھا کہ اس نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔

میں اس پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر رینا کو کریدنے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی بے چینی ہر لمحے بڑھتی جارہی تھی جو رفتہ رفتہ تشویش میں بدل گئی تھی۔ اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور غزالہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی اور خوف زدہ نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ طویل انتظار سے اکتاکر آخر کار را کے ایجنٹ اپنے آدمی کی تلاش میں اس کے دروازے پر آپہنچے تھے۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تب بھی اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ دروازہ نہ کھولتی تو وہ دروازہ توڑ کر اندر آنے پر قادر تھے۔

وہ اٹھی تو اس کی پنڈلیوں میں ہلکی سی لرزش موجود تھی۔

"کون ہے؟" اس نے بند دروازے کے قریب پہنچ کر کمزور آواز میں سوال کیا۔

"روم سروس' میڈم!" باہر سے ایک مہذب مردانہ آواز سن کر غزالہ کے کھوئے ہوئے اوسان قدرے بحال ہوئے اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

بیرونی راہداری میں سروس ٹرالی موجود تھی۔ اس کے سامنے ایک نوجوان ویٹر چائے کی ٹرے اٹھائے موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اسے اندر آنے کی راہ دیے بغیر سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"میڈم! آپ کا دو چائے کا آرڈر تھا" اس نے سٹپٹائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں غزالہ کے شانوں کے پیچھے کمرے میں دیکھنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"میں نے کوئی آرڈر نہیں دیا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے" غزالہ نے بے رخی سے جواب دیا اور دروازہ بند کرکے اس سے پشت لگادی۔

"کمال ہے۔ انٹر کام پر تو کمرے کا یہی نمبر بتایا تھا" اس کے کانوں میں باہر سے ویٹر کی بڑبڑاہٹ آئی "خیر' دیکھا جائے گا۔"

غزالہ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی پھر تھکے ہوئے انداز میں چل کر ایک صوفے پر جاگری۔ گزرے ہوئے واقعات نے ذرا سی دیر میں اسے اندر سے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے روح محسوس کررہی تھی۔

غزالہ کو یقین تھا کہ ویٹر کی بڑبڑاہٹ اسے دھوکا دینے کے لیے تھی۔ وہ ہوٹل کا ویٹر نہیں' ویٹر کے روپ میں را کا کوئی آدمی تھا جو چائے کے بہانے کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کی نیت سے بھیجا گیا تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ غزالہ نے اس کی آمد سے پہلے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں منتقل کردیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پڑا رہتا تو دروازہ کھلتے ہی اس کا ننگا دھڑنگا میں آنا یقینی تھا۔

غزالہ اپنی جگہ فکرمند تھی اور را والے اپنی جگہ تشویش میں مبتلا تھے۔ ان کی طرف سے ویٹر کے روپ میں چھپڑ پھاڑ کی ابتدا ہوچکی تھی۔ غزالہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تن تنہا کتنی دیر تک ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کرسکے گی۔

اچانک اس کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ غزالہ دیر سے اسی سہانی آواز کی منتظر تھی۔ اس کے وجود کی ساری توانائیاں سمٹ کر اس کی ٹانگوں میں مرکوز ہوگئیں اور اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھالیا۔

○☆○

میری آواز سن کر غزالہ نے کانپتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ میں فوری طور پر اس کے کمرے میں پہنچوں' وہاں گڑبڑ تھی۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ گڑبڑ تھی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا جبکہ ہمارے دونوں کمرے ایک فلور پر واقع تھے۔

لمحہ بھر میں میرے ذہن میں کئی امکانات ابھرے اور خود ہی معدوم ہوگئے۔ وہ واقعہ کچھ بھی رہا ہو' اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ غزالہ صحیح سلامت تھی اور مجھ سے بات کرنے کے قابل تھی۔ اپنے کمرے میں اسے ایک ہی خطرہ ہوسکتا تھا کہ نشے میں چور کوئی پڑوسی بار بار اسے تنگ کررہا ہو اور وہ دروازہ کھولتے ہوئے ڈر رہی ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ دہلی کا کوئی نہاری ہوٹل نہیں بلکہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ وہاں ایک سے ایک بگڑا رئیس آتا تھا۔ ایسے لوگوں سے الجھنا یا انہیں سمجھانا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت سرکاری گواہ کے طور پر میرے ساتھ رینا کی موجودگی سودمند ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کی سرکر میاں کچھ بھی رہی ہوں لیکن وہ را کی تنخواہ دار ضرور تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے سرکاری کارڈ کی ایک جھلک ہی غزالہ کو ستانے والے کا نشہ ہرن کردے گی۔

میں نے رینا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ کے بند دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی میں نے اونچی آواز میں اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔ مدعا یہ تھا کہ اسے کوئی غلط فہمی نہ ہو بلکہ میرے پہنچنے کا اطمینان ہوجائے۔

دروازہ کھلا اور غزالہ بلک کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں اسے اپنی بانہوں میں لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ رینا نے ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

کافی دیر تک غزالہ کی سسکیوں اور آنسوؤں کا سلسلہ نہیں رک سکا۔ اس دوران میں اس نے جب دوسری بار باتھ روم کی طرف اشارہ کیا تو رینا کے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اس نے اندر کا منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ تو شاید مرچکا ہے۔ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے؟" اس نے پلٹ کر سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کے انکشاف پر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو دیکھ کر میں نے بھی وہی سوچا جو رینا کے ذہن میں آیا تھا۔ کسی نے تشدد کے بعد اسے مار کر وہاں ڈال دیا تھا۔ غزالہ کسی ضرورت کے تحت باتھ روم میں گئی تو اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئی۔ اسی اثنا میں، میں نے اسے فون کرلیا۔

غزالہ اس وقت شدید جذباتی بحران سے دوچار تھی مگر اسے یہ یاد تھا کہ اس وقت را پر کسی قسم کا شبہ ظاہر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس نے کسی بھی قیاس آرائی سے بچتے ہوئے بہت اختصار کے ساتھ پورا واقعہ ہمیں سنادیا۔

"مگر اس مردود کو تمہارے کمرے کی چابی کہاں سے مل گئی؟" غزالہ کی روداد سن کر رینا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سب بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ اس سے نجات کیسے ملے گی؟" غزالہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میرے سینے سے الگ ہوچکی تھی مگر اس نے مضبوطی سے میرا داہنا بازو تھاما ہوا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں میرے بازو میں گڑی جارہی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت رینا کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔ بے دست وپا قیدی کو دیکھ کر وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھی کیونکہ اس کی خوبصورت آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو" رینا نے غزالہ کی پشت پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیا "سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔"

وہ سیدھی فون کی طرف گئی اور براہ راست کوئی فون نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ میں غزالہ کو تسلی تشفی دیتا رہا مگر میرے کان رینا کی طرف لگے ہوئے تھے۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر رینا نے اتنی نیچی آواز میں گفتگو کی کہ میں کوشش کے باوجود واضح طور پر کوئی لفظ نہیں سن سکا۔ اپنی گفتگو ختم کرکے وہ ہماری طرف گھومی اور بولی "قیدی کو یہیں چھوڑ کر باہر چلو۔ را والے خود اسے اٹھالے جائیں گے اور پوچھ گچھ کرلیں گے۔"

میرے لیے وہ بڑی خبر تھی لیکن غزالہ سکتے کے سے عالم میں تھی۔ میں نے اس کے رخساروں پر تھپڑ لگا کر اسے ہوش دلایا اور اسے اس کمرے سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"یہاں نہیں، اب کچھ دیر کے لیے ہوٹل سے باہر نکل چلو" رینا نے میرے کمرے کے دروازے پر رک کر مشورہ دیا "غزالہ کا دل بہل جائے گا۔"

چند ثانیوں پہلے خود میں نے رینا کے ساتھ وہی پروگرام طے کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ غزالہ کی مدد کرے تاکہ وہ ہاتھ منہ دھوکر ہمارے ساتھ باہر جانے کے قابل ہوسکے۔ رینا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر غسل خانے میں گھس گئی۔

ہمارے صرف کمرے بک کیے گئے تھے لیکن ہوٹل کی عمارت سے باہر آنے تک تینوں کی زبانیں بند رہیں۔ اس وقت تک مجھے صحیح حالات کا علم نہیں تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غزالہ پر ناکام مجرمانہ حملے کی کوشش کو را کی سرپرستی حاصل ہوگی۔

"آج تم نے کمال کردیا" ہوٹل سے باہر نکلتے ہی رینا تعریفی لہجے میں بول پڑی "میں تمہیں ایک عام سی خانہ دار لڑکی سمجھتی تھی مگر تم تو چھپی رستم نکلیں۔ تم نے مرلی جیسے فیل پیکر کو اتنی آسانی سے کیسے زیر کرلیا۔"

رینا کے الفاظ پر میں چونک پڑا "مرلی؟ تو کیا تم اس حملہ

Downloaded from https://paksociety.com

آور کو جانتی ہو؟"

رینا نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "میں وہاں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی مگر اب بتا رہی ہوں کہ غزالہ کے قیدی کو دیکھ کر مجھے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ مرلی باڑہ ہندو راؤ کا ایک معمولی بدمعاش ہے جو کبھی کبھی ہمارے لیے کام کرتا ہے۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے تمہارے بڑوں نے بھیجا ہوگا۔" غزالہ نے آزردہ آواز میں کہا "وہ اس طرح وہاں شیر بنا ہوا تھا جیسے وہ اسی کا کمرا ہو۔"

میری کھوپڑی گھوم گئی اور میں نے زہریلی آواز میں رینا سے پوچھا "یہ کس کی حرکت تھی؟ اس بارے میں تم نے کس سے بات کی تھی؟"

"میری رسائی نریش تک ہے۔ وہ مرلی کی ناکامی کی خبر سن کر گالیوں پر اتر آیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں اس حرکت سے بالکل بے خبر تھی۔"

رینا کو اپنے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کا اضطراری ردِعمل دیکھ کر اس کی بے گناہی پر ایمان لا چکا تھا۔ نریش شرما اپنی ہر شکست کے بعد کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح پلٹ پلٹ کر بھیانک وار کر رہا تھا۔ یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے کوئی من پسند کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ بہت ذلیل شخص ہے۔ میں اسے فنا کر دوں گا" میں نے طیش میں آکر غراتی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔

"اپنے اوپر قابو رکھو" رینا نے ہراساں ہو کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "ہم کھلے بازار میں نکل آئے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

اچانک مجھے یاد آگیا کہ بھارت کی سرزمین پر میں ڈینی نہیں، مظہر خان بنا ہوا تھا جو ایک مصلحت کوش اور ڈرپوک کاروباری شخص تھا۔ میں نے سنبھل کر کہا "میں جانتا ہوں کہ چیونٹی بھی اپنے گھر میں شیر ہوتی ہے لیکن برداشت کی حد ہوتی ہے۔"

"شاید قصور میرا ہے" رینا مایوسانہ لہجے میں بولی "مجھے تم کو نہیں بتانا چاہیے تھا کہ میں مرلی کو جانتی ہوں۔ میں اپنی زبان بند رکھتی تو تم اسی بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہوتے کہ بے ہوش قیدی سے آرام سے جان چھوٹ گئی ورنہ وہ گلے کا ہار بن جاتا۔"

"رینا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے مجھے سمجھایا "اس کمینے کے منہ لگنا بیکار ہے۔ ہم یہاں رکے تو وہ اسی طرح ہماری راہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"میری نہیں تو اپنی غزالہ کی بات ہی مان لو" رینا نے میری خوشامد کی۔

میں نے کچھ نہیں کہا مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے کمرے کی بکنگ واپسی پر منسوخ کروا دوں گا۔ بھول چوک میں وہ کمرا کسی بھی وقت میرا یا غزالہ کا مدفن بن سکتا تھا۔

خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رینا سے نہ رہا گیا اور وہ غزالہ سے دوبارہ پوچھ بیٹھی "دیکھنے میں تم دھان پان سی لڑکی ہو جو ذرا سی تیز ہوا سے اڑ سکتی ہو۔ تم نے مرلی کو اتنی آسانی سے بے ہوش کر کے کیسے باندھ ڈالا؟"

غزالہ کو جوش میں آکر شیخی بگھارنی چاہیے تھی مگر وہ ایسی کسی حرکت کے مضمرات سے آگاہ تھی۔ ویسے بھی وہ رینا کو زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا "بس وہ دھوکے میں کھڑا رہ گیا اور میرا ہاتھ صحیح جگہ پڑ گیا ورنہ آج میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اصل کہانی وہ ہوش میں آنے کے بعد سنائے گا۔ جو مجھ تک پہنچ جائے گی" رینا نے ہماری افسردگی دور کرنے کے لیے شوخی سے کہا "تم بلاوجہ انکسار سے کام لے رہی ہو۔"

غزالہ پھیکے انداز میں ہنس پڑی "کبھی کراٹے سیکھا تھا' آج وہی کام آگیا۔ وہ آسانی سے کرنے والا نہیں تھا۔"

"ایک طرف اس نے غزالہ پر ریکی وار کر کے منہ کی کھائی' دوسری طرف تمہیں میرے پاس بھیج دیا" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ دنیا بھر کی سیاسی کہانیاں سنا کر مجھے کیا جتانا چاہ رہا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔ وہ لومڑی کی طرح مکار مگر بھیڑیے کی طرح بزدل افسر ہے۔ اس کے دماغ کے کسی کونے کھدرے میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ تم پاکستان جا کر اپنی باتوں سے پھر گئے تو کیا ہوگا۔ اس کے پاس تمہاری کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وہ تمہیں بلاوجہ دھمکا رہا ہے۔ امریکا اور بھارت کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کے کھیل کی کہانیاں سن کر تم رعب میں آجاؤ گے اور خاموشی سے کٹھ پتلی بنے رہو گے۔ ہم پہلے بھی کئی پاکستانیوں کو پھانس چکے ہیں لیکن تم کو پتا نہیں کیوں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے" اس نے تفصیل سے بتایا۔

میرے دل کی بات دہرا کر اس نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ زمانہ شناس لڑکی تھی۔ ہر بات موقع محل کی مناسبت سے کرتی تھی۔ نریش شرما کی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے اس نے بہت خوبصورتی سے میری اور اپنی ویڈیو فلم کا ذکر گول کیا تھا۔

میرے سامنے وہی چند باتیں تھیں جن کی وضاحت کے لیے ہمارا ہوٹل سے باہر نکلنا ضروری تھا۔ وہ وضاحتیں سامنے آنے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوگیا اور ہم خوش دلی کے ساتھ اپنے قرب وجوار کی دلچسپیوں میں محو ہوکر نئے سرے سے کنائٹ پلیس کی سیر میں مصروف ہوگئے۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ہم گھاس کے ایک قطعے میں جا بیٹھے۔

گفتگو کرنے کی آزادی میسر آتے ہی غزالہ نے پھر نریش کا ذکر نکال لیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس قدر ہولناک تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اسے اپنے ذہن سے محو کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے اسے رینا کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے سیر حاصل تبادلۂ خیال کا موقع دینے کے لیے سگریٹ سلگائی اور نرم گھاس پر دراز ہوگیا۔

"پچھتانے کے بجائے یہ سوچو کہ آج تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی سبکی ہوئی ہے۔ جب انکل کو پتا چلے گا کہ آج کیا ہوا ہے تو نریش انہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا" کچھ دیر بعد میرے کانوں میں رینا کی آواز آئی۔ وہ غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اس کی سبکی میرے زخم کو مندمل نہیں کرسکتی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ عورت ہونا کیا معنی رکھتا ہے" وہ غزالہ کی مرجھائی ہوئی آواز تھی۔

"اس کا پڑھایا اور سمجھایا ہوا آدمی اپنے قدموں پر چل کر تمہارے کمرے میں پہنچا تھا۔ تم اندازہ لگاؤ کہ جب اسے بے ہوشی کی حالت میں اسٹریچر یا کندھوں پر لاد کر لے جایا گیا ہوگا تو نریش کے دل پر کیسے سانپ لوٹے ہوں گے۔ تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر بدلہ لیا ہے۔"

"ایک زخم لگانے سے دوسرا زخم نہیں بھرتا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور میں نے آنے والے کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا۔ وہ ضرور سرپیٹ رہا ہوگا مگر میری خلش اپنی جگہ پر ہے۔ یہ رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگی۔"

"تم بھی مظہر خان کی طرح حساس طبیعت کی مالک معلوم ہوتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ تمہارے دشمن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اسے ہر طرف ناکامی کا سامنا ہے۔ اسے سب سے بڑا دھچکا اس وقت لگے گا۔ جب مظہر پاکستان جاکر چند دن بعد اسے آنکھیں دکھائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" میں نے لیٹے لیٹے جواب دیا "میں اسے آنکھیں دکھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ کی رقم معمولی نہیں ہے۔ جب تک وہ انکار نہیں کرے گا' میں اس ذلیل اور کمینہ فطرت شخص کے لیے کام کرتا رہوں گا۔"

میرے جواب پر رینا حیران رہ گئی "تمہارا یہ ارادہ ہے تو اس کے سارے جتن بے سود ہیں۔ پتا نہیں وہ کیوں کانٹوں پر منہ مار رہا ہے۔"

سب کچھ ہونے کے باوجود یہ بات طے تھی کہ رینا اجیت رائے اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے مجبوریوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ را کی ملازمت اس کی مجبوری تھی۔ ایک مرتبہ وہ طوق پہن لینے کے بعد اپنی مرضی سے اسے اتار پھینکنا اس کے بساط سے باہر تھا۔ اسے زندگی بھر ان کا غلام رہنا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے کسی لغزش کی بنا پر معتوب یا معزول کردیا جاتا۔ غزالہ کی طرح رینا بھی ایک عورت تھی۔ را کے درندے عورت کو ٹکیل دے کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔

جب تک رینا ان کی صفوں میں شامل تھی' اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ کمزور عورت اپنے بڑوں کے سامنے کسی بھی لمحے اعصاب شکن تجربات سے گزر سکتی تھی۔ ایسے کمزور لمحوں میں وہ دنیا کا ہر سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتی۔ اپنے بچاؤ کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اپنے بارے میں یہ بات اس کے ذہن میں راسخ کردوں کہ میں مظہر خان تھا جس کے لیے طاقت ور سے ڈرنا اور ہر قیمت پر چار پیسے کمانا زندگی گزارنے کے سنہرے اصول تھے۔

رینا کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ را کے دفتر کی آگ اور جان اسمتھ کے قتل جیسے بڑے کاموں میں ہمارے کوئی ہاتھ کار فرما تھے پھر بھی شاید اس نے اپنے دل میں میرے لیے کوئی بڑا مقام بنایا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے بزدلانہ جواب سے رینا کے اس تصور کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ یکایک خاموش ہوگئی تھی۔

میں اس کی کوئی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مفادات کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اسے مزید کچھ سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ غزالہ کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کرتی رہی پھر واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کل دہلی میں ہمارا آخری دن ہے" اسے رخصت کرنے سے پہلے غزالہ نے یاد دلایا "ملنے کے لیے آؤ گی؟"

"کوشش کروں گی مگر وعدہ نہیں کرتی" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

میں نے اس سے آنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

کے بعد اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور وہ بوجھل قدموں سے ایک طرف چل دی۔

ہم دونوں پارک میں کھڑے چند ثانیوں تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر مڑ کر اپنی راہ ہولیے۔

"آپ نے آخر میں پیسے کے لیے اپنا لالچ ظاہر کرکے بلاوجہ اس بے چاری کو مایوس کردیا۔ اسے آپ کے انہونے خیالات سن کر صدمہ ہوا تھا" غزالہ نے میرے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے سے کہا "آپ پیسے کی پروا بھی نہیں کرتے پھر بلاوجہ اسے یہ جتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"خاموشی سے چلتی رہو۔ اپنی ضروریات کو میں بہتر طور پر سمجھتا ہوں" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے غزالہ کے کمرے کی بکنگ منسوخ کروانے کے بعد اس کا نام اپنے ساتھ درج کروالیا۔ میرے ایما پر کلرک نے کمرے سے مختصر سا سامان نکالنے کے لیے چابی غزالہ کے حوالے کردی۔

ہم اوپر پہنچے تو روم سروس والوں کو انٹرکام پر ایک کمرا خالی ہونے کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ میں نے غزالہ کے کمرے میں گھستے ہی باتھ روم میں جھانکا تو وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پا قیدی وہاں سے غائب تھا۔ شاید راؤ والے پہلی فرصت میں اسے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

غزالہ نے اپنا اسباب سمیٹا۔ پورٹر نے اس کے دونوں تھیلے اٹھائے اور ہم نے اس کمرے کو خیرباد کہہ دیا۔

ہم نے جب سے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھا تھا' حالات کو کسی ایک جگہ قرار نہیں تھا۔ صورتِ احوال پل پل میں اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ کبھی یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے دشمن کے خلاف اپنی لڑائی فیصلہ کن انداز میں جیت لی ہے اور کبھی ہمیں اپنا انجام سامنے نظر آتا تھا۔

نریش کمار کو دیے ہوئے پروگرام کے مطابق دہلی سے ہماری روانگی میں کم و بیش پورے ایک دن کا وقفہ حائل تھا۔ نریش نے اس وقفے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے جو ناکام وار کیا تھا اس نے مجھے ذہنی اضطراب میں مبتلا کردیا تھا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ نریش پے در پے کئی چوٹیں کھا کر بھی نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ہر بار نئے زاویے سے حملہ کررہا تھا اور توقع یہ تھی کہ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں پھر کوئی نہ کوئی حرکت کرے گا۔

ہوٹل کے کمرے میں ہم انڈین سیکرٹ سروس کے نصب کیے ہوئے خفیہ آلات کے اسیر تھے اس لیے آپس میں کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے لیکن دونوں ہی اپنی اپنی جگہ فکر و تشویش میں مبتلا تھے غزالہ کا تجربہ تازہ اور زیادہ گمبھیر تھا اس لیے اس کی تشویش بھی زیادہ گہری تھی۔

آٹھ بجے غیر متوقع طور پر نریش شرما کا فون آگیا۔ آپریٹر کی زبان سے اس کا نام سن کر میں چونک پڑا۔

"سنا ہے کہ آج کسی بدمعاش نے تمہاری ساتھی کے کمرے میں گھس کر اس سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی" رینا نے اس معاملے پر غزالہ کے کمرے سے براہ راست نریش سے گفتگو کی تھی اور اسی کے ایما پر ہمیں قیدی کو چھوڑ کر باہر نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے یہ تصدیق بھی کی تھی کہ مرلی اکثر راؤ والوں کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ اس کی ناکامی کی خبر سن کر نریش شرما غصے میں آپے سے باہر ہوگیا تھا۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں اس کے انجان بننے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کا وہ سوال سن کر میرا خون کھول اٹھا مگر میں اس کو کوئی منہ توڑ جواب دینے سے قاصر تھا۔ میں نے بہت زیادہ تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "کاش' تم نے سننے کے بجائے وہ منظر دیکھا ہوتا۔ میری ساتھی کی خوف سے آدھی جان نکل گئی تھی۔"

"مگر وہ بہت دلیر اور مردمار لڑکی ہے۔ میں نے تمہارے مجرم کو دیکھا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ چوہے کی طرح اس لڑکی سے پٹ گیا۔"

"ظالم اور مظلوم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جب مظلوم اپنی بقا کے لیے لڑنے پر کمربستہ ہوجاتا ہے تو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو بھی پلک جھپکتے میں زیر کرلیتا ہے۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اپنے دشمن پر غالب آنے کے بعد وہ دیر تک آنسوؤں سے روتی رہی تھی۔"

"میری طرف سے اسے دلاسا دینا کہ میں اس کے مجرم کو قرار واقعی سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ قید میں ہے۔ اس کے ہوش میں آتے ہی اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کردیا جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔"

"اس تعاون کے لیے میں تمہارا شکرگزار ہوں" اس سے ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے حلق میں تلخی گھلنے کا احساس ہورہا تھا۔

"غزالہ سے یہ ضرور پوچھنا کہ اس نے مجرم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟"

"میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔ اس نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔ وہ نچلے طبقے کا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بڑے ہوٹلوں وغیرہ کا رخ کرنے سے کتراتے ہیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت غزالہ کے کمرے کا رخ کیا ہو۔ وہ مقفل کمرے میں پہلے سے گھسا ہوا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے افسوس ہے کیونکہ اب دہلی میں تم دونوں ہمارے مہمان ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہم لوگوں کی ذمے داری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ جو ہوگیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ ہمدرد بن کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ میرے پاس اس کی مکاری کو درگزر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ اس بار میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ اسی قدر گھٹیا کردار کا مالک تھا کہ اس سے ہر ملاقات اور گفتگو کے بعد میرے دل میں اس سے نفرت کا جذبہ مزید گہرا ہوجاتا تھا۔ انل بسواس اس سے کہیں بڑا افسر تھا اور شاید ساری منصوبہ بندیوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہوتا تھا لیکن اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس کے خلاف بغض وعناد کو ہوا دیتی ہو۔

نریش نے میرے کسی جواب کی توقع میں صرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی اختیار کی اور میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر دوبارہ اپنی بات شروع کردی "آج کی رات گزارنے کے بعد تم ہماری طرف سے کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہوگے۔ واپسی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"یہ رات گزر جائے، کل کسی بھی وقت ہم نکل جائیں گے" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں سوچا؟" اس کی آواز تحیرزدہ سی تھی۔

"اس میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے" میں نے اس کے تجسس کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "ہمیں پولیس رپورٹ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ سفری کاغذات مکمل ہیں۔ اسٹیشن جاکر ٹکٹ لیں گے اور ٹرین میں سوار ہوجائیں گے۔"

"اس بارے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتادینا" اس نے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"مگر کہاں اور کیسے؟" میں نے بے ساختہ کہا "اب میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تمہارا دیا ہوا پہلا کارڈ میں نے تلف کردیا تھا۔"

"اوہ!" میرے کانوں میں اس کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز گونجی "میں آج کل خود بھی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہوں۔ وقت نکال کر کل صبح تم سے رابطہ کرلوں گا۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ اگلے دن ہمارا خریداری کا پروگرام تھا جس سے میں نے اسے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔

"نریش کا فون تھا" میں نے وہ گفتگو ختم ہونے کے بعد معنی خیز نظروں سے عزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ تمہارے ساتھ پیش آنے والے افسوسناک واقعے پر اپنے دکھ اور ہمدردی کا اظہار کررہا تھا۔"

میری طرح عزالہ بھی اس وقت کیمروں کی زد سے باہر تھی۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی بند کرکے انگوٹھے سے فرش کی طرف اشارہ کیا جو نریش پر لعنت کے مترادف تھا مگر میری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنے اس جذبے کا اظہار نہیں کرسکی "یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں۔ دوبارہ بات ہو تو میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کردینا۔"

وہ کمرا میرے لیے قیدخانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اس رات گوپال سے میری ملاقات طے تھی۔ میں نے اسے کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ باہمی رابطوں کے سنگین بحران کی وجہ سے وہ اندھیرا پھیلتے ہی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکا ہوگا۔

اس وقت میرے ذہن پر ایک نئی فکر بھی سوار تھی کہ عابد علی عرف گوپال سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے عزالہ کو کہاں چھوڑا جائے۔ کچھ دیر قبل رونما ہونے والے سنگین واقعے کے بعد میں اسے کمرے میں تنہا چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجھے اس بارے میں فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ کمرے کے مقابلے میں ہوٹل کے بھرے پرے گراؤنڈ فلور پر عزالہ زیادہ محفوظ رہتی۔ لابی سے لے کر ریستوران اور کافی شاپ تک متعدد باروقار مقامات تھے جہاں وہ کسی دشواری کے بغیر کافی وقت گزار سکتی تھی۔

"آؤ، ذرا نیچے چلتے ہیں۔ کمرے کی بند فضا میں مجھے گھٹن محسوس ہورہی ہے" فیصلہ کرتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

عزالہ تیار تھی۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے دوبارہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"تم ہوٹل میں کہیں وقت گزارلو۔ میں گوپال سے ملاقات کرکے واپس آتا ہوں" میں نے لفٹ کا انتظار کرتے ہوئے عزالہ کو بریف کیا۔

"میں سمجھ گئی تھی کہ آپ اسی ملاقات کے ارادے سے نکلے ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پہلے ہی سوچ چکی ہوں کہ کچھ دیر تک ونڈو شاپنگ کرنے کے بعد ریستوران میں بیٹھوں گی۔ آپ کو واپس آنے میں دیر سویر ہوگئی تب بھی میں آسانی سے وہاں وقت گزار سکوں گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

لفٹ آگئی۔ اس میں اوپری منزلوں کے تین افراد سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہم بھی گراؤنڈ فلور پر پہنچ گئے۔

لفٹ سے نکل کر میرا براہِ راست پارکنگ لاٹ کی طرف، جانا مناسب نہیں تھا۔ راہ والوں کی طرف سے کوئی نگرانی نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک غزالہ کے ساتھ ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں دکانوں کی سیر کرتا رہا پھر خاموشی سے اس سے الگ ہو کر ٹہلتا ہوا ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

پارکنگ لاٹ روشن تھی۔ میں نے رک کر گاڑیوں کے ہجوم پر نظریں دوڑائیں اور عابد علی کو دیکھ لیا۔ وہ سر جھکائے ایک گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا مگر وہ ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ایسے مواقع پر برتی جانے والی کوئی احتیاط اس نے نظرانداز نہیں کی تھی۔ مجھے کوئی اشارہ کرنے کے بجائے اُن جان بن گیا تھا۔ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

شاید اس نے کن انکھیوں سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میں نے سیاہ رنگ کی اس گاڑی کی پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ وہاں کئی گاڑیوں میں ایک سے زیادہ افراد بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ وہ سب غالباً ڈرائیور تھے جو اپنے مالکان کی واپسی کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ ہم دونوں وہاں رکے رہتے تو شاید کسی کی نگاہوں میں نہ آتے لیکن عابد علی مجھ سے زیادہ محتاط تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھادی۔ ایک جگہ رکے رہنے کے مقابلے میں دورانِ سفر تبادلہ خیال کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اسے اختصار سے نریش کی تازہ ترین حرکت کے بارے میں بتادیا۔

اس نے میرے ان اندازوں کی دوبارہ تائید کی کہ راکی طرف سے میری یا غزالہ کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔ اس نے سنیل کے ساتھ اپنی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ان دونوں میں ایک شخص ہر وقت ہمارے آس پاس رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ شہر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اس نے انل بسواس کے گھر کا قریب سے جائزہ لے کر یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس گھر میں تین ملازمین سمیت جملہ سات نفوس کی رہائش تھی۔ وہاں کارروائی کے لیے رات کے دو بجے کا وقت منتخب کیا گیا تھا تاکہ کسی طرف سے مداخلت کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ میرے اور غزالہ کے ساتھ وہ تینوں اس مہم میں شریک ہونے والے تھے۔

وہ مجھے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کر کے بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔ توقع یہی تھی کہ ہم کسی بڑی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اپنے شکار کو آسانی کے ساتھ جسم و اصل کردیں گے۔

"میں اس پروگرام میں ذرا سی تبدیلی چاہتا ہوں" اس کی پوری بات ختم ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم کھل کر بتاؤ' میں تمہارے تجربے کا قائل ہوچکا ہوں۔ یقیناً تم نے اس پلان میں کوئی کمی محسوس کی ہوگی" عابد علی نے خلوص سے دعوت دی۔

"اس منصوبے پر اسی طرح عمل ہوگا۔ بسواس کے ساتھ اب نریش شرما بھی میرا ہدف ہے۔ کل رات اس کا بھی کام تمام ہونا چاہیے" میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا۔

اس نے گاڑی چلاتے چلاتے چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو پھر دبی زبان سے بولا "ایک رات میں دونوں کام ذرا مشکل ہوجائیں گے۔"

"میں مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔ تم لوگ مجھ سے زیادہ کٹھن وقت گزار رہے ہو۔ ہمیں مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر ہدف پر نگاہ رکھنی چاہیے۔"

"میں ابھی کام شروع کردوں گا۔ کل رات سے پہلے ہم ایک اور ملاقات میں پورے خاکے پر بات کرلیں گے" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"دن کی روشنی میں ہمارا ایک ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ تم آج ہی کے وقت آجانا۔ ہم ہوٹل چھوڑ دیں گے اور دو بجے سے پہلے ہر بات طے کرلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے" اس نے میری تجویز بلا تامل قبول کرلی "آٹھ بجے سے دو بجے تک ہمارے پاس کافی وقت ہوگا۔ میں نے صبح سات بجے کی پرواز پر تم دونوں کی امرتسر روانگی کا بندوبست کرلیا ہے۔ مقدر نے ساتھ دیا تو قرول باغ سے ہم سیدھے ائرپورٹ جائیں گے۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "ان واقعات کے بعد میں یہاں رکنا پسند کروں گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔ دہلی کی بارونق سڑکوں پر عابد علی کی گاڑی تیزی سے اپنا راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ وہ میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ سے ڈون کو اغوا کیا چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ سوی ملرف امریکا میں آ مرکی بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد دانے اثرورسوخ کی بنا پر شمی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی میسونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بیعنت چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انرنگ بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا تھا۔ یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظریں مغضوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے بگاڑ ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اولی خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نیویارک فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کارخانہ حرا کراہم الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عمدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اسے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بستر کا کیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا' ہنسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا بھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا' ٹکرا اپنی بدقسمتی سے

پہلے ہمارا پروگرام صرف انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا تھا مگر اس شام نریش شرما نے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے غزالہ پر جو اوچھا اور گھناؤنا وار کیا تھا' اس کے بعد پروگرام میں تبدیلی آچکی تھی۔

"انل بسواس کے ساتھ نریش کا نام شامل ہوجانے کے بعد تم کچھ فکرمند ہوگئے ہو۔" گاڑی میں سکوت کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو توڑتے ہوئے میں نے زبان کھولی۔

"ان دونوں کو ایک وقت میں نشانہ بنانا ممکن نہیں ہے۔ میں اسی الجھن میں پڑا ہوا ہوں۔" عابد نے متردد لہجے میں جواب دیا۔

"وہ عیال دار ہیں۔ الگ الگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم ان کو بیک وقت نشانہ بنانے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟"

"وہ دونوں را کے بڑے افسر ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا "اگر درمیان میں زیادہ وقت ہوا تو پہلے مارے جانے والے کے اہل خانہ فوری طور پر دوسرے کو فون وغیرہ پر اس واقعے سے آگاہ کردیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عابد کی وہ دلیل بہت اہم تھی۔ اسے کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنی تمام تر ذاتی پرخاش کے باوجود میں نے نریش شرما کو دوسرے نمبر پر رکھا تھا۔ انل بسواس ہمارے لیے زیادہ اہم تھا۔ پہلے اس کا کام تمام ہونا چاہیے تھا۔ اس کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی نریش شرما اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور جلد از جلد جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں اسے اس کے گھر پر گھیرنے کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس کے گھر پر جمع ہوجانے والی بھیڑ میں نریش پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔

"اس وقت تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے سڑک سے توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"فی الحال یہ ارادہ ملتوی کردو اور قرول باغ کی طرف چلو۔ میں ان دونوں کے گھروں پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

عابد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس سر ہلا کر رہ گیا۔

اس کا اٹھایا ہوا نکتہ غور طلب تھا۔ میری دانست میں اس پر جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ہوٹل کے بجائے قرول باغ کا رخ کرنے کی صورت میں ہمیں آپس میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس دوران میں نئے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

"ان دونوں کے گھروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟" قدرے خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"مشکل سے چند منٹ کی پیدل مسافت ہے۔ گاڑی میں ہو تو یہ فاصلہ اور کم ہوجاتا ہے۔ اصل خطرہ ٹیلی فون کی طرف سے ہے۔ ٹیلی فون پر ہر مسافت سمٹ جاتی ہے۔ لمحہ بھر میں دوسرے کو اپنے ساتھی کا حشر معلوم ہوجائے گا اور وہ چوکنا ہوجائے گا۔"

"ابھی تک وہ دونوں بہت ذہین اور سفاک ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں ان کا جائزہ لینا شروع کیا "جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی احمقانہ غلطی کرتے ہوئے ہمارے دام میں آپھنسیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عابد نے پُرخیال انداز میں میری خود کلامی کی تائید کی "یہ ذہانتوں کا خون آشام تصادم ہے۔ بلاشبہ را والے بہت ذہین ہیں لیکن ابھی تک تم اپنے عمل اور فیصلوں سے خود کو ان سے کہیں زیادہ ذہین ثابت کرتے چلے آرہے ہو۔ تم سے بڑھ کر غزالہ نے اپنے کمال دکھائے ہیں۔ وہ جان اسمتھ کو جہنم واصل کر آئی اور را والے ابھی تک اس نامعلوم عورت کی تلاش میں ہیں جس کے ساتھ جان نے ہوٹل کا بار چھوڑا تھا۔ اس کا نیا شکار مرلی تھا۔ اس کا انجام را والوں کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہے گا۔ ویسے اب اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

باتیں کرتے کرتے عابد کو اچانک ہی غزالہ کا خیال آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ بند دیواروں کی تنہائی میری یا اس کی محافظ نہیں بن سکتی۔ میرے کمرے میں وہ کسی نئے وار کا نشانہ بن سکتی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے ریستوران میں اپنا وقت گزار رہی ہوگی۔"

میرے جواب پر عابد سوچ میں پڑگیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی "میں نے بھابی کو زیادہ قریب سے نہیں دیکھا۔ اسے سمجھنے اور پرکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ تم کو اس پر پورا اعتماد ہے نا؟"

عابد علی کا وہ سوال بہت تلخ بلکہ ناشائستہ تھا۔ میرا خون کھول اٹھا۔ وہ غزالہ پر شبہ ظاہر کررہا تھا۔ میں نے برداشت سے کام لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بس اتنا کہا "کیا تمہارے لیے صرف یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ وہ میری بیوی ہے۔"

"میں جانتا ہوں' سب کچھ جانتا ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا

Downloaded from https://paksociety.com

"میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں ہے پھر بھی میں بہت سے تلخ تجربات سے گزرا ہوں۔ معتبر اور باوقار نظر آنے والی بعض عورتیں کچھ خاص قسم کے مردوں کے لیے حیرت ناک طور پر اپنے دل میں نرم گوشے رکھتی ہیں۔ ان کے خوابوں کا مرد مجسم ہو کر سامنے آجائے تو وہ اپنے ہر پندار اور سارے اصولوں کو لات مار کر اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں....."

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات شروع کردی "وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہے۔ یہ کمزوریاں مغرب کی ان شہزادیوں میں پروان چڑھتی ہیں جو نگرانیوں میں پلتی بڑھتی ہیں۔"

وہ دھیمی آواز میں ہنس پڑا "تم ذہن تک کو پڑھ لیتے ہو۔ اس وقت میں اس برطانوی شہزادی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اپنے اصطبل کے ایک سائیس کے ساتھ عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔"

"غزالہ اس شہزادی سے بہت مختلف اور دوسروں کے لیے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔" میں نے خشک اور سرد لہجے میں کہا "کمرے کی تنہائی سے نکل آنے کے بعد وہ بہت اچھی طرح اپنی حفاظت کرسکتی ہے۔ تم اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔"

وہ بس چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انل اور نریش میں سے تمہارے لیے کون سا شکار زیادہ اہم ہے۔"

"انل کا نام ہماری لسٹ میں سب سے اوپر تھا۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"گڈ!" وہ میرے لہجے کا برا منائے بغیر خوش دلی سے بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے کے بعد منصوبہ بنانا ذرا آسان ہوجائے گا۔"

عابد نے مجھ سے غزالہ کے بارے میں جو کچھ پوچھا وہ ذاتی طور پر میرے لیے ناگوار تھا لیکن پیشہ ورانہ اعتبار سے ان باتوں کی خاصی اہمیت تھی۔

یہ شاید قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے جو سدا سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ عام طور پر مرد عورت کا پیچھا کرتے ہیں اور ڈورے ڈال کر اسے اپنے چنگل میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ صنف نازک کسی مرد کو تاک کر اس کا پیچھا کرتی ہو۔ عورت اگر رینا اجیت رائے یا بیلا سنگھ ہو تو اپنی ملازمت کی مجبوریوں کے تحت مجھ جیسے مرد کے پیچھے لگ جاتی ہے یا پھر وہ عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی سج دھج پر معمولی سی سرمایہ کاری کرکے رنگین مزاج مردوں سے اپنے قرب کا بھاری خراج وصول کرتی ہیں۔ ان دو قسموں کے سوا کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بعض مردانہ خواص اور عادتوں پر دل وجان سے فدا ہوتی ہیں۔ انہیں اپنی پسند اور معیار کا مرد کہیں بھی نظر آجائے تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کی خوشنودی کے حصول میں مصروف ہوجاتی ہیں۔

دہلی میں اس وقت ہم زندگی کے ایک بدترین موڑ سے گزر رہے تھے۔ اس مہم میں ہماری ذرا سی لغزش نہ صرف ہمیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی بلکہ بھارت کی سرزمین پر کافی لمبی مدت کے لیے آئی بی کے کسی ایجنٹ کا کام کرنا ناممکن ہوجاتا۔ وہ محض پانچ زندگیوں کا معاملہ نہیں تھا جن میں تین آئی بی والے تھے۔ چوتھی اور پانچویں ذات میری اور غزالہ کی تھی۔ ہم پانچوں کی جانوں سے کہیں بڑھ کر آئی بی کی کارکردگی اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہمارے خیر خواہوں کی پالیسی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ ہماری کامیابی ان کے لیے شاید اتنی زیادہ سود مند نہ ہوتی جتنی تباہ کن ہماری ناکامی ہوتی۔

وہ پوری ہوش مندی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کے نازک لمحات تھے۔ اس وقت عقل و دانش کا دامن چھوڑ کر کسی جذباتی کج بحثی میں پڑنا مناسب نہیں تھا۔ عابد نے اسی جذبے کے تحت پورے خلوص سے غزالہ کے بارے میں ایک تلخ سوال کیا تھا۔ اس میں اس کی کسی بدنیتی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ خرابی وہی تھی جس کا اعتراف عابد خود کرچکا تھا کہ اسے غزالہ سے مل بیٹھنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس کے ٹیڑھے سوال کا ہوا زقدرے تاخیر سے میرے ذہن میں آیا۔ اس سے پہلے میں بہت سخت لہجے میں عابد کو اس کے سوال کا جواب دے چکا تھا۔ عابد کو اپنے سوال کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ اس نے میری جارحانہ تلخ نوائی کو بڑی متانت سے برداشت کرلیا تھا اور گفتگو اس موضوع سے آگے نکل چکی تھی۔

کسی رہے سہے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے میں بلاوجہ ہی دھیمے سے ہنسا پھر بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے میں تمہیں کیا آسانی نظر آرہی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اب ہم لوگوں کو سب سے پہلے اور ہر قیمت پر انل بساواس کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ نریش کی باری اس کے بعد آئے گی۔ ویسے بھی انل اپنے عہدے کے اعتبار سے نریش سے کہیں بڑا افسر ہے۔ اولیت اس کا حق ہے۔"

"میں قرول باغ کے علاقے کا چکر لگا کر دیکھ چکا ہوں کہ وہاں بڑے گھروں میں بھی مسلح چوکیدار رکھنے کا رواج نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔۔۔" میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ عابد علی ایک گہرا سانس لے کر بے اختیار بول پڑا تھا۔

"اوہ! تو دن میں تم یہ جائزہ لینے کے لیے اس بستی میں گئے تھے۔ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے سنیل پریشان ہو گیا تھا کہ تم اس طرف کیوں جا رہے تھے۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ تم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہو۔ کام کے دوران تمہاری کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوتی۔"

اس کی بات مکمل ہو جانے پر میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنی ادھوری بات چھیڑ دی "تم بتا رہے تھے کہ انل بسواس کے گھر میں تین ملازمین سمیت کل سات نفوس رہتے ہیں۔ ہو سکے تو مجھے ان کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دو۔"

"ملازمین میں ایک ادھیڑ عمر عورت ہے جو شاید گھر کی صفائی اور برتن وغیرہ دھونے کے کام کرتی ہوگی۔ دوسرا باورچی ہے جو کسی کسی وقت چوکیدار کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ تیسرا آدمی ہرفن مولا ہے۔ مالی کا کام کرتا ہے' دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے اور گھر کی گاڑی بھی چلاتا ہے۔ جب وہ گھر پر نہیں ہوتا تو اس کی جگہ خانساماں چوکیداری کے فرائض سنبھال لیتا ہے۔ وہ دونوں کمزور اور بزدل نظر آتے ہیں۔"

"جو لوگ ہرفن مولا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہر کام ادھورا چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں انل کے ملازموں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے۔ ساری رکاوٹ بقیہ چار افراد کی طرف سے پیدا ہو سکتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ انل بسواس کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیتے ہوئے اس کے گھر والوں کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ وہ ہماری راہ میں حائل ہوں تو ان کے ساتھ کم از کم طاقت استعمال کی جائے۔"

"میں بھی عیال دار ہوں۔ اپنے مجرموں کے بیوی بچوں سے دور رہنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہوں۔ آدمی ہر برا کام ان کے لیے کرتا ہے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ ویسے بھی انل کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہماری حریف ایجنسی کا بڑا منصوبہ ساز ہے۔"

"میری نظروں میں وہ عام مجرموں سے زیادہ گھٹیا آدمی ہے۔ جو شخص اپنا کام آسان بنانے کے لیے اپنی قوم کی جوا اور خوب صورت مگر مجبور لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کا عاد ہو چکا ہو' اس کا ضمیر مر چکا ہوتا ہے۔ وہ طوائفوں کے کہ دلالوں سے بھی گیا گزرا آدمی ہے۔"

"اس کی ذہنیت پر مجھے بھی دکھ ہے۔ تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ گھر کے چار مکینوں میں انل اور اس کی بیو کے علاوہ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی ہیں۔ وہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔"

"بیٹیاں!" میں عابد کی وہ بات سن کر چونک پڑا "دو جوا بیٹیوں کا باپ ہو کر وہ را کے دفتر میں ایسے گھناؤنے کھیل کھیل رہا ہے!"

"دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اپنے گریبان میں کبھی نہیں جھانکتے۔"

"اوہ!" میں نے فوری خیال کے تحت کہا "اس کے بارے میں بحث کر کے ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہمیں کل رات کے بارے میں اپنے مشن کا کوئی نہ کوئی ابتدائی خاکہ ضرور سوچ لینا چاہیے۔"

"تم ہوٹل چھوڑ دو گے اس لیے غزالہ بھی ہمارے ساتھ رہے گی۔ وہ پرویز اور عبداللہ کے ساتھ نگرانی کے مشن پر رہے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہراول میں رہوں گا۔ وہ تینوں ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے' صرف ناگزیر ضرورت پڑنے پر ہمیں کمک فراہم کریں گے۔"

"تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ میں خود بھی غزالہ کو پس منظر میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"ہم نے انل کا گھر اندر سے نہیں دیکھا۔ بالا بالا جو کچھ معلوم ہو سکا وہ حوصلہ افزا ہے۔ شاید ہم اپنا کام آسانی سے مکمل کر لیں لیکن انل کے گھر والے اس واقعے میں ضرور ملوث ہوں گے۔ مجھے یہ فکر ستا رہی ہے کہ انہیں نریش یا را کے کسی اور افسر سے رابطہ کرنے سے کیسے روکا جائے۔"

"یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ را اور اس کے افسروں کو دنیا کی بہترین مواصلاتی سہولتیں دستیاب ہیں۔ ان کے خفیہ باہمی رابطوں کی کہانیاں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں مگر مجھے یہ یقین ہے کہ انل نے اپنے گھر والوں کو ان

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

سہولتوں کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔ اس گھر کی نفری میں سے انل کو منہا کردیا جائے تو وہ چھ نفوس بھارت کے عام شہری ہو کر رہ جاتے ہیں جنہیں صرف فون پر رابطے کی سہولت میسر ہوگی۔"

عابد نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی اپنی پیشانی پر مار کر کہا "تم بہت جلد صحیح نتیجہ اخذ کرلیتے ہو۔ میں انل کے استعمال میں موجود مواصلاتی آلات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہورہا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ اس کے زیر ہوجانے کے بعد وہ آلات کوئی استعمال نہیں کرسکے گا۔"

"قرول باغ میں بھی ٹیلی فون کے تاروں کا وہی حال ہے جو کراچی اور لاہور میں نظر آتا ہے۔ انل بسواس کے گھر کی لائنیں باہر سے کاٹ دی جائیں تو مسئلہ بڑی حد تک حل ہوجائے گا۔" میں نے اپنی تجویز پیش کردی۔

"یہی کرنا ہوگا۔ اس کے بعد بس موبائل فون رہ جاتا ہے۔ اس بارے میں ہم بے بس ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی رسک لینا ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "خطرہ مول لیے بغیر کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

انل بسواس پہلے سے ہمارے نشانے پر تھا اس لیے عابد اور اس کے آدمیوں نے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلی تھیں لیکن نریش شرما کے بارے میں ہم تاریکی میں تھے کیونکہ اس کے مستقبل کے بارے میں میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی فیصلہ کیا تھا۔

دونوں ہدف ہمارے سامنے تھے لیکن اس وقت اپنی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آخری نتائج حاصل کرنے کے لیے ہمیں درمیانی رات ہوٹل میں گزارنی تھی۔

انل اور نریش کے اقوال کی روشنی میں وہ رات کی نگرانی میں بسر ہونے والی ہماری آخری شب تھی۔ نریش میرے خلاف اپنا جو ہتھیار گنوا بیٹھا تھا' اس کے متبادل کے حصول کے لیے اس نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔ وہ مجھ پر اور غزالہ پر اپنا ہر ہر وار آزما چکا تھا لیکن قدرت نے شاید ناکامی اس کے مقدر میں لکھ دی تھی۔

جس وقت عابد نے مجھے قرول باغ کی بستی میں پہنچنے کی خبر سنائی' میرا ذہن ایک نئے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ راؤ والوں نے مجھے اور غزالہ کو بہت چالاکی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے سے کئی گھنٹوں تک دور رکھ کر وہاں فلم بندی کے خفیہ آلات نصب کیے تھے۔ اس وقت بھی ہمارا کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم دونوں رینا کے ساتھ باہر نکل کر انہیں ایک اور موقع فراہم کرچکے تھے۔ پتا نہیں ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر راؤ والے کیا کچھ کرگزرے تھے۔

وہ مسئلہ میرے ذہن پر زیادہ دیر تک سوار نہیں رہ سکا۔ رینا کی آمد سے پہلے بھی ہم نے کافی وقت باہر گزارا تھا۔ راؤ والوں کو جو کچھ کرنا تھا' وہ کرگزرے تھے۔ ہمیں بلیک میل کرنے والے مواد کے حصول میں ناکامی کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے تھے کہ ہماری مسہری میں کوئی خود کار بم نصب کردیتے لیکن ایسا کرنا ان کے اپنے مفاد میں نہیں تھا کیونکہ وہ مجھے اپنے مخبر بلکہ ایجنٹ کے طور پر زندہ رکھ کر پاکستان میں مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہ رہے تھے۔

"کونے سے دوسرا مکان نریش کا ہے۔" عابد نے گاڑی ایک گلی میں گھماتے ہوئے داہنی طرف خفیف اشارہ کرکے کہا اور سست رفتار سے گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا۔

وہ مکان واقعی چھوٹا سا تھا۔ احاطے اور عمارت کی دیواروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ نریش شرما کی اپنی گاڑی بھی بمشکل گھر کے اندر پارک ہوتی ہوگی۔ بھانک کی چوڑائی سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ نریش اپنی گاڑی گھر کی حدود میں رکھنے کا عادی تھا۔

ذرا سی دیر میں ہم قرول باغ کے چھوٹے مکانوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ میں خاص طور پر نوٹ کررہا تھا کہ اپنی تلاش کے دوران ہم آبادی کی ان گلیوں تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

گھروں کے باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں اور لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے عابد کی گاڑی کی رفتار سست تھی پھر بھی ہمیں انل کا مکان جلد نظر آگیا۔ وہ کونے کا مکان تھا جس کے احاطے میں کئی گھنے درخت موجود تھے۔ میں نے مختصر سے جائزے میں اندازہ لگالیا کہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انل بسواس کا مکان ہر قسم کی واردات کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ کم از کم باہر سے گھر کے اندر کودنے یا گھسنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

ہوٹل کا کمرا مخدوش ہوجانے کی بنا پر میں نے اپنی تین اہم ترین چیزیں آئی بی والوں کے حوالے کردی تھیں۔ ان میں سے عابد علی کی دی ہوئی امانت تھی جس کی افادیت اگلی رات کے بعد ختم ہونے والی تھی۔ جب تک میں دہلی میں تھا' اس کا دیا ہوا محدود رینج کا ایرٹیس میرے لیے بہت کار آمد تھا۔ میں نے اس کی مدد سے بعض نازک مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ دہلی سے واپس جاتے ہوئے وہ ایرٹیس ان لوگوں کو

Downloaded from https://paksociety.com

لوٹانا تھا۔

بقیہ دو اشیا مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز تھیں۔ ان میں سے ایک وہ بیم گن تھی جو شی کے ایک مقتول آئی مین کی یادگار تھی۔ وہ ہمہ گیر افادیت رکھنے والا ایک نادر ہتھیار تھا جو ہمیشہ میرے کام آتا تھا۔ دوسری سی ایس ڈی تھی جو را والے بدری ناتھ کی یادگار تھی۔

واپسی کے سفر کے دوران میں نے عابد کو تاکید کی کہ اگلی رات وہ ان چیزوں کو اپنے ساتھ لانا نہ بھولے۔

ہمارے درمیان بہت سی اہم اور غیر اہم باتیں ہوتی رہیں پھر اس نے مجھے کناٹ پلیس کے ایک محفوظ مقام پر اتار دیا۔

عابد کی گاڑی آگے نکل جانے کے بعد میں ہوٹل کی طرف ہولیا۔

اس وقت ہونے والی گفتگو میں عابد نے اپنے ساتھیوں کے اصل نام استعمال کیے تھے۔ میں سنیل سے کئی مرتبہ ملا تھا مگر رام سے شاید ایک بار ملنے کی نوبت آئی تھی۔ میں تعارف ہوجانے کے باوجود ان دونوں کو ان کے مفروضہ ناموں سے پہچانتا تھا۔ کوشش کے باوجود مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان میں سے کون عبداللہ تھا اور کس کا نام پرویز احمد تھا۔ وہ سوال رہ رہ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کھٹک رہا تھا اور میرے لیے مستقل بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔

ہوٹل میں سب کچھ جوں کا توں تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ دہلی میں میری آخری رات تھی اس لیے مجھے سب کچھ بدلا بدلا اور نکھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں بے پروایانہ انداز میں ہوٹل کی روشن اور بھری پری راہ داریوں سے ہوتا ہوا ریستوران میں پہنچ گیا جہاں غزالہ سکون سے ایک میز کے گرد براجمان تھی۔

اسے وہاں بیٹھے کافی دیر ہوچکی تھی لیکن اس نے چند ہلکی پھلکی اشیا منگوانے پر اکتفا کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند ثانیوں بعد مسکراتی ہوئی خوب رو ویٹرس ہمارے سروں پر مسلط ہوگئی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ غزالہ میرے انتظار میں وہاں بیٹھی وقت گزار رہی تھی۔ ریستوران کا مینو کارڈ پہلے سے غزالہ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے روانی کے ساتھ آرڈر لکھوا کر ویٹرس کو رخصت کردیا۔

"اس سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟" غزالہ نے کہنیوں کے سہارے میز پر جھک کر پوچھا۔

"آئی بی والوں سے مل کر مجھے ہمیشہ تقویت کا احساس ہوتا ہے ورنہ ہم دونوں اس شہر میں بالکل اجنبی ہیں۔" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

"اجنبی ضرور ہیں مگر دشمنوں کے چنگل سے محفوظ ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اپنے کمرے میں پیش آنے والے واقعے کے اثرات آہستہ آہستہ اس کے ذہن سے مندمل ہوچکے تھے اور وہ دوبارہ نارمل ہوچکی تھی۔

"ہمیں جیسے تیسے آج کی رات گزارنی ہے۔ کل شام ہم اس ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں گے۔" میں نے اس کے لب ولہجے پر اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "اس سے پروگرام طے ہوگیا ہے۔ کل ان دونوں کا وقت بھی پورا ہوجائے گا۔"

"آپ کن دونوں کی بات کررہے ہیں؟" اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

"وہی دونوں جو ہمارے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔"

"پہلے آپ نے ایک کے بارے میں طے کیا تھا۔" اس نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"تمہارے آج کے خوفناک تجربے کے بعد دوسرا بھی فہرست میں آگیا ہے۔"

"ویری گڈ۔" میری اطلاع پر وہ خوش ہوگئی "یہ باتیں ہمیں یہیں نمٹالینی چاہئیں۔ ہوٹل کے کمرے میں ہم پابند اور مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"کمرے میں لگائے جانے والے آلات ایک طرح ہمارے لیے مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ ان پر ریکارڈ کی ہوئی آوازیں سننے والا ہر دشمن مطمئن رہے گا کہ ہم اس کی ناپاک سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ واپسی پر تمہیں اپنے تجربے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے۔ وہ تمہارا ردِعمل سننے کے لیے بے چین ہوں گے۔"

غزالہ کا منہ بن گیا "اس تجربے کے بارے میں بات کرنا تو درکنار، میں سوچنا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کی بات درست ہے۔ مجبوری کے عالم میں آدمی کو زہر کی گولی بھی نگلنا پڑتی ہے۔ میں آپ کی ہدایت یاد رکھوں گی۔"

ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں زبان بندی پر مجبور تھے۔ کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ اگر ہم نے اس دن کا بڑا حصہ ہوٹل سے باہر رہ کر نہ گزارا ہوتا تو ہمارے دلوں میں ایک بھڑاس سی موجود ہوتی جسے ہوٹل کے ریستوران میں نکالا جاتا لیکن اس وقت ہمارے درمیان صرف اور صرف اگلی رات کی مہم زیرِ غور تھی۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں کے بارے میں جو کچھ دیکھا اور سوچا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا' اس میں غزالہ کو شریک کرتا چلا گیا۔

کھانے کے دوران بھی ہم دونوں اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو خوشی تھی کہ دشمن کی تمام تر گھاتوں کے باوجود ہماری روانگی کا پروگرام سوچے سمجھے' مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

"بڑے گھر میں سات افراد ہوتے ہیں۔ چھوٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" اس نے کہا۔

"اس کے بارے میں گوپال سے پہلی بار بات ہوئی ہے۔" میں نے بتایا "میرا خیال ہے کہ وہ آج رات ہی بہت کچھ معلوم کرلے گا۔"

"وار کرنے سے پہلے حریف کی پوزیشن اور نفری کے بارے میں صحیح اطلاعات موجود ہوں تو حملہ ناکام ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔"

میں اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا "تم اس طرح بات کررہی ہو جیسے ہمارا غنیم کے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ ہونے والا ہے۔"

"کہیں ذرا سی لغزش ہوگئی تو آناً فاناً میں لشکر بھی جمع ہوجائے گا۔ یہ شہر ان کا ہے۔ یہاں کی انتظامیہ اور پولیس ان کی ہے۔ ایک اشارے پر وہ سب پوری آبادی کا محاصرہ کرلیں گے۔ آخری کامیابی حاصل ہونے تک ہمیں دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"یہ میرا اصول ہے جسے تم دہرا رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں کررہی ہے۔"

اس بار وہ شوخی سے ہنس دی اور باتوں کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔

میرے ذہن پر مسائل کا بوجھ کچھ زیادہ تھا۔ ایک وقت میں بہت کچھ کرنا اور سہنا پڑ رہا تھا جب کہ غزالہ اتنے زیادہ دباؤ میں نہیں تھی۔ اسے جان اسمتھ کا نپا تلا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ اس نے اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر' بہت کامیابی سے اسے جہنم واصل کردیا تھا اور بے فکر ہوکر بیٹھ گئی تھی۔

میں نے اسے آئی بی والوں کے اصل ناموں کے بارے میں اپنی الجھن سے آگاہ کیا تو اس نے کسی توقف کے بغیر مسئلہ حل کردیا۔

سنیل کا اصل نام پرویز احمد تھا۔ اس سے ابتدائی رابطے کے لیے کپور تھلا کے رئیس کا کوڈ دیا تھا۔ عبداللہ دہلی میں ولی رام بنا ہوا تھا۔ ان دونوں سے اگلی رات میری آخری ملاقات ہونا تھی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں اپنے آڑے وقت کے ان فرض شناس ساتھیوں کو ان کے اصل ناموں سے الوداع نہ کہہ سکوں۔

ریستوران سے نکل کر ہم نے کچھ وقت ہوٹل میں گھومتے ہوئے گزارا۔ دوبارہ کمرے میں پہنچے تو رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔

"آج کا دن میں اپنی زندگی میں کبھی فراموش نہیں کرسکوں گی۔" کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتوں میں غزالہ نے اچانک میری ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ریستوران کا ڈنر تمہیں بہت زیادہ پسند آیا ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"ایسے ہزار ڈنر بھی اس تجربے کو نہیں بھلا سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ میرے نیم تاریک کمرے میں کسی خوں خوار درندے کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔ اس کا مکروہ شیطانی چہرہ جب بھی یاد آتا ہے' میں لرز کر رہ جاتی ہوں۔"

"تم بار بار اس کا ذکر کیوں نکال لیتی ہو۔" میں نے ہلکی سی ترشی سے کہا "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے اچھے اور برے واقعات پیش آتے ہیں۔ ناخوشگوار یادوں کو اس طرح ذہن پر نقش کرلیا جائے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ ذرا ونا واقعہ میرے ذہن سے محو ہوجائے مگر اس وقت اسے بھلانا ممکن نہیں ہے۔ باہر گھومتے پھرتے ہوئے میں کھل کر آپ سے بات نہیں کرسکی تھی۔ کمرے کی تنہائی میسر آئی ہے تو وہ خیال مکڑی کے جالے کی طرح پھر دماغ پر چھا گیا ہے۔"

"اس منحوس اور مردود شخص کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر بات کرلو۔ بار بار کے اس تذکرے سے مجھے چڑ ہونے لگی ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش کررہی ہو۔" میں نے بے زاری سے کہا۔

"آپ بلاوجہ ناراض ہورہے ہیں۔ بھلا میں آپ کو کیا جتانے کی کوشش کروں گی۔" غزالہ کی آواز میں آزردگی سمٹ آئی۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ دہلی لایا تھا۔ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ تمہاری حفاظت کرنا میری ذمے داری ہے جسے میں پورا نہیں کرسکا۔"

"آپ بلاوجہ اتنی دور کی بات سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے قسم لے لیں جو میرے دل میں یہ خیال بھی آیا ہو۔ میں نے آپ کی ذات کو اپنا سہارا بنایا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ میرا یہ فیصلہ غلط نہیں تھا۔ رہا وہ واقعہ تو وہ کسی کے ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

بھی پیش آسکتا ہے۔"

"مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اس کو کیسے زیر کیا ہوگا" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "وہ بہت مضبوط اور قد آور تھا۔"

"مجھے خود پتا نہیں کہ وہ سب کیسے ہوگیا۔ اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر میرے دماغ پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔ بس ایک خیال تھا کہ اپنی عزت بچانے کے لیے اسے ماردوں یا خود مرجاؤں۔ اسے کمرے کے قالین پر بے سدھ پڑا ہوا دیکھ کر مجھے دوبارہ ہوش آیا تھا۔"

"نریش شرما بہت خطرناک اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے حملہ آور کو اپنے آدمیوں کی مدد سے خاموشی سے اٹھوالیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لینے کی نوبت آجاتی تو بات پولیس تک ضرور پہنچتی اور ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہوجاتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خود کو اس بھیڑیے کے سامنے پاکر میری عقل ماؤف ہوگئی تھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس پر ٹوٹ پڑی۔"

"وہ ناکام ہوگیا۔ تم نے اپنے سے طاقت ور دشمن کو حیرت ناک آسانی سے زیر کرلیا۔ بات پولیس تھانے تک نہیں پہنچی اور یہ قصہ خاموشی سے نمٹ گیا۔ ان پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی تو تمہیں خود بہ خود صبر آجائے گا۔"

"وہ نشے میں دھت نہ ہوتا تو شاید اتنی آسانی سے مار نہ کھاتا" غزالہ اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے موڈ میں آچکی تھی۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا کہ وہ نشے میں دھت تھا۔"

"رہ رہ کر باتیں یاد آرہی ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ آئندہ آپ میری زبان سے یہ تذکرہ نہیں سنیں گے۔"

"اگر وہ نشے میں تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غلطی سے تمہارے کمرے میں گھس گیا ہو۔"

"اب آپ مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ بڑے ہوٹلوں میں ایک کمرے کی چابی سے دوسرے کمرے کا تالا ہرگز نہیں کھلتا۔ وہ خطرناک ارادے سے جان بوجھ کر میرے کمرے میں چھپا تھا۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ میں بہت بڑے خطرے سے بال بال بچی ہوں۔"

"نریش کا خیال تھا کہ اس شخص نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہوگا اور تم پر فدا ہوگیا..."

"فدا ہونے والے ایسی اوچھی اور خطرناک حرکتیں

خدمتِ انسانیت ایک عظیم عبادت ہے
ارشاد نبوی ﷺ

آپ
پریشان
آخر کب تک؟

اگر خدانخواستہ آپ کسی بھی اندرونی بیماری
اعصابی کمزوری، تبخیر معدہ یعنی گیس ٹربل
شوگر یا دیگر قابل غور امراض
کی پریشانی میں مبتلا ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ
ہوں کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ ہمارا بلند معیار۔ بااصول
مستند ادارہ آپ کو سستا، آسان، اصولی، تسلی بخش
مستقل اور مختصر علاج فراہم کرے گا۔

ہمارا طریقہ علاج

دوسرے اداروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جس سے
بفضلہ تعالیٰ مرض جڑ سے ختم ہوجاتی ہے اور دوبارہ علاج
کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

ادویات بذریعہ ڈاک منگوائی جاسکتی ہیں

اندرون و بیرون ملک حضرات اپنے تمام حالات
مفصل لکھ کر مشورہ حاصل کرسکتے ہیں۔ صیغہ راز ایک امانت
ہوگی۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنی مرض کو لمبی۔
پرانی یا لاعلاج نہ بنائیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنا
اصولی، تسلی بخش اور مستقل علاج کروائیں۔ کیونکہ اگر صحت
اچھی ہوگی تو تب ہی ساری خوشیاں بھی اچھی لگیں گی
تندرستی ہزار نعمت ہے

منیجر مستند ادارہ انجم الصحت

شریف دواخانہ قائم شدہ ۱۹۴۱ء
پوسٹ بکس ۹، حافظ آباد پوسٹ کوڈ ۵۲۱۱۰ پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں کرتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر چڑچڑے انداز میں کہا "نریش سنکی ہے جو ایسی باتیں سوچ رہا ہے۔ وہ راکا بڑا افسر ہے۔ اس آدمی کی تھوڑی سی گوشمالی کرے تو وہ سارا سچ اگل دے گا۔"

غزالہ کے آخری فقروں پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہاں چور اور کوتوال' دونوں ملے ہوئے تھے۔ کون کس کی گوشمالی کرتا۔ مرلی اور نریش کی ملی بھگت سے قطع نظر غزالہ کی بات سو فیصد درست تھی۔ اگر نریش شرما کا دامن ذرا بھی صاف ہوتا تو اسے کوئی قیاس آرائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رنگے ہاتھوں بلکہ بے ہوشی کی حالت میں غزالہ کے باتھ روم سے پکڑا جانے والا مجرم اس کے قبضے میں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں اس سے ہر بات اگلوا سکتا تھا۔

"اب نریش جانے اور اس کا قیدی جانے۔ ہمیں ان پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے اکتا کر کہا۔

"کئی راتوں سے آپ کا رویہ عجیب سا ہو گیا ہے" غزالہ نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھ سے دور اور کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ آج میں ڈری ہوئی ہوں۔ ویسے بھی شاید یہ دہلی میں ہماری آخری رات ہو۔ آج ہم ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔"

نریش شرما کی امیدوں کے دم توڑتے ہوئے چراغ کی لو کو غزالہ نے یکایک بھڑکا دیا۔ اس کے الفاظ کا ایندھن اس چراغ کو پوری رات فروزاں رکھنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ کے وہ معنی خیز فقرے فوری طور پر نریش تک پہنچا دیے جائیں گے۔

"میں پوری کوشش کروں گا" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا "بند کمرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس خلوت میں کوئی تیسرا خلل انداز ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا مگر تمہیں میری بگڑی ہوئی کیفیت کا علم ہے۔ میں خود بھی دہلی کی فضاؤں میں تمہارے وجود کی خوشبو سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں مگر خدا کے لیے مجھ پر جبر نہ کرنا۔ تمہارے لیے میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یوں سمجھ کو لہ مجھے کوئی عارضی ذہنی بیماری لگ گئی ہے۔"

"میں جانتی ہوں..... میں سب جانتی ہوں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس گفتگو میں وہ سارے پیغام پنہاں تھے جو میں ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے نریش تک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہوٹل کی رہائشی منزلوں سے نیچے اور ہوٹل کے باہر زندگی کی ساری ہنگامہ آرائیاں جاری و ساری تھیں لیکن بند کمرے میں وقت کافی ڈھل چکا تھا۔ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ٹیلی وژن دیکھنے کے بعد میں ساڑھے گیارہ بجے بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ رات بھی ہم دونوں نے پچھلی رات کی طرح محتاط رہ کر گزار دی۔ کمرے میں چھپے ہوئے تصویر کشی کے آلات کے خوف ہم دونوں کے لاشعور پر اتنا حاوی تھا کہ نیند کے دوران میں کروٹ وغیرہ لیتے ہوئے ہمارے جسموں کا کوئی حصہ ایک دوسرے سے چھو جاتا تھا تو دونوں چونک کر بیدار ہو جاتے تھے۔

خدا خدا کر کے دہلی میں ہماری وہ آخری اور صبر آزما رات بھی ڈھل گئی۔ کھڑکیوں پر تنے ہوئے پردوں کے پیچھے دن کا دھندلایا ہوا' موہوم سا اجالا نمودار ہوتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا اور نئے دن کی نئی سرگرمیوں کے لیے تازہ دم ہونے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں باتھ روم سے نکلا تو غزالہ بھی بیدار ہو چکی تھی اور بہت خوش تھی۔

مجھے توقع تھی کہ نریش مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ناشتے کے بعد ہم دونوں کیمروں کی زد سے بچ کر اپنا سامان مختصر سے سوٹ کیس اور تھیلے میں بھر جا کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا۔

آپریٹر نے میری توقع کے برعکس لائن پر انل بسواس کی موجودگی کی اطلاع دی اور میری ہدایت پاتے ہی لائن ملا دی۔ انل کی اس کال کی اطلاع پاتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری اور غزالہ کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

"تم نے ہمارا دیا ہوا وقت خوش اسلوبی سے گزار لیا ہے۔ اب تم اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو۔ یہ میرا وعدہ تھا جو آج پورا ہو گیا" اس کی آواز دھیمی اور پُرسکون تھی۔ میرا مشاہدہ تھا کہ وہ نریش شرما کے مقابلے میں زیادہ متحمل مزاج تھا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ شکوک و شبہات کی دھند سے گزرنے کے بعد آخر کار تم میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہو" اس وقت انل بسواس نے گفتگو کا آغاز انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے بھی اسی زبان میں جواب دیا جو آپ اور تم کے کسی نازک امتیاز سے عاری تھی۔

"یہاں تمہارے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئی بھی ہوں گی" وہ میرے تشکر آمیز کلمات کو نظر انداز کر کے کہہ رہا تھا "یہ

Downloaded from https://paksociety.com

موجودہ حالات اور ہمارے طریقہ کار کی مجبوریاں ہیں جن پر میں معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے ساتھ کچھ وقت گزار کر تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ رازداری اور تحفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔"

"میں بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔ میں نے کچھ سیکھا بھی ہے۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تمہارے عظیم مقاصد کے لیے کام کرکے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔"

"یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تم کو فخر کا احساس ہوگا۔ تم دنیا کی دو بڑی اور عظیم قوتوں کے ساتھی ہو۔ کل رینا نے اس بارے میں تمہیں آخری بریفنگ دے دی ہوگی۔"

"رینا کی بتائی ہوئی ہر بات خیال انگیز تھی۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے یہ سب بتانا ضروری سمجھا۔ میں یہ باتیں جانے بغیر بھی تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ میرے لیے ہزاروں روپے ماہانہ کی اضافی آمدنی بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"ابتدا میں تم اس کام کو اپنے ملک اور قوم سے غداری تصور کر رہے تھے!" وہ فون پر بھی میرے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ جذباتی باتیں تھیں" میں نے خفّت آمیز لہجے میں جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ باتیں کتنی ہی دلکش اور اثر آفریں ہوں، وہ انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتیں۔ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر قدم پر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر تم میری خدمات نہیں خرید رہے۔ تمہارے سامنے اس پورے خطے کے باسیوں کی بہبود اور بقا کا ایک واضح منصوبہ ہے۔"

"یہ باتیں سمجھنے میں شاید یہ خوف بھی کارفرما ہے کہ تمہاری اور رینا کی ایک ویڈیو فلم نریش کے قبضے میں ہے۔"

"مجھے اس فلم کی فکر ہے۔ دوسروں کی طرح میں بھی اپنے اس چہرے کی تشہیر پسند نہیں کرتا جسے میں نے ہر ایک سے چھپایا ہوا ہے" میں نے کمرے میں غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی "میں تم سے ایک التجا ضرور کروں گا کہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ ویڈیو مجھے واپس لوٹا دینا۔"

میری اور انل کی گفتگو کی نزاکت بھانپ کر غزالہ نے ازخود مجھے تخلیہ فراہم کر دیا تھا اور غالباً کسی ضرورت کے بغیر باتھ روم میں چلی گئی تھی۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ذرا سی دیر میں ایک فلم

خوبصورت مقبول کتابیں

اقلیم علیم

ناگ بھون 300/-

سنگتراش 300/-

انوار علیگی

سفید محل 250/-

بچھو 250/-

ریچھ کے اسرار 100/-

انوار صدیقی

طاغوت 200/-

برہمچاری 175/-

رقص ابلیس 150/-

خبیث(5حصے) 225/-

درخشاں(2حصے) 90/-

امبر بیل 1000/-

ایم اے راحت

کالا کفن 375/-

طلسم زادی 300/-

بازی(4حصے) 240/-

وادی سحر 180/-

چھپکلی 210/-

فرعون کی رُوح 800/-

علیم الحق حقی

وقت کے فاصلے 210/-

پروانہ 150/-

حج اکبر 150/-

مٹی کی امانت 300/-

بیلے کا سیاہ پھول 150/-

اُمید کا دیا 100/-

بالائے ستم 90/-

داد، چوزی اور موذی 135/-

کان کن 100/-

محمود احمد مودی

تلاش 300/-

بہروپ 180/-

سرکش(12حصے) 720/-

مشتاق احمد قریشی

ٹائیگر(13حصے) 650/-

م۔الف صدیقی

روگی(5حصے) 270/-

مکتبہ القریش

اُردو بازار، لاہور۔2☆فون:7668958

Downloaded from https://paksociety.com

سے کئی کیسٹ تیار کیے جاسکتے ہیں۔ ایک فلم واپس لے کر بھی تمہیں اس کے خوف سے نجات نہیں مل سکے گی۔"

"تم سے مل کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تم قول کے پکے ہو۔ جو کہتے ہو' اس پر پوری سچائی سے عمل کرتے ہو اور جو کچھ نہیں کرنا چاہتے' اس کے بارے میں سرے سے بات ہی نہیں کرتے۔ میرے اطمینان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم میری التجا قبول کرلو۔"

انل بسواس لاکھ باراں دیدہ اور خرانٹ سہی مگر ایک انسان تھا۔ میری خوشامدانہ باتوں پر اس نے کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا لیکن اس موضوع کو وہیں سمیٹتے ہوئے صرف اتنا وعدہ کرلیا کہ وہ میری فرمائش پر غور کرے گا۔

اپنی حکمتِ عملی کے تحت میں اسے یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر پوری طرح بے بس ہوچکا تھا۔

انل کے رویہ رو نہ ہونے کی وجہ سے میں اس کے ردِعمل کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھا لیکن اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ ہماری روانگی میں رخنہ اندازی کی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔

"دہلی میں قیام کی پابندی ختم ہونے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ریسیور پر سنائی دینے والے' انل بسواس کے سوال نے مجھے چونکادیا۔

"ہوسکتا ہے کہ کل ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوجائیں" میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"میری نیک تمنائیں اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" انل بسواس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

بھارتی سیکرٹ سروس میں انل بسواس کا منصب بہت اعلیٰ تھا۔ گو نریش شرابراہِ راست اسی کو جواب دہ تھا مگر ان دونوں کے مراتب میں بہت زیادہ فرق تھا۔ میں حیران تھا کہ اس وقت نریش کے بجائے انل نے کیوں فون کیا تھا۔

اگر نریش اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں دہلی سے باہر تھا تب بھی وہ فون کے ذریعے آسانی سے مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اس کی جگہ اچانک انل بسواس کا سامنے آنا اس بات کی دلیل تھا کہ ہمارے معاملے کو ہمارے اندازے سے زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔

جب تک ہم دہلی میں رہنے کے پابند تھے' معاملات نریش کی سطح پر چلتے رہے لیکن وہ پابندی ختم ہوتے ہی انل ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ میرے پاس اس سے یہ سوال کرنے کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ اس نے مجھے عزت افزائی کے قابل کیوں سمجھا تھا۔ ایک خطرناک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دہلی سے روانگی کے موقع پر را والے ہماری کڑی نگرانی شروع کردیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم کب اور کس ذریعے سے دہلی سے روانہ ہوں گے۔

میں ان باتوں پر جتنا غور کرتا رہا' اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بظاہر آسان نظر آنے والے معاملات یکایک وحشت ناک رخ اختیار کرتے جارہے تھے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ میں اس کمرے میں غزالہ سے کھل کر بات کرسکتا تھا نہ فون پر عابد یا اس کے کسی ساتھی سے بات کرسکتا تھا۔

میں نے انل بسواس کو... ایک طرف سے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اپنی روانگی کے حتمی پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا جبکہ عابد سے سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ مجھے اور غزالہ کو رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑ دینا تھا۔ ہمارا بقیہ وقت کہاں اور کن حالات میں گزرتا' اس کا انحصار عابد علی کے پروگرام پر تھا۔ رات کے دو بجے ہمیں آئی بی والوں کے تعاون سے قرول باغ میں اپنا سب سے بڑا آپریشن شروع کرنا تھا۔ اس کام سے نمٹتے ہی ائرپورٹ روانگی کا منصوبہ طے ہوچکا تھا۔

اگر اس وقت انل بسواس کا غیر معمولی فون نہ آیا ہوتا تو میں طے کرچکا تھا کہ ہم اپنے اکلوتے سوٹ کیس کے ساتھ ہوٹل کو باقاعدہ خیرباد کہیں گے اور وہاں سے عابد کے ساتھ نکل جائیں گے لیکن انل سے گفتگو کرنے کے بعد میں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔

سامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلنے کا مطلب دہلی سے روانگی کا کھلا اعلان ہوتا۔ شاید بل بنانے سے پہلے ہی ہوٹل کی انتظامیہ را کے نامزد کیے ہوئے کسی افسر کو ہماری روانگی کی خبر دے دیتی اور ہمیں اتنی دیر کے لیے الجھالیا جاتا کہ را کے ایجنٹ ہوٹل پہنچ کر ہمارے تعاقب کی تیاری کرسکیں۔ وہ بہت خطرناک صورتِ حال ہوتی۔ دہلی میں آئی بی کے تینوں ایجنٹ ایک مدت سے پوشیدہ رہ کر اتنی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کسی کو کانوں کان بھی ان کے وجود کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ ہماری اطلاعیہ روانگی کی صورت میں ہمیں ہوٹل سے لے جانے والا آدمی یقینی طور پر را کے ایجنٹ کی نگاہوں میں آجاتا۔

اس لغزش کے دوررس اثرات کو میری نگاہیں بھانپ رہی تھیں۔ ایک طرف انل اور نریش کے خلاف ہمارا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہوتا۔ اس میں ہم سب لوگوں کی

Downloaded from https://paksociety.com

جانوں کے اتلاف کا سنگین خطرہ پنہاں تھا۔ دوسری طرف دہلی میں آئی بی کے فعال وجود کا راز فاش ہوجاتا جس کے نتیجے میں اس پاکستانی ایجنسی کے لیے برسوں تک دہلی میں قدم جمانا ممکن نہ ہوتا۔ دیر تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ تھا جس کا ترک کردینا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔

دوسری اور درمیانی راہ یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم انل بسواس اور نریش شرما کو بھول کر صرف اپنی کھال بچانے کی کوشش کریں۔ عابد علی اور اس سے طے کیے ہوئے پروگرام کو یکسر فراموش کردیں۔ رات کو آٹھ بجے ہمارے نہ پہنچنے کی صورت میں عابد بلبلا کر ہم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ کرتا تو اسے بتادیا جاتا کہ حالات اچانک کتنے مخدوش ہوگئے تھے۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے باضابطہ طور پر دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاتے۔

وہ درمیانی راہ سب سے بہتر اور محفوظ تھی۔ اس میں ہماری جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا' نہ دہلی میں آئی بی کا نیٹ ورک ٹوٹنے کا کوئی خطرہ پوشیدہ تھا مگر میرا دل اس سمجھوتے کی طرف مائل نہیں تھا۔ ہم نے دہلی میں قیام کے دوران میں کئی اہم کامیابیاں حاصل کرلی تھیں لیکن میں پاکستان سے انل بسواس کو جہنم واصل کرنے کا جو مشن لے کر نکلا تھا وہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔

انل بسواس میرا بنیادی اور اہم ترین شکار تھا۔ نریش شرما کا گھناؤنا کردار دہلی پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سنگین ذاتی زیادتیاں کی تھیں۔ شاید میں اس کی وہ تمام سفاکیاں بھول کر اسے معاف کردیتا لیکن اس نے پچھلے روز غزالہ کے ساتھ جو حرکت کی تھی اس کے بعد وہ میرا ناقابل معافی مجرم بن چکا تھا۔

ایک طرف مشن کی تکمیل کی تڑپ اور انتقام کی پیاس تھی اور دوسری طرف بھیانک ناکامیوں کی دلدل نظر آرہی تھی۔ غزالہ نے باتھ روم سے آنے کے بعد مجھ سے فون کے بارے میں پوچھا اور میں نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر اسے انل بسواس کی میٹھی اور مصالحانہ باتوں کے بارے میں بتادیا۔ اس سے آگے بولنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس وقت بھی ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں سنی جارہی ہوں گی۔

غزالہ نے مجھ سے زیادہ سوالات نہیں کیے مگر وہ میری آنکھوں سے جھانکتی ہوئی تشویش دیکھ کر خود بھی پریشان ہوگئی تھی۔

پھر میرے ذہن میں تیسرے خیال نے سر ابھارا۔ ہمیں کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان سے ہم بہت مختصر اور ضروری سامان لے کے ساتھ آئے تھے جو ایک سفری تھیلے میں سما سکتا تھا۔ بقیہ سامان غزالہ نے مقامی بازاروں سے خریداری کے شغل میں جمع کیا تھا۔ وہ سامان ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا۔ جان ومال کے زیاں کے اس نازک موڑ پر وہ سامان سوٹ کیس سمیت کمرے میں چھوڑ کر ہم خاموشی سے فرار ہوجاتے تو راہ والوں کے ہوشیار ہونے تک ہمیں خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ جب تک وہ حالات کا صحیح اندازہ لگا کر میدانِ عمل میں اترتے' ہم ان کی دسترس سے بہت دور' پاکستانی سرزمین پر پہنچ چکے ہوتے۔

وہ خیال اس قدر سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھا کہ میں نے فوراً ہی دراز میں پڑے ہوئے کاغذوں وغیرہ کی دیکھ بھال شروع کردی۔ میرے حساب اور اندازے کے مطابق ہوٹل میں میرے حساب میں اتنی رقم جمع تھی جو کم از کم اگلے دو دن کے کرائے اور دیگر اخراجات کے لیے کافی تھی۔ حساب کی اس صحت مند پوزیشن میں ہوٹل کی انتظامیہ کو یہ پروا بھی نہ ہوتی کہ ہم ہوٹل سے نکلنے کے بعد رات کو واپس آتے ہیں یا گول ہوجاتے ہیں۔

اس طریقے پر عمل کرنے میں اکلوتی خرابی یہ تھی کہ ہماری پراسرار روپوشی پر را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کی صفوں میں ہلچل مچ جاتی۔ نہ جانے کیا کچھ کہا اور سمجھا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مظہر خان کے روپ میں میرا دوبارہ بھارت آنا ناممکن ہوجاتا۔

را کے دفتر کو آگ لگادینے کے بعد میں نے ایسے حالات سے بچنے کی کوشش کی تھی اور آخری لمحات پر بھارت سے اپنے فرار کا معاملہ کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کردیا تھا۔ وہ وقت کچھ سازگار تھا۔ حالات کچھ مختلف تھے اس لیے میرا وہ فیصلہ درست ثابت ہوا تھا مگر انل بسواس کے فون کے بعد میری بچھائی ہوئی پوری بساط بکھرتی نظر آرہی تھی۔ فیصلہ کن لمحات سر پر تل گئے تھے۔ مجھے ہر خطرہ مول لے کر اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور پھر بھارت سے نکل بھاگنا تھا۔ میں فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو بھارت سے ہماری زندہ وسلامت واپسی ایک خواب بن سکتی تھی۔

میں نے مسہری سے دور رہ کر اشاروں کنایوں سے غزالہ کو کمرے سے باہر نکلنے کی ضرورت کا احساس دلایا اور اس نے فوری طور پر ہوٹل سے نکلنے کی تیاری شروع کردی۔ وہ میرے تیور دیکھ رہی تھی اور میری زبان سے کوئی اہم فیصلہ

Downloaded from https://paksociety.com

سننے کی منتظر تھی۔

"کیوں نہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں؟" اس نے نگرانوں کو سنانے کے لیے تجویز پیش کی۔

"تم سارے قابل ذکر بازار دیکھ چکی ہو۔ خریداری کرکے کافی کاٹھ کباڑ جمع کرلیا ہے۔ اسے ڈھونا میرے لیے مصیبت بن جائے گا" میں نے بے زاری سے کہا۔

"ہم روز روز دہلی نہیں آئیں گے" غزالہ نے میری خوشامد کی "میری خاطر چلے چلیں۔"

"تمہاری خاطر یہاں تک آیا ہوں تو بازار بھی جانا پڑے گا۔ عورت کے لیے انسان کو نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر اس کے بشرے پر چھائی ہوئی تشویش اس کی ہنسی کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

غزالہ کبھی بھی بناؤ سنگھار کی عادی نہیں رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔ میں اس سے پہلے ہی تیار بیٹھا ہوا تھا۔ چند ہلکے پھلکے فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہم دونوں نے کمرا چھوڑ دیا۔

○☆○

میرے اعصاب پر ہلکی سی کشیدگی طاری تھی اور میں ٹیلی وژن کے سامنے اکیلا بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

غزالہ پندرہ منٹ پہلے مجھے الوداع کہہ کر اپنے مختصر سفری تھیلے سمیت کمرے سے جاچکی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پونے آٹھ بجے مجھے بھی اس کمرے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا تھا جس کے بام ودر میں را والوں نے خفیہ خبرگیری کے جدید اور حساس آلات چھپائے ہوئے تھے۔

وہ عجیب ساون تھا۔ صبح انل بسواس کی اکلوتی فون کال آنے کے بعد انسٹرومنٹ مستقل طور پر خاموش تھا۔ پتا نہیں نریش شرما کہاں جا سویا تھا۔ صبح میں غزالہ کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو اسے اپنے نئے فیصلوں سے آگاہ کرتے ہوئے بھی میری بے چین نگاہیں تیزی سے قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں مگر اس روز تلاش کے باوجود مجھے آئی بی کے کسی آدمی کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

حقیقت وہ نہیں تھی جو میں تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے انل بسواس کے فون کے بعد ہر ایک نے مجھ سے کنارا کشی اختیار کرلی ہو۔ عابد علی سے پچھلی رات جو کچھ طے ہوا تھا، مجھے اسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔

سگریٹ ختم کرکے میں نے ایش ٹرے میں مسل دی اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کھڑکی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں نے ٹیلی وژن بند کردیا۔

چند ثانیوں تک میں اسی جگہ کھڑا رہا پھر میں نے آخری بار درازوں وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ وہاں سے جاتے ہوئے میں ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جو میری اصل شخصیت تک رسائی کے لیے راوالوں کے کام آسکے۔

غزالہ نے پوری ذمے داری کے ساتھ درازوں کی صفائی کی تھی۔ ان میں را والوں کے لیے کچھ نہیں تھا۔ الماری کے نچلے خانے میں وہ چھوٹا سا نیا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا جس میں غزالہ کی خریداری کا سارا سامان اپنی پیکنگ سمیت بھردیا گیا تھا۔ میرے لیے وہ سوٹ کیس اپنے ساتھ لٹکائے پھرنا ممکن تھا اور نہ میں اپنی روانگی کا اعلان کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بے چینی کے عالم میں اپنے سوچے ہوئے وقت سے کئی منٹ پہلے کمرا چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور لفٹ کی طرف ہولیا۔ میرے ہاتھ میں میرا ہاکا بریف کیس موجود تھا۔

گراؤنڈ فلور پر میں نے چابی کاؤنٹر پر دی تو کسی کو یہ خیال نہیں آسکا کہ میں دوبارہ وہ چابی لینے کے لیے نہیں آؤں گا۔

عابد سے میری ملاقات کا وقت آٹھ بجے طے ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر چابی دینے کے بعد میں وقت گزارنے کے لیے بغلی راہ داری میں گھس گیا جہاں بڑے بڑے شوکیسوں والی متعدد سجی سجائی دکانیں خریداروں کو دعوت دے رہی تھیں۔

نئی سگریٹ سلگا کر میں شیشے کی ان دیواروں کے اس پار دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا کیونکہ عابد میرے پروگرام میں ہونے والی تبدیلی سے بالکل بے خبر تھا۔ غزالہ مجھ سے الگ ہوچکی تھی۔ میں نے اپنے بدترین اندیشوں کے پیش نظر اس کا پاسپورٹ اس کے حوالے کردیا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ کسی ناگہانی افتاد کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو اسے بھارت سے نکلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ٹھیک آٹھ بجے میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں داخل ہوا تو عابد علی اپنی گاڑی کے ساتھ ایک ممتاز اور روشن مقام پر موجود تھا۔ اس کی نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی ایک جھلک دکھاتے ہی وہ جھک کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ میں غائب ہوگیا۔ میں توقف کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں پارکنگ لاٹ طے کرکے پیش قدمی کرتا رہا۔

میں نے عابد کے برابر والی نشست سنبھالی تو وہ اگنیشن آن کرتے ہوئے تشویش زدہ آواز میں بولا "بھابی کہاں ہے؟ تم اکیلے کیوں آئے ہو؟"

Downloaded from https://paksociety.com

اس روز کسی کی طرف سے ہمدردی اور فکرمندی کے وہ پہلے بول تھے جو میرے کانوں میں پڑے اور مجھے گہری آسودگی کا احساس ہوا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے اتنی زیادہ اجنبی نہیں تھی۔ وہاں کچھ لوگ تھے جنہیں میری اور غزالہ کی سلامتی کی فکر تھی۔

"وہ کناٹ پلیس پر ٹورسٹ آفس کے قریب والی گلی میں ہمارا انتظار کرے گی" میں نے اسے بتایا "تم یہاں سے نکلو۔ آج حالات نے غیر متوقع انداز میں ایک نئی قلابازی کھائی ہے۔ سنو گے تو حیران۔۔۔"

"ضرور سنوں گا" اس نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "مگر تمہارا سامان کہاں ہے؟ کیا وہ بھی تم نے اس بے چاری کے سر لاد دیا؟"

"ہم جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس جائیں گے۔ میرے پاس بریف کیس ہے اور اس کے پاس ایک ہاکا سفری تھیلا۔ سوٹ کیس اور دوسرا سامان ہم نے ہوٹل کے کمرے میں ہی چھوڑ دیا ہے۔"

وہ غزالہ کو میرے ساتھ نہ پاکر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ میری بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا "تو کیا تم وہ سامان لینے کے لیے دوبارہ ہوٹل آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم دماغی طور پر غیر حاضر ہو۔ تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ ہم نے وہ سامان چھوڑ دیا ہے اور اس کے بغیر واپس جائیں گے۔"

"فکر کیوں؟ اچانک ایسی کیا تبدیلی رونما ہوگئی کہ تم نے اپنا پروگرام بدل دیا۔"

میں نے جواب میں اٹل بسواس کی کال کا قصہ چھیڑ دیا۔ وہ مجھے ٹوکے بغیر' پورے انہماک اور تشویش کے ساتھ وہ کہانی سن رہا تھا۔

"تمہارا فیصلہ بہت صائب تھا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں ہر شخص صحیح فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوتا" میری بات مکمل ہوجانے پر اس نے کہا "اب تمہارے لیے سامان کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ بغیر سازوسامان کے سفر کرنے والے مسافروں کو شک اور تشویش کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہاری بات ان مسافروں پر صادق آتی ہے جو بیرون ملک لمبے سفر پر جارہے ہوں۔ ہمیں دہلی سے امرتسر تک کے فضائی سفر کے لیے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے آگے کے سفر کے بارے میں تم جانتے ہو کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں کبھی ان جزئیات کو نظرانداز نہیں کرتا" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری کوشش ہوتی ہے کہ نقل وحرکت کے دوران میں ایسی ہربات سے گریز کروں جس کی وجہ سے میری ذات دوسروں سے الگ نظر آنے کا اندیشہ ہو۔"

"تم پیشہ ور آدمی ہو۔ میں ایک من موجی فری لانسر ہوں۔ دونوں میں کوئی نہ کوئی فرق ہونا چاہیے۔" میں نے وہ بات مذاق میں اڑادی۔

"نریش کا کیا رہا؟" چند ثانیوں کے مختصر سے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ دو ملازم رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں ہمیں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ دونوں ملازموں کے ساتھ اس کا بیٹا بھی اوپری منزل پر بنے ہوئے کمروں میں سوتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ میں نے اچانک تمہارے سر بوجھ ڈال دیا ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ تم لوگ اپنے طور پر یہاں جو کچھ کرتے ہو' اس میں خون خرابے کا عنصر نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ تم کو یہ ناگوار کام بھی انجام دینا پڑے گا۔ اب ہمارے سامنے ایک کے بجائے دو شکار ہیں۔"

"فرض سمجھ کر انجام دیا جانے والا کوئی کام ناگوار نہیں ہوتا" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "اٹل کے لیے ہمیں خاص ہدایات ملی ہوئی ہیں۔ ہم جب سے بھارت آئے ہیں' ہمیں پہلی بار کسی کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری سونپی گئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے کا بھی کام تمام ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ مشن بہت مشکل اور پُرخطر ہے۔ آج رات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو مجھے یہ محسوس ہوگا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس جارہا ہوں۔"

"ویری گڈ!" وہ خوش ہوکر بولا "تمہارے ان فقروں سے میری جان میں جان آئی ہے کہ آج کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر' تم نے ہر قیمت پر پاکستان لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب تمہاری روانگی ناگزیر ہوچکی ہے۔ تم یہاں رکے رہے تو پانی سر سے اونچا بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے دہلی میں آج اپنی کشتیاں جلادی ہیں۔ واپسی کے بجائے آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سفر پاکستان کی سرحد آنے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

وہ کناٹ پلیس کی گول سڑک پر پہنچ گیا۔ ٹریفک کے شور میں ہماری آوازیں دبنے لگیں اور میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس وقت میری نگاہیں بے چینی سے دہلی ٹورسٹ آفس اور غزالہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

دہلی میں قیام کے دوران میں بارہا اس علاقے میں گھومتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ کسی علاقے میں پیدل گھومنے اور سواری میں بیٹھ کر سفر کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ساری عمارتیں اور سڑکیں وہی تھیں مگر عابد کی گاڑی سے مجھے ہر چیز نئی اور بدلی بدلی سی نظر آرہی تھی۔

کناٹ سرکس روڈ کا بہت بڑا دائرہ طے کرتے ہوئے عابد کی گاڑی کئی چوراہوں سے گزری اور پھر مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر دہلی ٹورسٹ آفس کا نمایاں بورڈ نظر آگیا۔

"گاڑی کی رفتار کم کرلو" میں نے اضطراری لہجے میں اسے مشورہ دیا "غزالہ یہیں کہیں کھڑی ہمارا انتظار کررہی ہوگی۔"

درحقیقت مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ دہلی کے اس سیاحتی دفتر کے آس پاس کوئی گلی نہیں تھی۔ وہ دفتر ٹھوس اور وسیع عمارت کے تقریباً وسط میں واقع تھا جب کہ میں نے غزالہ کو قریبی گلی میں اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنی اس غلطی کا ادراک ہوتے ہی مجھے تشویش سی ہونے لگی مگر وہ تشویش زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ لوگوں کے رنگارنگ ہجوم میں مجھے غزالہ نظر آگئی۔ وہ دوسرے بہت سے سفید فام سیاحوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ کھڑی کوئی نقشہ پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کے فطری انداز سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اس علاقے سے نکلنے سے پہلے صحیح سمت کے تعین کے لیے کوشاں ہو۔

وہاں ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ غزالہ دور سے ہماری گاڑی کو میری موجودگی کی وجہ سے پہچان لیتی' اسے میرا انتظار تھا۔ میں نے عابد کو بتایا کہ میں غزالہ کو دیکھ چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی رینگتی ہوئی گاڑی سڑک کے کنارے سے لگا کر روک لی۔ میں پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ عابد علی نے اپنی گاڑی کا انجن رواں رہنے دیا تھا تاکہ ٹریفک کا کوئی سپاہی غلط پارکنگ پر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ گاڑی آگے بڑھادے۔

غزالہ اپنا سفری تھیلا شانے سے لگائے بظاہر نقشہ بینی میں مصروف تھی لیکن وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی گاڑی سے نکل کر سڑک عبور کرنے کی کوشش کی' اس نے مجھے دیکھ لیا اور نقشہ موڑ کر اپنے تھیلے کی ایک جیب میں اڑستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے بڑھتے ہی میں سڑک کے وسط سے گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ میری رفتار سست تھی' غزالہ بہت تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ عابد کی گاڑی غلط جگہ پر رکنے پر کوئی اعتراض ہونے سے پہلے غزالہ میرے پیچھے پیچھے گاڑی تک آئی اور عابد کو سلام کرتی ہوئی پچھلی نشست پر سوار ہوگئی۔ عابد نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ٹورسٹ آفس کے آس پاس کوئی گلی نہیں ہے۔ میں پریشان ہوگئی تھی کہ کہاں رک کر آپ کا انتظار کروں" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ ہم نے کسی دشواری کے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔"

"یہاں بھی اندھیر ہے۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے چھاپے جانے والے مفت نقشے نایاب ہیں۔ فٹ پاتھ پر کتابچے بک رہے ہیں جن میں نقشے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہ دھڑا دھڑ بک رہے ہیں۔ مجھے بھی وقت گزارنے کے لیے چالیس روپے میں ایک کتابچہ لے کر اس میں سے نقشہ نکالنا پڑا۔"

"اس وقت ہم ان فضولیات میں پڑنے کے لیے یکجا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے" میں نے اس کی غیر ضروری وضاحت پر تادیب کی۔

غزالہ نے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔ اس نے اس بات پر برا نہیں منایا تھا کہ میں نے عابد کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اسے ٹوک دیا تھا۔

"تمہارے دونوں ساتھی اس وقت کہاں ہیں؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"وہ اپنے ٹھکانے پر تیار بیٹھے ہیں۔ ایک بجے وہ ہمارے ساتھ آملیں گے" عابد نے بتایا۔

"ابھی تو سوا آٹھ ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ یہ ہم کہاں گزاریں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ہمارا کہیں بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے سڑکیں یا کھلی جگہیں زیادہ محفوظ رہیں گی۔ ہماری ضرورت کی ہر چیز گاڑی میں موجود ہے۔ بھرے ہوئے پستول' تین ایریٹس اور شکاری چاقو پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیم گن اور سی ایس ڈی ڈیش بورڈ کے خانے میں ہیں۔"

"میری دونوں چیزیں مجھے دے دو" میں نے کہا "آخری لمحات کی افراتفری میں وہ یہیں نہ رہ جائیں۔"

عابد نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھول دیا۔ میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

اندھیرے میں بیم گن کا لمس محسوس کرلیا۔ وہ دونوں چیزیں پلاسٹک کے تھیلے میں محفوظ تھیں۔ میں نے تھیلی قدموں میں خالی کی، بیم گن اپنی جیب میں ڈالی اور سی ایس ڈی کو بریف کیس میں رکھ دیا۔

عابد سے پچھلی رات پروگرام طے کرتے ہوئے مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ ہمارے یک جا ہونے اور دشمن پر وار کرنے کے درمیان خاصا طویل وقفہ حائل تھا۔ میں نے اپنی ضروریات کے تحت اس وقت کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ غزالہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے احساس دلایا تھا کہ ہمیں اگلے پانچ چھ گھنٹے دہلی کی کوچہ پیمائی کرتے ہوئے گزارنے تھے۔

ہوٹل سے ہم دونوں کا دیر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ شام کی پُرہجوم رونقوں میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ رات گہری ہونے لگتی تو ہوٹل کے باہر چہل پہل میں کمی آجاتی جس کی وجہ سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کسی کی نگاہوں میں آسکتی تھی۔ ویسے بھی ہم نے دو دنوں سے سرِشام ہوٹل سے نکلنے کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ اگر ہماری کوئی دیکھ بھال ہو رہی تھی تو ہماری فیصلہ کن روانگی کو بھی ہمارے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر نظرانداز کیے جانے کا امکان موجود تھا۔

دوسری طرف قرول باغ کی گنجان آبادی تھی جہاں ہر بڑے شہر کی طرح رات کی ویرانی دیر سے اپنے ڈیرے جماتی تھی۔ ہمیں انل اور نریش کے خلاف قدم اٹھانے کے لیے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب دہلی کی اس آبادی کے بیشتر مکین گہری نیند سوچکے ہوں اور رات کے اندھیرے میں ہمارے سایوں کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی نہ ہو۔

ان دونوں مجبوریوں کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل تھا جسے جیسے تیسے گزارنا ہی تھا۔

"ذرا عقب نما آئینے پر نگاہ رکھنا" میں نے اپنے خیالوں کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشے کے تحت عابد سے کہا "بے خبری میں ہمارا پیچھا نہ کیا جارہا ہو۔"

"ابھی تک میدان صاف ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے آج تم ضرورت سے کچھ زیادہ محتاط ہو" عابد بولا۔

"تم پارکنگ لاٹ میں ہمارا انتظار کررہے تھے، تمہارے دونوں ساتھی اپنے ٹھکانے پر ہیں۔ جب پیچھے دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو تفکرات ستانے لگتے ہیں۔ را والے بالکل گھامڑ اور عقل سے کورے نہیں ہیں۔ کیا پتا کہ پابندی کی آخری رات ختم ہوتے ہی انہوں نے ہماری نگرانی شروع کردی ہو۔ ہم اپنی دانست میں انہیں جل دے کر نکل آئے ہیں لیکن ہمارے پاس اپنے اندازوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم دونوں کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے روانہ ہوئے ہو اور وہاں صرف ولی رام موجود تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک آدمی کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ اس نے بھابی کو چھوڑ کر تمہارے اترنے کا انتظار کیا ہوگا۔ آٹھ بجے تمہیں پارکنگ لاٹ تک پہنچانے کے بعد وہ سرعت سے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوگیا ہوگا۔ دشمن کا کوئی آدمی تمہاری نگرانی کررہا ہوتا تو ولی رام مجھے ضرور اطلاع دیتا تاکہ میں تم سے دور رہ سکوں۔ اس کی خاموشی کا مطلب ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ شاید بھابی کا پیچھا بھی نہیں کیا گیا۔ ولی رام نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ کوئی مشتبہ آدمی بھابی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔"

"وہ آٹھ بجے میری دیکھ بھال کررہا تھا اور چند منٹ میں اپنے ٹھکانے پر سنیل کے پاس پہنچ گیا" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا "کہیں تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کررہے؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا" عابد نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا "آج وہ دونوں اپنے مستقل ٹھکانوں پر نہیں ہیں۔ کسی بھی اہم مشن سے پہلے ہم لوگ عارضی طور پر اپنے ٹھکانے بدل لیتے ہیں تاکہ ہماری آمدورفت کے اوقات کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ آج وہ تمہارے ہوٹل کے قریب ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر قسمت نے ہم سب کا ساتھ دیا تو وہ تمہیں ائیرپورٹ پہنچانے کے بعد اپنے اپنے مستقل ٹھکانوں کی طرف جائیں گے۔"

ان لوگوں نے میری توقع سے زیادہ منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ نئی مصروفیات میں الجھ کر انہوں نے ہماری دیکھ بھال کا سلسلہ ترک نہیں کیا تھا۔ عابد کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ انل بسواس کے فون کے بعد میرے بارے میں را کی حکمتِ عملی میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے جال میں آیا ہوا بے بس مخبر سمجھ کر میرے حال پر چھوڑ دیا تھا اور شاید یہی ان کی سب سے سنگین چوک تھی۔

سنیل اور ولی رام یعنی پرویز اور عبداللہ کا سستے ہوٹل میں منتقل ہونا آئی بی والوں کی پیشہ ورانہ منصوبہ بندی کا واضح

Downloaded from https://paksociety.com

ثبوت تھا۔ ہر کام سے فارغ ہو کر صبح کے چار پانچ بجے وہ واپس اسی ہوٹل میں پہنچتے تو شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے۔ عابد نے بہت سادگی کے ساتھ بتادیا تھا کہ اس رات کے مشن سے نمٹنے کے بعد ان دونوں کا ہوٹل واپسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ہوٹل سے اپنا حساب بے باق کر کے نکلتے اور کام پورا ہونے کے بعد ان کمین گاہوں کی طرف لوٹ جاتے جہاں انہوں نے ان دنوں اپنے پیر جمائے ہوئے تھے۔

عابد ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے پیشے میں فضول گوئی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے گاڑی میں سوار ہونے کے بعد عابد نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ کوزے میں سمندر کے مترادف تھا۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ ہماری وہ رات رائیگاں نہیں جائے گی۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ عابد اپنی گاڑی شہر کے پُرہجوم اور بارونق حصوں سے دور لے جارہا تھا۔ میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

جوں ہی گاڑی ٹریفک کے ہجوم سے باہر نکلی، عابد نے غزالہ سے پچھلے پائیدان میں رکھا ہوا تھیلا مانگ لیا۔ تھیلا خاصا وزنی تھا۔ عابد کو اس حقیقت کا احساس تھا۔ اس نے تھیلا لینے کے لیے گاڑی کی رفتار کم کرلی تھی مگر اس سے پہلے میں نے غزالہ سے وہ تھیلا لے کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔

"اس میں سے ایک اپریٹس مجھے نکال دو" عابد نے مجھ سے فرمائش کی۔ میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اس میں پستول، بھرے ہوئے فاضل میگزین، کچھ بڑے چاقو اور اپریٹس موجود تھے۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر ایک اپریٹس نکالا اور خاموشی سے عابد کی طرف بڑھادیا۔ عابد نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

عابد نے اپریٹس آن کیا اور اسے اپنے منہ کے قریب لاکر دھیمی آواز میں بولنا شروع کردیا "اسپیل تھری ٹوون.....بی ٹی سکس۔"

اس نے مہمل بلکہ بے ربط الفاظ، حروف اور ہندسوں کا استعمال کرتے ہوئے دو مرتبہ وہ پیغام نشر کیا اور پھر دوسری طرف سے اسی ناقابل فہم، جناتی انداز میں جواب موصول ہونے لگا جو عابد کے نشر کیے ہوئے پیغام سے زیادہ طویل تھا۔

دونوں طرف سے باری باری نشری سوال جواب ہوتے رہے۔ چند ثانیوں بعد عابد نے اپریٹس آف کر کے مجھے لوٹادیا۔

اپریٹس پر ریڈیائی شور کی وجہ سے دوسرے فریق کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی جو میری شناخت میں نہیں آسکی۔

"مبارک ہو!" میرے سوال کرنے سے پہلے عابد نے مجھ سے کہا "ولی رام نے تصدیق کردی ہے کہ ہوٹل میں دشمن کی طرف سے تمہاری نگرانی نہیں ہورہی تھی۔ آخری لمحات تک وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ تمہیں میری طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔"

اس نے محض میری تشویش دور کرنے کے لیے عبداللہ سے وہ رابطہ کیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کیا اس وقت اپریٹس کا استعمال خطرناک نہیں تھا؟"

"اس کوشش میں موہوم سا خطرہ تھا۔" اس نے اعتراف کیا "مگر بات وہی ہے کہ خطرات مول لیے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

"شہر میں ہونے والے واقعات کے بعد راولوں کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہیں پوری سرگرمی سے اپنے مجرموں کی تلاش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی خفیہ ریڈیائی رابطے ان کی دیکھ بھال کی زد میں آئے ہوئے ہوں۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کیا۔

"دشمن کے علاقے میں کام کرنے والے، ہم جیسے بوریا نشین افراد اور سرکاری ایجنسیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہم اپنا ہر کام خاموشی اور رازداری سے انجام دینے کی فکر میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہر کارروائی کا طمطراق سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں تاکہ حریف کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرسکیں۔ آرک والوں کی اسکیننگ و سینز دہلی کی سڑکوں پر گشت کے لیے نکلی تھیں تو ہمیں بروقت ان کی اطلاع مل گئی تھی۔ جامع مسجد سے ایک بدنصیب کو پکڑنے کے بعد ان کی وہ سرگرمیاں دم توڑ چکی ہیں۔"

"وہ بڑے پیمانے کی کوشش تھی۔" غزالہ نے ہماری باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ اس وقت وہ اپنی گاڑیوں سے کام لے رہے ہوں۔ دوسرے ذرائع سے بھی ریڈیائی رابطوں کی کڑی نگرانی کی جاسکتی ہے۔"

"یہ مواصلاتی رابطوں کا زمانہ ہے۔ آئے دن نت نئے آلات سامنے آتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً غافل نہیں ہوں گے لیکن گفتگو پکڑنے والے غیر متحرک آلات کتنے ہی حساس کیوں نہ ہوں، ان کی رینج محدود ہوتی ہے اور اس وقت ہم حرکت میں ہیں۔ وہ شاید ہمیں نہ پکڑ سکیں۔"

"تم متحرک ہو مگر عبداللہ اور پرویز ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہیں۔ وہ گرفت میں آسکتے ہیں۔" میں نے اعتراض کیا۔

"وہ آپریٹس کے ساتھ ایسا آلہ استعمال کررہے ہیں جس

Downloaded from https://paksociety.com

کی وجہ سے ان کی پوزیشن کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس بندوبست کے باوجود میں نے اس سے کوڈ ورڈز میں بات کی ہے۔ یہ ہم سب کی سلامتی اور بقا کا معاملہ ہے۔ ہم نے احتیاط کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"ایسا کوئی آلہ ہے تو وہ مجھے بھی دیا جاسکتا تھا۔ اس کے بجائے مجھے آپریٹس کا استعمال ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے ہنس پڑا "اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔ وہ آلے سے زیادہ ایک پیچیدہ سرکٹ ہے جسے مہارت کے بغیر آپریٹس سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گھروں میں استعمال ہونے والی عام بجلی سے کام کرتا ہے اس لیے میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے وہ آلہ آسانی سے جوڑ لیا ہوگا۔ اس کا بندوبست صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارا رابطہ نہ ٹوٹے۔"

"ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کیا کریں گے؟" اس کی بتائی ہوئی تفصیلات میرے لیے دلچسپ ثابت ہو رہی تھیں۔

"ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ اس آلے کو سمیٹ لیں گے کیونکہ باہر عام برقی رو میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے استعمال نہیں کرسکیں گے۔ کھلی فضا میں نکل آنے کے بعد وہ حرکت میں ہوں گے۔ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی ہوگی۔ وہ اس آلے کی ضرورت سے بے نیاز ہو چکے ہوں گے۔"

عابد علی کے پاس میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ اول تو وہ یہ اطمینان کرچکا تھا کہ دہلی میں ریڈیائی پیغامات پکڑنے کی ہنگامی کوششیں دم توڑ چکی تھیں اور اگر معمول کی سرکاری کوششوں سے کوئی خطرہ تھا تو وہ تینوں اس کا پیشگی تدارک کرچکے تھے۔

دہلی کے اجنبی اور قدرے خالی راستوں پر کافی دیر تک ڈرائیونگ کرنے کے بعد عابد نے اپنی گاڑی ایک خوب صورت اور روشن پارک کے قریب روک دی جہاں تفریح اور ہوا خوری کے لیے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔

بچوں کی بھاگ دوڑ اور چیخ وپکار سے اس پارک کی فضا میں رونق تھی پھر بھی وہاں بھیڑ اور گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ عابد ہم دونوں کے ساتھ پارک کے ایک خالی گوشے میں گھاس پر جا بیٹھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس روشن فیملی پارک کو قدسیہ گارڈن کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس پارک میں ستانے سے پہلے عابد نے شہر کی سڑکیں ناپنے میں کم وبیش ایک گھنٹا گزار دیا تھا۔

وہ آئی بی والوں کے ساتھ دہلی میں ہماری آخری رات تھی۔ ان کی سرگرمیوں، دہلی کے حالات اور پاکستان کے بارے میں بھارتی رویّے کے سلسلے میں میرے ذہن میں تشنگی موجود تھی۔ جب سے ہم لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے، ہمیں فرصت سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اور کھل کر باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اپنے آخری اور فیصلہ کن شکار سے پہلے ملی ہوئی ایک مہلت میں میری طرح عابد بھی دل کھول کر بول رہا تھا۔

مجھے ان لوگوں کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کے بارے میں زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرے سوالات کم اور محدود تھے جبکہ عابد میرے مشن سے پوری طرح واقف تھا۔ ہمارے قیام کے دوران میں بعض واقعات کے بارے میں اسے صرف ابتدائی اطلاع دی گئی تھی اور پھر منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے ذہن میں ان حالات وواقعات کے بارے میں گہرا تجسّس موجود تھا۔ وہ مجھ سے کرید کرید کر سوالات کر رہا تھا۔

ہماری باتوں کا رخ پچھلی شام کے اس واقعے کی طرف ہوگیا جس میں نریش کی پشت پناہی سے مرلی نے غزالہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

اس واقعے میں غزالہ کا کردار اتنا حاوی تھا کہ رینا اجیت رائے کی کہی ہوئی خوف ناک باتیں پس منظر میں معدوم ہوگئی تھیں۔ پچھلی رات کو عابد سے ہونے والی ملاقات میں، میں نے اسے صرف غزالہ اور مرلی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میرا ذہن ان نکات کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا جو رینا نے کم وبیش اسی دوران میں مجھے سنائے تھے۔

"وہ ایک معجزہ ہوا تھا۔" عابد نرم اور ٹھنڈی گھاس پر پہلو کے بل لیٹا ہوا کہہ رہا تھا "آج سنیل نے باڑہ ہندو رائے میں جاکر مرلی دھر کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ لرزہ خیز ہیں۔ وہ بہت اوباش اور کمینہ آدمی ہے۔ اپنے کسرتی تن وتوش کے ساتھ طاقت ور بھی ہے۔ شریف لوگوں کے ساتھ بدمعاش بھی اس کے منہ لگنے سے گھبراتے ہیں۔ وہ کئی آدمیوں کو بری طرح ادھیڑ چکا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بھابی نے اس جیسے فیل پیکر کو کیسے زیر کرلیا۔"

"وہ معجزہ ہی تھا۔" میں نے کہا "جس وقت غزالہ اپنے کمرے میں مرلی دھر کا مقابلہ کر رہی تھی، رینا میرے کمرے میں پہنچی ہوئی تھی...."

Downloaded from https://paksociety.com

"اوہو.....!" اس نے استعجابیہ انداز میں میری بات کاٹی "تم نے اس کے بارے میں پہلے کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس وقت غزالہ کا تجزیہ ہر دوسری بات پر حاوی تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے ایما پر مجھے ایک بالکل نئی کہانی سنائی ہے۔"

"راوا لے غیر ضروری چکروں میں نہیں پڑتے۔ رینا کی نئی کہانی کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔"

"بالکل واضح مقصد تھا۔ وہ مجھے اس حقیقت سے مرعوب کرنا چاہ رہے تھے کہ بھارت کو دنیا کی اکلوتی سپر پاور کی پشت پناہی ہے۔ راوا لے جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں امریکی پوری طرح ان کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں کو دنیا بھر میں منظم ہونے والی اسلامی جہادی تنظیموں سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کا منصوبہ کم و بیش تیار ہے۔ کسی بھی مناسب موقع پر وہ ان تنظیموں کے خلاف ایسا لرزہ خیز کریک ڈاؤن شروع کریں گے کہ کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔"

"جہادی تنظیمیں ظلم کے خلاف لڑ رہی ہیں یا پھر آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان سے بھارت یا کسی اور ملک کو کیا تکلیف ہے۔"

"جہاد مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ اور فرض ہے۔ وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کو جہاد کے فلسفے سے خوف آتا ہے۔ لڑ مرنے کا ایسا جذبہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے نام پر نکلنے والے مجاہد زندگی اور موت سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ ماریں یا خود مر جائیں' دونوں صورتوں میں خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں جہاد کی یہ فکر تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہادی قوتوں کو نئی صدی کا سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہوں۔"

"رینا تم کو یہ باتیں بتانے کے لیے آئی تھی؟" عابد کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"ہاں' اسے ہدایت دی گئی تھی کہ مجھے یہ باتیں بتا دے تاکہ میں سپر پاور کے ساتھ بھارت کے گٹھ جوڑ سے مرعوب ہو جاؤں اور ان سے انحراف کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکوں۔ اس نے میرے کمرے میں پوشیدہ آلات کی پروا کیے بغیر کھل کر یہ باتیں کی تھیں۔ کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس طرح نریش کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"یہ بھارتیوں کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے۔ امریکی اپنی مادی دنیا میں مست رہنے والے لوگ ہیں۔ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے عالمی رجحانات کس سمت میں جا رہے ہیں۔ یہ دیساتی کے کمبل کو لوٹنے کے لیے شہر میں میلہ لگانے والی بات ہے۔"

"شاید ان لوگوں نے یہ بات بڑھا چڑھا کر پیش کی ہو مگر اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔" میں رینا کی باتوں کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"دراصل یہ بھارتیوں کا اپنا خوف ہے۔" عابد نے چند ثانیوں کے بعد کہا "تم گہرائی میں دیکھو تو تمہیں ان باتوں کی تہ میں بھارتیوں کے ان تلخ تجربات کی جھلک نظر آئے گی جو کشمیر میں ان کا مقدر بنے ہوئے ہیں' یہ جھگڑا روزِ اول سے چل رہا ہے۔ مزاحمت بھی چل رہی تھی لیکن جہاد کا نظریہ پچھلے برسوں سے عام ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے مجاہدوں کا بھی شور مچایا جا رہا ہے۔ بھارت کی پوری کوشش ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جان و مال کی پروا کیے بغیر لڑنے والوں کو دہشت گرد قرار دلوا دے....."

"بھارت ہمیشہ انہیں دہشت گرد اور تخریب کار ہی کہتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی بات امریکا کہنے لگے تو اس میں وزن ہوگا۔ یہ بھارت کا ایک خواب ہے جو شاید کبھی پورا نہ ہو۔"

"میں سیاست سے دور رہتا ہوں اس لیے یہ سیاسی باریکیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ رینا کی نئی باتوں سے خطرے کی بُو آ رہی تھی۔ شاید بھارت کے مزاج اور موسم میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی ہے جو ہمارے لیے تشویش ناک ثابت ہوگی۔"

"یہ باتیں اسلام آباد کے ذمّے داروں کو ضرور بتا دینا۔" عابد نے پُرتشویش لہجے میں کہا "مدت سے یہاں رہنے کے باوجود ہم ایسی معلومات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔"

میرے لیے یہ باتیں جاننا دشوار تھا۔ نریش شرما میری فلم کھو دینے کے بعد اپنے اس نقصان کے ازالے کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے اس بوکھلاہٹ میں کچھ ایسی باتیں میرے کانوں تک پہنچا دی تھیں جو ناقابلِ یقین ہونے کے باوجود اہم تھیں۔

"میری رسائی جلال تک ہے۔ میں اسے پوری رپورٹ دوں گا۔ اس سے آگے دیکھنا اس کا کام ہوگا۔"

"یہ نہ سوچو۔" عابد نے جلدی سے کہا "ہم بھارت میں رہتے ہیں مگر ہمیں پاکستان کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ تمہاری رسائی دور تک نہیں ہے۔ تمہاری

Downloaded from https://paksociety.com

بات اعلیٰ ترین سطح پر سنی جاتی ہے۔ اس پر غور و فکر ہوتا ہے۔ یہ پالیسی کی مجبوری ہے کہ تمہیں پورا پروٹوکول نہیں دیا جاتا اور بڑے عہدے دار تم سے دور رہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں جس شخص کو امریکی سرکار۔۔ قاتل اور دہشت گرد قرار دے چکی ہو' اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے بڑے انعامات کا اعلان کر چکی ہو' اسے کوئی بھی کھل کر تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ جاننے کے باوجود مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے ہیں کہ میں نے پاکستان بلکہ کراچی میں روپوش رہ کر دن رات ٹھکانے تبدیل کیے ہیں تاکہ قانون کے محافظوں سے بچ سکوں۔"

"ان تلخیوں کو دل سے نکال دو۔ عہدوں کی دستار میں بندھے ہوئے سر ضابطوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انہیں ایسے قدم اٹھانے پڑ جاتے ہیں جن سے وہ نفرت کرتے ہیں۔"

"میرے دل میں کوئی تلخی ہے نہ شکوا۔ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہا تھا بلکہ تمہیں بتا رہا تھا کہ میں کیسے کیسے مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔"

"یہ مرحلے صرف اس وجہ سے آئے کہ تم امریکیوں کی نفرت کا نشانہ بنے ہوئے ہو۔"

"بھارتی اور امریکی' دونوں ہی میرے لہو کے پیاسے ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان میں ہاتھ روکنے کی ہدایت ملنے کے بعد ہم نے دہلی میں جان اسمتھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر رینا کی سنائی ہوئی کہانی میں ذرا سی بھی صداقت تھی تو اس کے سنائے ہوئے ماسٹر پلان کا خالق وہی شخص تھا۔"

"یہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی کی علامت ہے کہ پاکستان میں تم نے اسے چھوڑے رکھا مگر وہ اپنی موت کی تلاش میں خود بھاگا ہوا دہلی آپہنچا۔ ایسے اتفاقات شاذونادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے تم کو ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑا۔ بھابی جیسی معصوم' بے ضرر اور کمزور عورت نے بہت آسانی کے ساتھ اس سفید فتنے کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔"

جب تک ہم دونوں کے ذہن الجھنے ہوئے تھے۔ ہم ادھر اُدھر کی بے ربط باتیں کر رہے تھے۔ قدسیہ گارڈن کے پُرفضا ماحول میں بے فکری میسر آتے ہی بات سے بات نکلنے کا سلسلہ چل پڑا۔ وہ میری اور عابد کی پہلی اور آخری ملاقات تھی جس میں اس قدر کھل کر تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔

غزالہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہمارے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کی ہر بات سن رہی تھی لیکن ہماری گفتگو میں دخل انداز نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزارنے کے لیے عابد علی نے بہت موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ شاید لوگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سرِ شام ہی وہاں آجاتے تھے۔ جیسے جیسے رات بھیگتی جا رہی تھی' لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں وہاں سے واپس جا رہے تھے۔

گیارہ بجے تک وہاں نظر آنے والی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ ہم نے آدھا وقت بہت آرام سے گزار لیا تھا۔ اس سے آگے درپیش کاموں میں ہمیں رات کالی کرنی تھی۔ جبکہ ہمارے معدے خالی تھے۔ رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑنے کی وجہ سے ڈنر کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

کام سے پہلے شکم سیری ضروری تھی۔ ہم اپنی جگہیں چھوڑ کر باغ میں سے گزرنے والی روشن سڑک پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ایک قریبی بازار میں ہم تینوں الگ ہو گئے۔ وہ عابد کی تجویز تھی۔ وہ ہر طرف سے اپنا اطمینان کر چکا تھا مگر پھر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ دہلی میں ہمارے قیام کے آخری مرحلے پر ہم تینوں کا سرِعام یک جا ہونا اس کی دانست میں قرینِ مصلحت نہیں تھا۔

کھانے کے لیے ہم نے چالیس منٹ کا وقت طے کیا تھا جو کافی سے زیادہ تھا۔ وہ وقت پورا ہوتے ہی ہمیں ہر قیمت پر جمع ہو کر اس بازار سے روانہ ہو جانا تھا۔

عابد ہم سے الگ ہوتے ہی ایک تنگ سی گلی میں گھس کر غائب ہو گیا۔ غزالہ سیدھی چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

غزالہ نے کچھ دور جانے کے بعد ایک معمولی سے ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ میں نے سڑک عبور کی اور دوسری طرف دہی بڑوں اور پکوڑوں کے ایک کیبن کے گرد' فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گیا۔ غزالہ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے میں نے باقاعدہ ڈنر کا ارادہ منسوخ کر دیا تھا۔

وہ صاف ستھرا کیبن معمولی تھا لیکن شہر غیر معمولی تھا۔ میں نے جو کچھ منگوایا اس کا ذائقہ بہت لذیذ تھا۔ مجھے بے اختیار کسی کی کہی ہوئی یہ بات یاد آگئی کہ دہلی کا ہر باسی کھانے کا شوقین اور چٹورا ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دکان دار ذائقوں کا معیار برقرار رکھنے پر مجبور تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

کھانے کا وقفہ میری توقع کے برعکس بہت تیزی سے گزر گیا۔ غزالہ ہوٹل سے نکلتی ہوئی نظر آئی تو میں نے سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس لالہ جی کو پیسے ادا کیے اور واپس چل دیا۔

عابد شاید تنگ گلی کے نکڑ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم دونوں کے کار تک پہنچنے سے چند لمحوں پہلے وہ نمودار ہوا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم تینوں کے درمیان خود بہ خود ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں گاڑی دوبارہ سڑکوں پر رواں تھی۔

"اب وقت کم رہ گیا ہے۔ یہ تیزی سے گزر جائے گا۔ غزالہ کو ایک بجے ہم سے الگ ہو جانا ہے۔ ہمیں ایک مرتبہ اپنے کاموں کو دہرا لینا چاہیے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر سلگتا ہوا ٹوٹا کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

ایک بجے پرویز اور عبداللہ دوسری گاڑی میں قرول باغ کی آبادی سے باہر ملیں گے۔ تمہیں کسی ایمرجنسی کے لیے پستول اور ایرپیس اپنے ساتھ رکھنا ہے۔" عابد نے غزالہ کو بتانا شروع کیا "تم یہ دونوں چیزیں لے کر ان کی گاڑی میں چلی جاؤ گی۔ اپنا سفری بیگ اور مظہر کا بریف کیس بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہیں اپنے ساتھ لینے کے بعد وہ انل بسواس کے مکان کا ایک چکر لگا کر اس علاقے سے نکل آئیں گے۔ دو بجنے میں پانچ منٹ پر عبداللہ ایک خاص مقام پر بجلی کے تاروں پر لوہے کے نرم اور لچک دار رسّے کا لنگر پھینکنے لگا۔ تاروں میں شارٹ سرکٹ سے زوردار روشن دھماکا ہوگا اور علاقہ تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ اس دوران میں تم پرویز کے ساتھ گاڑی میں رہو گی۔ عبداللہ کے لوٹ آنے کے بعد تینوں انل کے مکان کے باہر موجود رہنا تاکہ میری اور مظہر کی کارروائی میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد تم تینوں پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتے رہو گے۔ نریش کے کام کا انحصار ہم دونوں کی صوابدید پر ہوگا۔"

"اس مہم میں میرا کوئی کردار نہیں ہے۔" غزالہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا۔

"علاقے کی بجلی اڑانے کے لیے ایک آدمی کافی ہے۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتی ہو؟" عابد نے کہا۔

غزالہ لاجواب ہو گئی۔ اس وقت اسے احساس ہوا ہوگا کہ کسی تجویز پر معترض ہونا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ متبادل تجویز دینے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔

"تم نے انل بسواس کے فون کے تار کٹوانے کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بجلی اڑانے کے بعد تار کاٹ دیے جائیں گے۔" عابد نے جواب دیا "وہ دونوں دن کی روشنی میں ادھر جا چکے ہیں۔"

"میرے لیے ٹرانسمٹر... کی کیا افادیت ہے؟ یہ بلاوجہ کا بوجھ بنا رہے گا۔" غزالہ نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ سارا کام ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوتا چلا جائے۔ پولیس کی کسی گشتی گاڑی سے اچانک سامنا ہو سکتا ہے یا کوئی اور بدترین صورتِ حال رونما ہو سکتی ہے۔ اگر تم ان دونوں سے بچھڑ جاتی ہو تو دہلی میں تمہارا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے گا۔ ایسے ناگہانی حالات میں تم ایرپیس پر ہم سے رابطہ کر سکو گی اور ہم تم تک پہنچ جائیں گے۔ ہم تینوں کا ہر حال میں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ تم دونوں کو صبح کی پرواز سے دہلی سے نکل جانا ہے۔"

عابد کی وہ باتیں کچھ ہیجان خیز تھیں۔ مجھے اپنے خون میں تھوڑی سی حرارت محسوس ہونے لگی۔

"علاقے میں اندھیرا کر کے شاید ہم اپنے لیے دشواریاں پیدا کر لیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری انل بسواس تک رسائی مشکل ہو جائے۔" عابد کے بنائے ہوئے منصوبے پر غور کرنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا "اندھیرے میں غلطی کا زیادہ امکان ہوگا۔"

"رات کے دو بجے دیوار کود کر اس کے گھر میں گھسنا آسان کام نہیں ہے۔ اجالے میں کسی نے دیکھ لیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔"

انل بسواس کے گھر سے باہر منڈلانے والا وہ خطرہ اندر پیش آنے والی دشواریوں پر حاوی تھا۔ میں نے چپ سادھ لی۔

عابد کو یاد آیا کہ ہمارے ہوائی سفر کے ٹکٹ اسی کے پاس تھے۔ اس نے اپنی جیب سے دونوں ٹکٹوں کا لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا "اگر بدقسمتی سے میں مارا گیا یا پکڑا گیا تو اب تم دونوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح بروقت ایرپورٹ پہنچ ہی جاؤ گے۔"

"ایسے منحوس کلمات منہ سے نہ نکالو۔" غزالہ نے تادیبی انداز میں کہا "بعض اوقات قبولیت کی گھڑی بھی آجاتی ہے۔"

عابد نے زبردستی ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم بھابی ہو کر بھی اندر سے ایک وہمی عورت ہو۔ سچ یہ ہے کہ عورت' عورت ہی رہے تو اچھی اور باوقار لگتی ہے۔ اس وقت تم نے میرا

Downloaded from https://paksociety.com

دل خوش کردیا۔ اب میں کوئی منفی بات نہیں سوچوں گا۔"

عابد نے اپنی گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی بھروائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر ہلکی اور درمیانی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ سڑکیں ٹریفک سے خالی ہو چکی تھیں۔ خال خال ہی کوئی گاڑی یا ٹیکسی وغیرہ تیزی سے آتی یا جاتی ہوئی نظر آجاتی تھی۔

"اب ہم اپنی مطلوبہ سڑک پر آگئے ہیں۔" ایک بجنے سے چند ثانیوں پہلے عابد نے اعلان کیا۔ اس وقت اس کی گاڑی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ فاصلے تیزی سے سمٹتے رہے پھر عابد کو وہ سرخ گاڑی نظر آگئی جس میں اس کے ساتھیوں کو اس سے ملنا تھا۔ اس نے رفتار کم کردی۔

عابد کی گاڑی بس لمحہ بھر کے لیے سرخ کار کے پیچھے رکی۔ غزالہ تیار تھی۔ گاڑی تھمتے ہی نیچے اتر گئی اور عابد نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ سرخ گاڑی غزالہ کے سوار ہونے کے انتظار میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ میں مڑ کر دور تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر سڑک کے گھماؤ کے ساتھ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"اگر تمہارا پروگرام وہی ہے جو تم نے ابھی بتایا تھا تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے غزالہ کو دوسری گاڑی میں کیوں منتقل کردیا۔ وہ ہمارے ساتھ رہتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کام پورا ہونے کے بعد تم ذرا سا بھی وقت ضائع کیے بغیر ہمیں ائرپورٹ پہنچا سکتے تھے۔ اب تمہیں ایک مرتبہ پھر کہیں نہ کہیں رک کر غزالہ کو واپس اس گاڑی میں لینا ہوگا۔"

"کام ہوتا چلا گیا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں رکوں گا۔ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ جائیں گی اور تم دونوں کو وہاں چھوڑ کر لوٹ آئیں گی۔" اس نے کہا۔

"پھر بھی یہ ردوبدل میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ ڈالا۔

"تم نے یہ فرض کرلیا ہے کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جائے گا جیسا سوچا گیا ہے۔ یہ سوچو کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہو گئی تو کیا ہوگا۔ غزالہ اس گاڑی میں اکیلی ہوگی۔ اسے شہر کے راستوں کا علم نہیں ہے۔ وہ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اسے ہر حالت میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو گڑبڑ ہونے کی صورت میں اسے قرول باغ کی بھول بھلیوں جیسی آبادی سے نکال کر ائرپورٹ یا کسی اور محفوظ مقام تک پہنچا سکیں۔ میں نے اس بات کو شروع سے آخر تک دھیان میں رکھا ہے۔ ہر قدم ناپ تول کر اٹھایا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو سرخ گاڑی کے تینوں سوار محفوظ رہیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"محفوظ رہنا یا نہ رہنا' بعد کی بات ہے۔ اس میں مقدر کی یاوری کا بہت دخل ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات مدِنظر رکھی ہے کہ وہ باہر نسبتاً بہتر حالات میں رہیں گے۔ بات بگڑ جائے تو انہیں وہاں سے فرار ہونے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ وہ ہمارے اور اپنے لیے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"

میں نے اسے ہر طرح سے ہلا جلا کر دیکھ لیا لیکن وہ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس کے کیے ہوئے فیصلوں میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غور و خوض کرکے را کے دو اہم افسروں پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسے کسی ردوبدل کے لیے قائل کرنا آسان نہیں تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کے استعمال میں موجود گاڑی کرائے کی تھی جو ایک فرضی نام پر لی گئی تھی۔ ہتھیاروں کے تھیلے کے سوا اس نے یہ احتیاط رکھی تھی اس گاڑی میں ایسی کوئی چیز نہ رہے جو اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شناخت میں مددگار ثابت ہوسکے۔ مدعا یہ تھا کہ حالات بگڑنے کی صورت میں ہم دونوں گاڑی کی پروا کیے بغیر وہاں سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف فرار ہوسکیں۔ کسی گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ہم ٹرانسمٹر پر ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔

وہ ایک طرح سے عابد علی کا شہر تھا اس لیے اس رات کی منصوبہ بندی کا بیشتر بوجھ اس نے خود سنبھالا ہوا تھا۔ شاید اس نے اپنے اوقات کار کے بارے میں کئی مرتبہ ریسرسل کرلی تھی کیونکہ وہ ایک مختلف راستے سے دوبارہ قرول باغ کی حدود میں داخل ہوا تو دو بجنے میں صرف سات منٹ باقی تھے۔

ہماری گاڑی انل بسواس کے گھر سے دور تھی کہ اچانک کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ فضا میں لمحے بھر کے لیے شعلوں کی خون آشام سرخی ابھری اور فوراً معدوم ہوگئی۔ ہمارے آس پاس کے مکان بدستور روشن تھے۔ عبداللہ بجلی کے تاروں پر اپنا کام دکھا چکا تھا مگر میں حیران تھا کہ قرب و جوار کے مکان کیوں روشن تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ دھماکے کے بعد آبادی کو اندھیرے میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

"شاید اس علاقے کی سپلائی کسی اور لائن سے ہے۔" عابد نے رائے دی۔ گاڑی چل رہی تھی۔ اگلے لمحے آبادی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا حصہ ہمارے سامنے آگیا۔

میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اس میں رکھی ہوئی دو نارچیں نکال لیں۔ پستول' فاضل میگزین اور شکاری چاقو پہلے ہی ہماری جیبوں میں منتقل ہو چکے تھے۔ مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

محسوس ہو رہا تھا کہ اس مہم کے لیے ہم دونوں ضرورت سے زیادہ مسلح ہو چکے تھے۔

عابد نے اپنی گاڑی کے بریک لگاتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیے۔ ہم اٹل بسواس کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ مجھے سرخ گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ لوگ اپنا کام پورا کرنے کے بعد کہیں اوٹ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ اتفاقیہ طور پر ان کی موجودگی کا راز فاش نہ ہو سکے۔

گاڑی رکتے ہی ہم دونوں نیچے اتر گئے اور دروازے مقفل کیے بغیر اٹل بسواس کے مکان کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھ گئے۔

اس آبادی کا بیشتر حصہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بند گھروں کے در و دیوار میں سوئے ہوئے مکین شاید برقی شارٹ سرکٹ کا دھماکا سننے سے قاصر رہے تھے۔ کہیں بھی نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں نے دیوار کے سائے میں رک کر لمحہ بھر کے لیے عابد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سفید و سیاہ ڈھیلے تاریکی میں چمک رہے تھے۔ میری طرح وہ بھی دیوار پھاندنے سے پہلے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اچھل کر دیوار کے اوپری حصے پر ہاتھ جمائے اور پھر اپنے وجود کو اوپر سمیٹنا شروع کر دیا۔

میری بھری ہوئی جیبیں اس وقت ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھیں مگر اپنے لادے ہوئے اس بوجھ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں زور صرف کر کے دیوار پر پہنچا اور پل بھر میں دوسری طرف کود گیا۔ میں نے اپنے جوتوں کے نیچے پختہ فرش کے بجائے مٹی کی نرمی محسوس کی تھی۔ میں زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے قریب ہی دھمک کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو میرے پیچھے عابد بھی اندر کود چکا تھا۔ وہ بجلی اڑانے کے بعد مہم کا پہلا مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

اٹل بسواس کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے مکان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ کہیں سے کسی نقل و حرکت کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ہماری پیش قدمی کے لیے میدان سازگار تھا۔

اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ عابد نے اپنے ذرائع سے بہت سی معلومات کر لی تھیں لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اس شب خون کے آغاز سے پہلے عابد نے کمان سنبھالی ہوئی تھی لیکن عملی کارروائی کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے ہو لیا تھا۔

اندر سے تاروں کی چھاؤں میں یہ نظر آ رہا تھا کہ احاطے اور عمارت کی دیواروں میں خاصا فاصلہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس چار نفری خاندان کے تینوں ملازمین احاطے میں بنے ہوئے سرونٹس کوارٹرز میں رہتے اور سوتے ہوں گے۔ اگر وہ تینوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے تو ان کے آرام میں خلل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ سے عابد کو اشارہ کیا اور پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ایک ہی سانس میں اصل عمارت کے سائے میں پہنچ گیا۔

دیوار کے ساتھ لگے لگے میں نے سرکتے ہوئے داخلی راستے تک رسائی حاصل کی۔ وہ بند تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر بغلی دیوار کی طرف ہو لیا۔ کچھ آگے بڑھتے ہی مجھے مکان کے پچھلے حصے میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے دو کمرے نظر آ گئے جو ملازمین ہی کے استعمال میں ہو سکتے تھے۔

بغلی دیوار کی پہلی دو کھڑکیاں بند تھیں۔ تیسری کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں رکے بغیر وہاں پہنچ گیا۔ اس کھلی ہوئی کھڑکی میں جالی کے پٹ اندر سے بند تھے۔ گھر میں مچھروں اور مچھروں کا داخلہ روکنے کے لیے فلائی پروف فٹنگ ضروری تھی۔ میں نے جالیوں میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف پھیلی ہوئی گہری تاریکی کی وجہ سے کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی خواب گاہ ہے۔

ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اندر گھسے بغیر مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گرد آلود جالی پر ہاتھ لگایا تو وہ نائیلون کے بجائے کسی دھات کی محسوس ہوئی۔ میں نے پتلون کی بائیں جیب سے عابد کا لایا ہوا چاقو نکال کر کھول لیا۔ جالی کا ایک حصہ چاقو کی نوک سے کاٹنے میں خاصی آواز پیدا ہوئی۔ رات کے گہرے سناٹے میں المونیم کے تاروں کے کٹنے کی وہ آواز آسانی سے کسی کی نیند میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں نے مزید جالی کاٹنے کے بجائے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ ذرا سی کوشش کے بعد چٹخنی تلاش کرنے اور کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ جالی دار پٹ کے قبضے بے آواز تھے۔ پٹ کھلتے ہی میرے داخلے کا راستہ پیدا ہو چکا تھا۔ میں نے سر اوپر کر کے اندھیرے میں نظریں گاڑ دیں۔

وہ ایک بڑا کمرا تھا جہاں دو کشادہ مسہریوں پر نسوانی ہیولے محو خواب نظر آ رہے تھے۔ میں نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں کی کہ وہ اٹل بسواس کی بیٹیوں کی خواب گاہ تھی۔ وہ چڑھتی ہوئی جوانی کے خمار میں ڈوبی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں کھڑکی سے گزر کر کمرے کے فرش پر اتر گیا جو دبیز قالین میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ ان معصوم لڑکیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ وہ بعد میں کسی کھٹکے سے بیدار ہو کر ہمارے لیے ایک مصیبت کھڑی کر سکتی تھیں۔ ان کا بے ہوش ہو جانا ہمارے حق میں بہتر تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں خدمات انجام دینے والے تینوں ملازمین بیرونی کمروں میں پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ گھر میں موجود موبائل فون یا کسی دوسری مواصلاتی سہولت کو صرف اہل خانہ استعمال کر سکتے تھے۔ دو لڑکیاں ہمارے سامنے سو رہی تھیں۔ انہیں بے ہوش کرنے کے بعد گھر میں انل بسواس اور اس کی بیوی رہ جاتی۔ انل کے بارے میں ہم خون آشام عزائم لے کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد یا اس سے پہلے اس کی بیوی کو بھی بے ہوش کر دیا جاتا تو ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا یہ خطرہ ٹل جاتا کہ انل کے قتل کی اطلاع زلیش شرما کو مل جائے گی اور وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہوشیار ہو چکا ہو گا۔

میں چیتوں کے بل چلتا ہوا مسہری کے قریب گیا۔ اس پہلی مسہری پر لیٹی ہوئی لڑکی کے پیر ہلکے کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر وہ ہاتھ مضبوطی سے لڑکی کی نرم پنڈلی پر جما دیا۔

پنڈلی پر میری گرفت کے دباؤ سے نگینے میں پوشیدہ مائیکرو سرنج کے ذریعے سریع الاثر سیال لڑکی کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے سوتے سوتے ایک تیز جھرجھری لی۔ لمحے بھر کے لیے میں خوف زدہ ہو گیا کہ شاید وہ سیال کے اثر انداز ہونے سے پہلے میرے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے جاگنے والی تھی۔ وہ بیدار ہو جاتی تو اپنے کمرے میں دو اجنبی سایوں کو موجود پا کر دہشت سے چیخنا شروع کر دیتی اور ہمیں وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ جانا پڑتا۔

ذرا سے انتظار نے میرے خوف کو بے بنیاد ثابت کر دیا۔ جھرجھری لینے کے بعد لڑکی کا بدن ساکت ہو گیا۔ اول خان کا دیا ہوا تحفہ اس نازک موقع پر بے مثال انداز میں میرے کام آیا تھا۔ عابد میرے قریب کھڑا وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اسے میرے پاس موجود انگوٹھیوں کا راز معلوم نہیں تھا۔ بار بار آنکھیں پھاڑنے کے باوجود وہ کچھ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ایک لڑکی کی بے ہوشی کی طرف سے مطمئن ہو کر میں دوسری مسہری کی طرف بڑھا تو عابد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"تم ان کے پیر کیوں پکڑ رہے ہو؟" وہ میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ آواز میں منمنایا "کوئی لڑکی اٹھ گئی تو قیامت کھڑی کر دے گی۔"

میں نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر انگوٹھی والے ہاتھ سے دوسری لڑکی کا داہنا پیر تھام لیا جو پائنتی کی طرف میرے قریب تھا۔

پیر کی جلد کو چھوتے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ تلوے کی سخت جلد میں سیال کا ایک قطرہ اتارنے کے لیے سخت تر گرفت کی ضرورت تھی۔ میں نے لڑکی کے پیر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ظالمانہ حد تک بڑھا دیا۔ وہ بھی آنکھیں کھولے بغیر دھندلکوں کی اسی دنیا میں پہنچ گئی جہاں اس کی بہن پہلے سے موجود تھی۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ دونوں بے ہوش ہو چکی ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں عابد کو بتایا۔

"مگر کیسے..... تم نے ان کے پیر اور پنڈلی پر کیا عمل کیا ہے؟" میری کارروائی کے سحر میں گرفتار ہو کر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ ہمیں انل بسواس کی تلاش تھی۔

"برہمن کی کنواری کنیا کے چرن چھو لیے جائیں تو وہ لاج سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ آؤ' آگے چلو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ انل بسواس کے گھر میں آسانی سے گھس آنے کے بعد میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ مہم یکایک مجھے بہت سہل نظر آنے لگی تھی۔

دو خالی کمروں کا سرسری جائزہ ناکام رہا۔ ایک ڈرائنگ روم تھا۔ دوسرا سونے کا کمرا تھا مگر خالی تھا۔ گھر میں ہر طرف گہرے اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے مجھے سنبھل کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے بھی میں نے ٹارچ استعمال نہیں کی تھی۔ جب تک اس گھر میں انل بسواس زندگی کے سانس لے رہا تھا' احتیاط ضروری تھی۔

تیسرے تاریک کمرے میں گھستے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ مسہری پر شب خوابی کے کپڑوں میں ملبوس دو سائے ایک دوسرے کے جسموں پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی فضا میں رچی ہوئی خنکی اور مخصوص بو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بجلی اڑنے سے پہلے کمرے کا ائر کنڈیشنر چلتا رہا تھا۔

انل اپنے ملک' اپنے شہر اور سب سے بڑھ کر اپنے گھر

Downloaded from https://paksociety.com

میں تھا۔ وہ درندہ صفت، سفاک اور بے غیرت شخص یہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کی بُو پر لگ کر اس کی خواب گاہ تک میں پہنچ جاؤں گا۔ وہ بے خبری اور اطمینان کی گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسروں کے آرام اور سکون کو تہس نہس کر دینے والے شخص کی وہ بے فکری میرے لیے قابل رشک تھی۔ اس نے غزالہ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی، اس کا ہولناک انتقام لینے کے لیے اس کے گھر میں دو جوان اور شاید خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں مگر میں جوش انتقام میں اپنی سطح سے گر کر انل بسواس کے گندے مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی بیٹیاں اس کے جرائم میں شریک نہیں تھیں اور میں راکا کوئی بھیڑیا نہیں تھا جو باپ کے کرتوتوں کی سزا اس کی بیٹیوں کو دینے پر تل جاتا۔

انل بسواس اور اس کی بیوی کے سونے کا انداز بہت والہانہ تھا۔ ادھیڑ عمری کے آخری مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی انل اپنی خانگی زندگی میں خلوص اور وفا کا پیکر نظر آرہا تھا۔ اس کی ساری بے رحمی اور سفاکی اپنے گھر سے باہر والوں کے لیے تھی۔

میں کچھ دیر تک تذبذب میں مبتلا رہا۔ فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے انل بسواس کی زندگی کا چراغ گل کروں یا اس کی بیوی کو بے ہوش کروں۔

آخر میں نے اس کی بیوی کو منتخب کرلیا۔ وہ دشمن کی خاص الخاص عورت تھی۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی سوچا جاتا، وہ کم تھا۔ را کے اصولوں کے تحت وہ بدترین تحقیر اور تذلیل کی سزا وار تھی مگر میں نے اس کی جوان بیٹیوں کو معاف کردیا تھا تو وہ ادھیڑ عمر عورت میرے کس کام کی تھی۔ میں اس کے جسم کو چھونا بھی بُرا سمجھ رہا تھا۔ میری مجبوری یہ بھی کہ عورت کی عافیت کے لیے اس کا بے ہوش ہوجانا اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لیے اس کے جسم کے کسی نرم اور نازک حصے کو چھونا بلکہ پکڑنا ضروری تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اس کی بیٹی پر تجربہ کرچکا تھا کہ تلوے کی سخت کھال انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے لیے ایک امتحان بن سکتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو جھٹکا اور انل بسواس کی بیوی کی برہنہ پنڈلی پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ اس کی پنڈلی پر روئیں کی جگہ بال اگے ہوئے تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

عورت کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کا ایک ہاتھ انل بسواس کے سینے پر تھا۔ ہاتھ کی شدید اضطراری حرکت سے... ہڑبڑا کر انل بسواس گھگیاتا ہوا نیند سے بیدار ہوگیا "کک....

کک.... کیا ہوا نینی.... کیا بات ہے....؟"

"خاموش!" میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

میری سفاکانہ آواز پر وہ چونک کر بستر سے اٹھ گیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی خواب گاہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی بیوی کے سوا کوئی اجنبی بھی موجود ہے "تت.... تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیا کررہے ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

میری دھمکی کارگر رہی تھی۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ وہ دہشت زدہ ہوکر اچانک چیخنا چلانا شروع نہ کردے۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخص تھا۔ میری آواز کی سختی کو سننے کے ساتھ شاید اس نے میرے پستول کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا۔

"بوجھنے کی کوشش کرو کہ میں کون ہوں!" میں نے استہزائیہ لہجے میں اسے دعوت دی۔ وہ اتفاقیہ طور پر ہوش میں آگیا تھا اور اس کے تینوں اہل خانہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے تو اس موذی سے تھوڑی دیر کے لیے کھیل لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"تم.... تم تو شاید مظہر خان ہو۔" اس کی تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری "تمہاری آواز میری سنی ہوئی ہے۔"

"تمہاری یادداشت واقعی قابل رشک ہے۔ مجھے آج کل اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم کو میرے گھر میں گھسنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" تعارف ہوتے ہی اس کی آواز غصیلی ہوگئی۔ اس کے اندازوں کے مطابق مظہر خان ایک بزدل اور حریص شخص تھا۔ وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آنے کی غیر ارادی کوشش کر بیٹھا تھا "میں تمہارے پیر توڑ دوں گا۔"

"تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی سات گولیاں تمہارا بدن چھلنی کردیں گی۔"

"تم حقیر پاکستانی کیڑے.... تمہاری یہ مجال کہ میرے گھر میں گھس کر مجھ کو دھمکیاں دے رہے ہو۔"

"تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے۔ میری اور رینا کی فلم اوٹا دو۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

مجھے مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لینے کے بعد وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ اس نے میرے مطالبے کو نظر انداز کرکے پوچھا "میری بیوی کے ساتھ تم نے کیا حرکت کی تھی۔ نینی نے مجھے کیوں جھنجوڑا تھا اور اب بے سدھ کیوں پڑی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی ہے۔"

"تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی شخص کوئی حرکت نہیں کرسکتا۔ اس کے جسم پر مردوں جیسے بال تم ہی برداشت کرسکتے ہو۔"

"شٹ اَپ۔ یو سن آف اے بچ!" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر حلق کے بل غرایا۔

عابد خود پر قابو نہ پاسکا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے اندھیرے میں اپنی جگہ چھوڑی اور انل بسواس کا جبڑا سہلا دیا۔ وہ مار کھا کر کراہتا ہوا مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔

"تم کو یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" وہ مسہری پر پڑے پڑے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے نکلتے ہو۔"

"رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ بھی کسی کی بیٹیاں اور ہونے والی بیویاں ہیں۔ تم نے ان کو دن رات کھلونا بنایا ہوا ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں تم ایک حقیقت بھی نہیں سن سکتے۔ لعنت ہے تم پر اور تمہارے سرکاری عہدے پر۔ تم کو تو کسی طوائف کا دلال ہونا چاہیے تھا۔"

"تم دو ہو۔ اس وقت جو چاہو، کہہ سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ابھی بھی تم میری مٹھی میں ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔" وہ یہ کہتا ہوا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

میں سنبھل کر آگے بڑھا اور پستول کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر رکھ دی "کتے کے بچے! اس سے پہلے میں تجھے مار دوں گا۔"

"نن.... نہیں۔ تت.... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ہمیں کون روکے گا؟ اس وقت تو ہمارے رحم و کرم پر ہے۔" میں نے پستول کی نال سے اس کی پیشانی کو پیچھے جھٹکا دے کر کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تمہاری فلم تمہیں ہر جگہ بدنام کردے گی۔" اسے خطرے کا ادراک ہونے لگا تھا۔

"یہ تیری اور نریش کی بدقسمتی ہے کہ وہ فلم ناگر کی چتا میں جل گئی اور اب اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ تم دونوں دیوانہ وار اس فلم کا متبادل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے لیکن کچھ حاصل نہیں کرسکے۔ تیرا وقت پورا ہوچکا ہے...."

"نہیں۔ تم مجھے نہیں مارو گے۔" اس نے ہذیانی انداز میں میری بات کاٹ دی۔

"پھر یہ نیک کام کون کرے گا؟" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا "میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

"شاید میں دھوکا کھا گیا۔ اس وقت تمہارے اندر چھپا ہوا درندہ بول رہا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا تھا۔ تم خطرناک آدمی ہو۔"

"میں وہی ہوں جس کے نام نے تم سب کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ مرنے سے پہلے تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تو بھارت میں ڈینی کا پہلا شکار بننے والا ہے۔"

"ڈے.... اے.... اے.... نی.... ای!" اس کے منہ سے بمشکل میرا نام برآمد ہوا "تم ڈینی ہو؟"

اس کی آواز یکایک کھوکھلی اور بے روح ہوگئی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں اپنے داہنے گھٹنے سے ضرب لگائی اور وہ کسی زخمی پلے کی طرح بلبلاتا ہوا، مسہری سے ٹکرا کر فرشی قالین پر گرگیا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

"زیادہ تشدد مت کرو۔" عابد نے میرے شانے کے قریب سرگوشی کی "یہ اچانک چیخ پڑا تو مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ اندھیرے میں وہ کہیں سے کوئی ہتھیار بھی نکال سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے گولی چلا دے اور ہم یہاں گھر جائیں۔"

عابد کے اندیشوں میں وزن تھا مگر میں حالات پر پوری طرح قابو پالینے کے بعد اس کھیل کو اتنی جلدی ختم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

"مکاری بند کر اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوجا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

میرا نام سننے کے بعد وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کسی ریچھ کی طرح دونوں ہاتھ بھی شانوں تک اٹھا لیے تھے مگر ہتھیلیاں آگے گری ہوئی تھیں۔ عابد نے اپنی ٹارچ کا رخ فرش کی طرف کرکے اسے روشن کردیا جس سے پورے کمرے میں اجالا پھیل گیا۔

"مجھے مار کر تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" انل بسواس رو دینے والی آواز میں کہہ رہا تھا "میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں اپنے فرض سے مجبور ہو کر تمہارا پیچھا کرتا رہا ہوں۔ میرے بعد میری جگہ آنے والے بھی تمہیں تلاش کرتے رہیں گے۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس کی موت پاکستان کے خلاف مکارانہ سازشوں اور منصوبوں کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہوچکی تھی۔ میں نے سرد لہجے میں کہا "زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنی زندگی کی قیمت لگا دے۔ ہوسکتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے کہ کوئی سودا بن جائے۔"

"میں تمہیں کئی لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ یہ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہے۔" انل بسواس نے پیشکش کی۔

"ایسی رقمیں میری ٹھوکروں میں پڑی رہتی ہیں۔ پیسے کے علاوہ کوئی اور بات کر۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پپ... پیسے کے بعد شاید تم کو عورتوں کا شوق ہے۔ دہلی کی جس عورت پر ہاتھ رکھ دو گے اسے تمہاری باندی بنادوں گا۔"

"تجھے ہوش ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو دہلی کا کوئی مطلق العنان راجا نہیں ہے۔"

"میری ایجنسی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم آزما کر دیکھو۔ جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے وہ اچانک جبر کا شکار ہوجاتے ہیں۔" میری باتوں سے اس کے دل میں امید کی کرن جاگ اٹھی تھی۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تو اپنی بات پر قائم رہے گا؟" میں نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

"اگر تم نے پردھان منتری کی بیٹی مانگ لی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ وہ میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔" اس نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"میری طلب صرف تیرے اختیار میں ہے۔ تو دو بیٹیوں کا باپ ہے۔ زندگی چاہتا ہے تو ان کے بارے میں بات کرلے۔"

"نہیں ڈینی، یہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی باپ اس طرح اپنی بیٹیوں کا سودا نہیں کرسکتا۔"

"پھر مرنے کے لیے تیار ہوجا!" میں نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دے کر کہا۔

"ٹھہرو..." اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے امتحان میں مت ڈالو۔ مجھ سے کچھ اور لے لو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"تو نے مرلی دھر کو غزالہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ صرف خون سے ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ تیرا خون یا تیری آبرو کا خون۔ یہ فیصلہ تجھ کو کرنا ہے اور اسی وقت کرنا ہے۔ میں تجھ جیسے شاطر کو وقت نہیں دوں گا۔"

"میری بچیاں کہاں ہیں؟" اسے جیسے اچانک ہی ان دونوں کا خیال آگیا۔

"وہ اپنے کمرے میں تیری نینی کی طرح بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔" میں نے بتایا۔ اس کے سوال پر مجھے گمان ہوا تھا کہ یکایک اس کی پدرانہ غیرت جاگ اٹھی تھی۔

"وہ بے ہوش پڑی ہیں تو تم مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے بولا "میں تمہارے ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہوں۔ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ دو اور ان کے کمرے میں جاکر جو چاہو کرلو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"

"انل بسواس! تم بالکل بکواس کررہے ہو۔ میں تیری اور نریش کی طرح بے غیرت نہیں ہوں جو کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاؤں۔ نہ میں مرلی دھر کی طرح بے ضمیر ہوں کہ کسی کے ساتھ جبر اور زبردستی کروں۔ دل رضامندی سے بہلتا ہے۔ تیری اجازت کے بغیر میں ان کلیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

کمرے میں خنکی ہونے کے باوجود انل بسواس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا۔ پرائی عورت کو ذلیل، رسوا اور بلیک میل کرنے والے کو قدرت نے خود اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف موت اپنا دہانہ کھولے کھڑی تھی اور دوسری طرف ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں زندگی کی امید، بس ایک موہوم سی امید نظر آرہی تھی۔

کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا۔ میں چند ثانیوں تک اپنے یا انل بسواس کے سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ انل کی کمزور آواز نے اس اعصاب شکن سکوت کو حیرت ناک انداز میں توڑا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے چہرے پر کالک مل کر تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "میری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے ابھی تک تیری بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"نہیں، نہیں۔ میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ تم جھوٹے اور مکار ہو۔" وہ جھنجلا کر بے بسی سے بولا۔

"تو چاہے تو میں بڑی سے بڑی قسم کھاسکتا ہوں۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

"پھر اپنے خدا کی قسم کھا کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد تو مجھے نہیں مارے گا۔" اس بار وہ فرطِ جذبات میں تم سے تو کے صیغے پر اتر آیا تھا۔

میں مسلسل اس کی تحقیر کرتا چلا آرہا تھا۔ میں نے اس کی جذباتی خطا کو درگزر کردیا اور اس کے کہنے کے مطابق قسم کھالی "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے تیری آبرو کا خون کیا تو پھر تجھے نہیں ماروں گا۔" عابد حیرت سے یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرا

Downloaded from https://paksociety.com

دماغ الٹ گیا ہو۔

"میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اب میں زندہ رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو اپنی قسم نہیں توڑے گا۔ جا اور میرا منہ کالا کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لے۔"

میں یہی دیکھنا چاہ رہا تھا کہ رالا کا وہ مردار خور اپنی جان بچانے کے لیے کہاں تک گر سکتا ہے۔ اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا پھر بھی اس بے غیرت کے الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنا پستول عابد کی طرف اچھال کر انل بسواس پر ٹوٹ پڑا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے مار کھانے کے بعد اس مرتبہ ضرور شور مچائے گا۔ میں نے سب سے پہلے اس کی گردن اور دہانے پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے اور پھر اس کی پیشانی پر اپنی زوردار ٹکر رسید کی کہ وہ تیورا گیا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا۔ میرے لیے اسے سنبھالے رکھنا دشوار تھا۔ میں اس کے ساتھ قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس دوران میں، میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دہانے پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور وہ اپنا منہ آزاد کرانے کے لیے زور صرف کر رہا تھا۔

اس زور آزمائی میں شاید میرا کوئی وار سخت پڑ گیا یا پھر تکینے کا سیال کسی طرح اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اچانک اس کی ساری جدوجہد تو ڑ گئی اور وہ کسی بے جان لاش کی طرح میری بے رحمانہ گرفت میں جکڑا رہ گیا۔

اس کی بے ہوشی کا پورا یقین کرنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا اور قالین سے اٹھ گیا۔

عابد میری مدد کرنے کے ارادے سے میرے قریب آ پہنچا تھا مگر اس کے دخل انداز ہونے سے پہلے ہی انل بسواس کا قصہ نمٹ گیا۔

"تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کر اپنی قسم توڑی ہے۔" عابد علی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میں حیران تھا کہ تم کو قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے بے نقاب کرنے کے لیے وہ سب ضروری تھا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکیں گی۔ اس پر حملہ کر کے میں نے قسم نہیں توڑی۔"

"ہمیں اس کو مار ڈالنا ہے۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ اسے نہیں مارو گے۔"

"وہ قسم مشروط تھی۔ میں نے اس کی بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ان لڑکیوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کا باپ واقعی قابل نفرت ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کے لیے اپنی بیٹیوں کے آنچل کا سودا کر لے، اسے زمین کا بوجھ بن کر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتا چلا آیا تھا۔"

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسے سر کے پچھلے حصے سے گولی مار کر اس طرح ہلاک کروں گا کہ گولی اس کا پورا چہرہ پھاڑ کر باہر نکل جائے۔ اس کی بگڑی ہوئی ہیئت ناک لاش ہی را کے رنگیلے شہزادوں کے لیے عبرت آموز ہو سکتی تھی مگر اس کے حادثاتی طور پر بے ہوش ہونے کے بعد تکیوں وغیرہ میں دبا کر پستول چلانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈالا اور تیز پھل والا لمبا شکاری چاقو جیب سے نکال لیا۔

اس کی گردن کی شہ رگ کو کاٹنے سے ذبیحے کی ایک علامتی مماثلت پیدا کی جا سکتی تھی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت سے الٹا کیا اور اس کے گھٹنوں کے پیچھے سے گزرنے والی دونوں شہ رگیں کاٹ دیں۔ انل بسواس بے ہوش تھا لیکن کٹی ہوئی رگوں سے بہنے والی خون کی دھاروں کے نتیجے میں اس کے بدن میں وقفے وقفے سے اکڑاؤ اور ڈھیلے پن کی کیفیات رونما ہونے لگیں۔ عابد ٹارچ روشن کر کے میری مدد کر رہا تھا۔

میں نے انل بسواس کے کمرے سے ملحق باتھ روم میں جا کر چاقو کو اچھی طرح دھویا، ہاتھ صاف کیے اور وہاں سے نکل آیا۔

انل بسواس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر ہم دونوں اسی راستے سے عمارت سے باہر نکل گئے جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے علاقے کے ساتھ انل کا مکان بھی گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کی طرف حسب سابق سکوت کا راج تھا۔

ہم احاطے کی دیوار پھاند کر اندر گھسے تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ آہنی پھاٹک کی کنڈی کھول کر میں نے باہر جھانکا اور ذرا سی دیر میں ہم انل بسواس کے گھر کی حدود سے نکل کر اپنی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔

"میرے منصوبے کی بنیادی بات یہ تھی کہ ہم کہیں بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔" گاڑی آگے بڑھانے کے بعد عابد نے نپی آواز میں کہا "یہاں ہمیں بہت دیر ہو گئی۔"

"وقت گزارنا ناگزیر تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ را میں کیسی گھٹیا ذہنیت کے لوگ بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انل بسواس پاکستان کے خلاف خطرناک منصوبوں کا خالق قرار دیا جاتا ہے مگر اس کا یہ عالم تھا کہ وقار کی موت کو گلے لگانے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بجائے ایسی زندگی کی التجائیں کر رہا تھا جس سے شاید اسے خود بھی کچھ دنوں بعد گھن آنے لگتی۔"

"یہ اندر کی کہانی ہے جو تم نے اپنا دل بہلانے کے لیے سن لی۔ دنیا کو کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ حد یہ ہوگی کہ اس کی بیٹیاں بھی اپنے باپ کی میت سے لپٹ کر زار و قطار روئیں گی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا کہ ان کے بے حیا باپ کا مرجانا ہی ان کے لیے سود مند تھا۔"

"کچھ سامنے آئے یا نہ آئے' اس کی موت عبرت ناک رہے گی۔ چند گھنٹوں بعد دہلی میں ایک کہرام مچ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے ان تینوں کو کس طرح بے ہوش کیا تھا؟" عابد کو اچانک وہ واقعات یاد آگئے "تم نے ان کی پنڈلیوں اور پیروں کی کون سی رگیں دبائی تھیں؟"

میں غیر ضروری طور پر کسی کو اپنا راز داں بنانے کا قائل نہیں تھا لیکن عابد علی کی بات مختلف تھی۔ اس نے بہت کڑے وقت میں اور ہر قسم کے خطرات مول لے کر اس طرح ہمارا ساتھ دیا تھا کہ میرا دل اسے کوئی چکما دینے پر مائل نہیں تھا۔ میں نے رسانیت سے اسے انگوٹھی کے بارے میں بتا دیا۔ مہلک زہر والی انگوٹھی کا تذکرہ میں نے گول کر دیا۔ وہ انگوٹھیاں دہلی میں دو مواقع پر استعمال ہو چکی تھیں۔ پہلی مرتبہ ویرا نے انسپکٹر ڈیوڈ کو اس کی مدد سے ہلاک کیا تھا اور دوسری بار غزالہ نے جان اسمتھ کو انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بنایا تھا۔

"یہ نایاب انگوٹھی ہم لوگوں کے پاس بھی ہونی چاہیے۔" اس نے رشک آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا "اس کا شکار کتنی دیر میں ہوش میں آتا ہے؟"

"اس کا انحصار استعمال ہونے والے سیال کی مقدار اور بحالی کی کوششوں پر ہوتا ہے۔ عام طور پر بے ہوشی کے اثرات چار گھنٹے تک برقرار رہتے ہیں۔"

"بہت ہی مناسب وقفہ ہے۔" اس نے مسرت سے کہا "انل بساواس کی بیوی اور بیٹیوں میں سے کوئی صبح کے چھ بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ انل کے قتل کی خبر پھیلنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹا لگ جائے گا۔ اس وقت تک ائر انڈیا کا جہاز تمہیں لے کر دہلی سے کافی دور جا چکا ہوگا۔"

"اس خوش فہمی میں تم یہ بھول رہے ہو کہ ابھی نریش شرما باقی ہے۔ وہاں کامیابی ہونے کے بعد ہم کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔"

"انل کے گھر میں دیر ہونے سے بھابی سمیت ہر ایک کو تشویش ہوئی ہوگی۔" اس نے فوراً ایک نئی بات شروع کر دی۔

"کسی کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ تم میرے ساتھ تھے اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ انہوں نے ہماری خیریت سے واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا ہوگا۔" میں نے مسکت جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

انل بساواس ہمارا اس رات کا پہلا اور سب سے اہم شکار تھا۔ وہاں کام نمٹانے کے لیے اوقات کا تعین ہمارے اختیار میں تھا اس لیے علاقے میں بجلی کے بریک ڈاؤن وغیرہ کی پیشگی منصوبہ بندی کر لی گئی تھی۔ وہاں کام نمٹانے میں صرف ہونے والے وقت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے نمٹنے کے بعد ہمیں نریش شرما کی طرف جانا تھا۔ اس کی نوبت کس وقت آتی۔ اس بارے میں پہلے سے اندازہ لگانا محال تھا۔ دوسرے یہ خوف بھی تھا کہ نریش کو انل کے قتل کی خبر مل گئی تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دوسری مہم کے لیے صرف ہدف ہمارے سامنے تھا۔ کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جا سکی تھی۔ میں نے رائے دی کہ ہم براہِ راست نریش کے گھر جانے کے بجائے آبادی سے نکل جائیں۔ انل کے تینوں پس ماندگان کو کامیابی سے بے ہوش کرنے کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ انل بساواس کے قتل کی اطلاع تیزی سے پھیل جائے گی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا' مکمل

کرم فرما توجہ فرمائیں

پائیوریا کے منفرد اور پینتالیس سالہ آزمودہ طریقہ علاج کے بانی ڈاکٹر سید مشتاق علی کے انتقال کے بعد ان کے تربیت یافتہ بھانجے داماد سید دلشاد بخاری اسی منفرد اور آزمودہ علاج کے ساتھ آپ کی خدمت میں۔

اوقات صبح 11 تا شام 7 بجے

پتہ: پائیوریا کیور ڈینٹل کلینک کمرہ A-15 کیانی پلازہ، کیانی شہید روڈ نزد آئی بی اے۔ کراچی۔

فون: 7236817

Downloaded from https://paksociety.com

خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر عابد اپنی گاڑی باہر نکال لے جاتا تو سرخ کار والے بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر ہولیتے۔

راستہ بدل جانے کی بنا پر ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ میرے اور عابد کے پروگرام میں کوئی تبدیلی آچکی تھی۔ دونوں گاڑیاں کسی سنسان مقام پر رکتیں اور ذرا سی دیر میں نریش کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرلی جاتی جس میں برقی رو کے تعطل کی گنجائش ہوتی۔

عابد نے کھلے دل سے مجھے بتایا کہ نریش کے لیے صرف مارنے اور بھاگ نکلنے کے ہنگامی پروگرام پر کام کیا گیا تھا۔ وقت کی تنگی کے خوف سے یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ نریش کے مکان کی بجلی کس سمت سے اڑائی جاسکے گی۔

مختصر وقت میں یہ معلوم کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ نریش شرما کے مکان کو بجلی فراہم کرنے والے تار کس سرکٹ سے منسلک تھے۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ سراغ لگالیا جاتا تو اتنی رات گئے لیک دار آہنی لنگر فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

عابد کے پیش کیے ہوئے وہ عذر معقول اور قابل قبول تھے۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

نریش شرما کا مکان چھوٹا اور کونے سے دوسرا تھا۔ عابد نے گاڑی گلی میں لے جانے کے بجائے باہر ہی کھڑی کردی۔

میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو تین بجنے والے تھے۔ اتنی بسواس کے گھر میں گھسنے کے لیے وقت اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا چلا گیا تھا کہ ہمیں یا کم از کم مجھے اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔

ہم قرول باغ میں آبادی کے جن حصوں سے گزرے تھے وہاں رات کے گہرے سکوت اور سناٹے کا راج پایا تھا۔ لاتے کے سارے سفید پوش شرفا سوچکے تھے یا اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔ قرب و جوار سے کبھی کبھار آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے علاوہ فضا پر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا۔

تاریکی میں ہم نے بہت آسانی سے اپنا کام کرلیا تھا مگر نریش شرما کی گلی میں اِکا دُکا مکانوں کے گیٹ لیمپ روشن تھے۔ رات کے گھور اندھیرے میں ان روشنیوں کا انعکاس دور تک پھیل رہا تھا۔

میں عابد کے ساتھ چہل قدمی کے انداز میں گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر میری تشویش میں اضافہ ہوگیا کہ نکڑ سے دوسرے مکان کے دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا اور وہی مکان نریش شرما کا تھا۔ بڑے کے مقابلے میں وہ چھوٹا شکار مجھے دشوار تر نظر آنے لگا۔

روشنی کی وجہ سے ہم زیادہ دیر تک اس گھر کے سامنے نہیں رک سکتے تھے۔ بے خوابی کا کوئی مریض اپنی کھڑکی سے جھانکتا تو ہمیں وہاں دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاتا۔

"دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں عابد سے کہا "میں جاتے ہی اندر کود جاؤں گا۔ تم باہر رک کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا۔"

عابد کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں "اگر تم دیکھ لیے گئے تو کیا ہوگا؟"

انل بسواس کو کامیابی سے مار لینے کے بعد میرا دل شیر ہوچکا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ زیادہ خطرہ ہوا تو ہم گاڑی کی طرف دوڑ لگادیں گے۔"

ہتھیاروں کی وجہ سے ہماری پھولی ہوئی جیبیں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں مگر ہتھیاروں کی موجودگی ناگزیر تھی۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ہم ایک دو ہوائی فائر کرکے دشمن اور اس کے محلے داروں کو خود سے دور رہنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

نریش شرما کے گھر کے سامنے پہنچتے ہی میں پوری دیدہ دلیری سے دیوار پر چڑھا اور کودنے کے بجائے آہستگی سے اندر اتر گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کودنے کی ہلکی سی دھمک بھی قریبی کمروں میں سن لی جائے گی اور کوئی گھر سے باہر نکل آئے گا۔

اندر کودنے بلکہ اترنے کے لیے میں نے ایسا پُر اعتماد طریقہ اختیار کیا تھا جیسے گھر کا کوئی فرد دیر سے آنے کی صورت میں' اپنے بڑوں کی بازپرس سے بچنے کے لیے' چھپ کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ میں نے چند لمحوں تک انتظار کیا لیکن کہیں سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس رات مقدر پوری طرح میری یاوری کررہا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ عابد پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہوگا۔ میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے بیٹھے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

گیٹ کے سامنے نریش کمار کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی کے پچھلے حصے اور دروازے کے درمیان اتنی کم جگہ تھی کہ میرے اندازے کے مطابق ذیلی دروازے کا پٹ پوری طرح کھولنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی جگہ ضرور بن سکتی تھی کہ آنے جانے والے آسانی سے دروازے سے گزر سکیں۔

مکان کی اگلی دیوار اور احاطے کے درمیان چند فٹ کا مختصر سا فاصلہ تھا۔ گیٹ کے سامنے البتہ پورچ بنا ہوا تھا۔ اس طرف مکان کی دیوار اتنی پیچھے چلی گئی تھی کہ اندر گاڑی پارک کرنے کی گنجائش نکل آئی تھی۔ مکان کا رقبہ مختصر تھا مگر اسے پوری چابک دستی سے استعمال میں لایا گیا تھا۔

میں وہ جائزہ لیتا ہوا کار اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں پہنچ

Downloaded from https://paksociety.com

گیا۔ یہ میری چھٹی حس تھی کہ وہاں پہنچ کر میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ذیلی دروازے کا کنڈا اندر سے مقفل نہیں تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اسے چھپکے سے اٹھا کر ہولے سے سرکانا چاہا لیکن زنگ کی سی آواز پیدا ہوئی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ نیچے کرلیا۔ اس بار میرے کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے کنڈا اٹھانے کی وہ آواز بہت پُرشور محسوس ہوئی تھی جو کسی مکین کو ہوشیار کرنے کے لیے کافی تھی مگر اندر کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔

کنڈا جہاں تھا، وہیں رکا ہوا تھا۔ شاید آہنی پٹ میں کوئی ٹیڑھ پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے رواں ہونے کے بجائے پھنسا ہوا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں زور لگا کر پورا کنڈا سرکا دیا۔ کنڈا کھلتے ہی آہنی دستہ نرمی سے نیچے آگیا۔ میں نے پٹ کے نچلے حصے میں انگلیاں پھنسا کر اسے اندر کھینچا۔ اس بار بھی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی اور ذیلی دروازے میں خلا بڑھنے لگا۔

عابد علی باہر بہت مخدوش پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔ میں گھر کے احاطے میں داخل ہوچکا تھا۔ میری طرف سے خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پٹ کھلتے ہی عابد تیزی سے آگے آیا اور دروازے سے اندر گھس آیا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے اندر آتے ہی پلٹ کر، احتیاط سے پٹ بند کردیا۔ میں گاڑی اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ عابد علی اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر گھر میں کوئی ہوشیار تھا تو وہ گیٹ لیمپ کی روشنی میں اسے یقیناً دیکھ چکا تھا۔

عابد نے پٹ بند کرتے ہی اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ مار کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میری نیت اسے کسی خطرے میں جھونکنے کی نہیں تھی۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جو سامنے ہے وہی پیش قدمی کی ابتدا کرڈالے۔

اس وقت عابد پوری طرح چوکنا اور مستعد تھا۔ اس نے بھی موقع کی نزاکت بھانپ لی تھی۔ پر میرا اشارہ پاکر اس نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی.... اور پختہ فرش پر محتاط قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کے عقب سے نکل گیا۔

وہ بس ایک لمحے کے لیے مجھے نظر آتا رہا پھر گاڑی کی اوٹ میں غائب ہوگیا۔ عابد کی پیش قدمی کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آنے تک میرا اپنی جگہ سے اٹھنا مناسب نہیں تھا۔ میں اضطراری طور پر اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹکا کر سجدے کی حالت میں نیچے جھکتا چلا گیا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ گاڑی کے نیچے سے مجھے عابد کے بڑھتے ہوئے محتاط قدم صاف نظر آرہے تھے۔ اس سے آگے مکان کے داخلی دروازے کا نچلا حصہ بھی نظر آرہا تھا جو بند تھا۔

عابد علی کے بڑھتے ہوئے قدم بند دروازے کے پاس رک گئے۔ شاید وہ دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کررہا تھا۔ میں سانس روکے نتیجے کا انتظار کرتا رہا۔ عابد کی کامیابی کی صورت میں مجھے دروازہ اپنی جگہ سے ہلتا ہوا نظر آجاتا۔ کئی لمحے گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا پھر اچانک ہی دروازے کا پٹ ایک جھٹکے سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ دروازے کی جگہ نمودار ہونے والے خلا میں مجھے دو ننگے مردانہ پاؤں نظر آرہے تھے جن کے اوپر سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا ڈھیلا پاجامہ جھول رہا تھا۔

"ہینڈز اَپ!" دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں تیز اور تحکم آمیز آواز آئی "حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

وہ آواز سو فیصد نریش شرما کی تھی اور نشے یا نیند کے خمار سے بوجھل سی تھی۔ مجھے اپنی کمین گاہ سے ان دونوں کی پنڈلیوں کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ اس سے اوپر کیا ہورہا تھا، وہ میرے علم میں نہیں تھا۔ غیر متوقع طور پر نریش کی آواز سن کر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ یہ بہت برا ہوا تھا کہ عابد علی رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تھا۔ اس کی ناکام کوششوں کے بعد گھر کا دروازہ یوں اچانک کھولا گیا تھا کہ اسے اپنے پستول سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

"تم سعادت مند چور معلوم ہوتے ہو۔" اس بار نریش شرما کی استہزائیہ آواز ابھری "شرافت سے اپنا پستول مجھے دے دو۔ تمہاری جیبیں بھی بھاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہتھیار یا نقب زنی کے آلات بھرے ہوئے ہیں۔ آج تم کو سب کھایا پیا یاد آجائے گا۔"

ننگے پاؤں اپنی جگہ سے آگے بڑھے۔ دونوں حریفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ شاید نریش شرما بڑھ کر عابد علی سے پستول لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تک اس نے نریش کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ جس حالت میں پکڑا گیا تھا۔ اس حالت میں اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ مسلح حالت میں کسی اجنبی کی گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والا اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے سوا کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

عابد علی سے اس کا بھرا ہوا خود کار پستول لینے کے بعد نریش شرما الٹے قدموں پیچھے لوٹ گیا کیونکہ قدموں کا درمیانی فاصلہ اس بار خاصا بڑھ گیا تھا۔

"اب ہاتھ گرائے بغیر اندر آؤ اور پیر سے دروازہ بند کردو۔" نریش نے اگلا حکم جاری کیا۔ میں اس کا ایک ایک

Downloaded from https://paksociety.com

لفظ سن رہا تھا۔ اپنے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینے پر وہ بہت زیادہ پُر اعتماد نظر آرہا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ اس نے عابد علی کے اندر آنے کے طریقے کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میری ابتدائی کوشش کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آہنی آواز نے نریش کو اپنے دروازے کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ کسی تاریک کھڑکی کے پیچھے سے عابد علی کو اپنے گھر میں گھستے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ ذیلی دروازے میں کوئی بھی قفل نہیں تھا جسے باہر سے کھولا جاسکے۔ اس پٹ کا کنڈا اندر سے کھولا گیا تھا۔ اگر نریش شرما نے اسے دروازے سے اندر آتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہوجاتا تھا کہ اندر سے کنڈا کس نے کھولا تھا؟

وہ نکتہ واضح طور پر عابد علی کے کسی ساتھی کی نشاندہی کرتا تھا جو اس وقت بھی گھر میں موجود تھا۔ نریش شرما' عابد علی کو گھیر کر مطمئن ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے پوری واردات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔ پھاٹک پر پیدا ہونے والی آواز پر وہ چونکا اور کوئی آتشیں ہتھیار لے کر اپنے صدر دروازے کے پیچھے جم گیا تاکہ آنے والے کا استقبال کرسکے۔ وہ اتنا گاؤدی نہیں تھا کہ سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود دوسرے آدمی کی موجودگی کے خطرے کو نظرانداز کردیتا۔

عابد علی کے قدم بڑھنے لگے۔ وہ دروازے سے گزر گیا۔ شاید وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے پکڑے جانے کے باوجود میں محفوظ تھا۔ جب تک ہم دونوں میں سے ایک بھی بچا ہوا تھا' دوسرے کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ گلوخلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

عابد علی نے اندر پہنچنے کے بعد اپنی ایڑی سے دروازہ بند کردیا۔ وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا جو بند ہوچکا تھا۔ وہاں رک کر میں نے لمحے بھر کے لیے اندر کے منظر کے بارے میں سوچا اور فوری مداخلت کا فیصلہ کرلیا۔ دیر ہونے کی صورت میں نریش شرما کو اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا اور وہاں ایک بڑا تصادم ناگزیر ہوجاتا۔

میں نے دروازے کے ہینڈل کو تھما کر ذرا سا زور دیا اور دوسری پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر بدل چکا تھا۔ عابد علی مکان کے اندرونی حصے میں میری طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ نریش شرما اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔

میں اندر گھسا ہی تھا کہ نریش شرما بہت تیزی سے میری طرف گھوم گیا۔ دروازہ کھلنے سے آواز ہوئی تھی نہ میں نے کوئی آہٹ پیدا کی تھی۔ شاید پشت سے باہر کی تازہ ہوا کے آنے والے جھونکے نے نریش شرما کو خطرے سے خبردار کیا تھا۔ وہ اپنے ریوالور سمیت میری طرف پلٹا تھا۔ شاید وہ فائر بھی کر ڈالتا لیکن بدقسمتی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مجھے پہچان کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے اعتباری امڈ آئی۔

"مظہر.....!" اس کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔

اس کی پل بھر کی وہ جھجک اس کے لیے شکست کا پیغام بن گئی۔ عابد علی کو مہلت مل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے جست کرکے کسی عقاب کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کے پورے وجود کو اپنے مضبوط توانا بازوؤں کی گرفت میں دبوچ لیا۔ نریش کا ریوالور والا اٹھا ہوا ہاتھ مجہول ہو کر اس کے پہلو میں جھول گیا۔

"منہ سے آواز نہ نکالنا!" میں نے نیچی آواز میں دھمکی دی "تمہاری بیوی' بیٹے اور ملازموں میں سے جو بھی ادھر آیا' بے موت مارا جائے گا۔ اس وقت ہمارے پانچ آدمی تمہارے احاطے میں موجود ہیں اور میں تم سے فلم کا سودا کرنے یہاں آیا ہوں۔"

اسے خاموش رکھنے کے لیے وہ سب کہنا ضروری تھا۔ میری زبان سے نام نہاد فلم کا ذکر سن کر اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی تھی اس پرانے جھگڑے میں اس کی جان کے زیاں کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جو کچھ ہونا تھا' زبانی کلامی طور پر ہونا تھا۔

نریش اس وقت بالکل بے بس ہوچکا تھا۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اپنا ریوالور قالین پر چھوڑ دیا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس جھٹکے سے گولی نہیں چلی ورنہ سارا کھیل بگڑ جاتا۔

عابد علی نے اس کا داہنا ہاتھ مروڑ کر پشت سے لگایا اور اس کی شرٹ کی جیب سے اپنا پستول نکال کر اسے آگے دھکیل دیا۔ "اب بتاؤ کہ تم میری کیسی مزاج پرسی کا ارادہ کرچکے تھے؟"

"تم چپ رہو۔" نریش شرما نے خفگی سے کہا "یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ مظہر کے سامنے آنے کے بعد صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا۔"

"یہاں کھڑے رہنے کے بجائے اپنی خواب گاہ میں چلو۔ یہ باتیں سکون سے وہاں بیٹھ کر ہوں گی۔"

"وہاں میری بیوی سو رہی ہے۔ میں اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔ آؤ' ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com